نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رضا

نعت ریسرچ سینٹر
کراچی

جملہ حقوق بہ حق ناشر محفوظ

نام کتاب : نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش
مصنف : پروفیسر محمد اکرم رضا
اشاعتِ اوّل : جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ/مئی ۲۰۱۲ء
ضخامت : 188 صفحات
کمپوزنگ : حارث لیزر کمپوزنگ
بلدیہ ٹاؤن، کراچی۔ 0300-2499031
قیمت : 250/روپے

ISBN 978-969-8918-21-7

ناشر
نعت ریسرچ سینٹر
بی۔۵۰، سیکٹر ۱۱۔اے، نارتھ کراچی۔ ۷۵۸۵۰
E-mail: naatrc@gmail.com
www.naatresearchcenter.com - www.naatrang.net

ناشر محفوظ

ی نقوش

ا

ھ/مئی ۲۰۱۲ء

ب

0300-24990З

ISBN 978

سینٹر

کراچی۔۷۵۸۵۰

E-mail: n

www.naatresearchcent

انتساب

''نعت رنگ'' میں لکھنے والے

اصحابِ تنقید

کے نام

فہرست

دیباچہ	از مصنف	۷
مقدمہ	عزیز احسن	۱۴
نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش	متن	۲۹
اردو کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر طلحہ رضوی برق	۶۴
اردو میں نعتیہ شاعری	پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق	۶۵
اردو نعت، تاریخ و ارتقا	سیّد افضال حسین فتح پوری	۷۰
کاروانِ نعت کے حدی خواں	از مصنف	۷۱
اردو میں نعت گوئی	ڈاکٹر ریاض مجید	۷۵
اردو شاعری میں نعت	ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری	۸۰
اردو نعت اور جدید اسالیب	عزیز احسن	۸۲
تنقید اور مشکلاتِ تنقید	ادیب رائے پوری	۸۷
اردو میں حمد و نعت	ڈاکٹر سیّد یحیٰی نشیط	۹۱
جادۂ رحمت کا مسافر	ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی	۹۴
نعت اور تنقیدِ نعت	پروفیسر ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی	۱۰۰

ت

ف	۷
حسن	۱۴
	۲۹
لحہ رضوی برق	۶۴
ر ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق	۶۵
ضال حسین فتح پوری	۷۰
ف	۷۱
ریاض مجید	۷۵
عیل آزاد فتح پوری	۸۰
حسن	۸۲
رائے پوری	۸۷
یّد یحییٰ نشیط	۹۱
سرت کاس گنجوی	۹۴
ر ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی	۱۰۰

اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر	پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی	۱۰۵
تیرا وجود الکتاب	پروفیسر محمد اقبال جاوید	۱۱۱
اردو میں نعت گوئی	پروفیسر شفقت رضوی	۱۱۷
نعت اور آدابِ نعت	مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی	۱۲۴
نعت کی تخلیقی سچائیاں	عزیز احسن	۱۲۷
شاعرِ نعت	ڈاکٹر سیّد محمد سلطان شاہ	۱۳۱
''نعت رنگ'' کا تنقیدی مطالعہ	پروفیسر شفقت رضوی	۱۳۵
حضرت رضا بریلوی بحیثیتِ شاعر	ڈاکٹر جوہر میاں شفیع آبادی	۱۴۱
فنِ نعت کی نئی جہت	ڈاکٹر طاہر تونسوی	۱۴۵
قافلۂ شوق کے مسافر	از مصنف	۱۴۷
ذکرِ حفیظ تائب	محمد مقصود حسین	۱۵۲
ہنر نازک ہے	عزیز احسن	۱۵۵
نعت نگر کا باسی	سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی	۱۵۹
تاجدارِ ملک سخن	از راقم	۱۶۲
نعت میں کیسے کہوں	پروفیسر محمد اقبال جاوید	۱۶۷
غالب اور ثنائے خواجہ	سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی	۱۷۱
نعت کے تنقیدی آفاق	عزیز احسن	۱۷۶
فن اداریہ نویسی اور ''نعت رنگ''	پروفیسر ڈاکٹر افضال احمد انور	۱۸۰
اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ	رشید وارثی	۱۸۳
شاعرانِ نعت	راجا رشید محمود	۱۸۶

دیباچہ

تنقیدی روشنی

نعتیہ ادب کے لیے تنقیدی نقوش کو اُجاگر کرنے کے لیے زیرِ نظر تحقیقی کاوش اصحابِ فکر کی نذر ہے، اس کا مقصد فروغِ نعت کے حوالے سے تحقیق و جستجو کے چراغ روشن کرنے والوں کے لیے جادۂ حق کا تعین کرتا ہے۔ جب مقصد دو عالم میں سرخ روئی ہو، سینے میں محبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جذبات مچل رہے ہوں، آنکھوں میں گنبد خضریٰ کی زیارت کی جگمگاہٹ رقصاں ہو، قلم عشق و عقیدت کی داستانیں رقم کرنے کے لیے بے تاب ہو اور محسوسات کی پاکیزہ اور مقدس دنیا میں فقط خوشنودیٔ رسول ﷺ کا حسن جلوہ ریز ہو تو پھر نعت کہتے ہوئے غلطی کا گماں نہیں ہوتا اور اگر کبھی تمام تر احتیاط کے باوجود احتیاط کا دامن چھوٹ جائے تو پھر کسی صاحبِ فکر کے توجہ دلانے پر بلا تاخیر رجوع کرنے اور فکری تساہل سے دالانِ فکر کی آلودگی دُور کرنے کا اہتمام مجبوراً نہیں بلکہ بصد شوقِ نیاز کیا جاتا ہے۔ اپنی بات کو آگے بڑھانے کے لیے نعت کے حسنِ ارتقا پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

جب نعت نے ''ورفعنالک ذکرک'' کا تاج زرنگار سر کی زینت بنایا تو اس کے حسین ہمہ گیر، جلوہ ہائے ضوبار، عظمت و انفرادیت و شعریت کے چرچے ہر سُو پھیل گئے۔ لفظوں نے شکوہِ عقیدت اور شعروں نے جمالِ نورانیت کے جلوے پابہ رکاب کر لیے اور جوں جوں تحقیق و جستجو نے ہر دور ہر صدی اور ہر قرن کو حسنِ ارادت کے ساتھ کھنگالا تو ایک ہی حقیقت سامنے آئی کہ سیّدنا حسانؓ بن ثابت سے لے کر علامہ محمد اقبال تک ہر دور، دورِ نعت تھا۔ کمی فقط ذرائع ابلاغ کی تھی جس کی بدولت لمحوں میں سالوں کا سفر طے ہو جاتا ہے لیکن بحمداللہ سیّدنا حسانؓ، سیدنا کعبؓ، سیّدنا عبداللہ بنؓ رواحہ، قدسی،

روشنی

ے زیرِنظر تحقیقی کاوش اصحابِ فکر کی نذر ہے، اس
چراغ روشن کرنے والوں کے لیے جادۂ حق کا
سینے میں محبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
رت کی جگمگاہٹ رقصاں ہو، قلم عشق وعقیدت
ات کی پاکیزہ اور مقدس دنیا میں فقط خوشنودیٔ
طی کا گماں نہیں ہوتا اور اگر کبھی تمام تر احتیاط
ب فکر کے توجہ دلانے پر بلاتاخیر رجوع کرنے
نام مجبوراً نہیں بلکہ بصد شوقِ نیاز کیا جاتا ہے۔
پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

رسر کی زینت بنایا تو اس کے حسین ہمہ گیر، جلوہ
ہر سُو پھیل گئے۔ لفظوں نے شکوہِ عقیدت اور
ے اور جوں جوں تحقیق وجستجو نے ہر دور ہر صدی
قت سامنے آئی کہ سیّدنا حسانؓ بن ثابت سے
ذرائع ابلاغ کی تھی جس کی بدولت لمحوں میں
، سیدنا کعبؓ، سیّدنا عبداللہ بنؓ رواحہ، قدسی،

جامیؔ، عرفیؔ، رومیؔ، احمد رضا خاںؔ سے حفیظ تائبؔ تک کا سفرِ نعت کسی بھی عہد کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا۔ جب بزمِ ہستی کے کارپردازان کی تعداد لاکھوں سے اربوں تک پہنچی تو نعت گو بھی سیکڑوں سے گزر کر ہزاروں کی صورت میں زمانے بھر کو مستفید کرنے لگے۔

اندھیرا گھٹتا جاتا ہے اجالا ہوتا جاتا ہے
کہ نعتِ شاہِ دیں کا بول بالا ہوتا جاتا ہے

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ نعت اور تنقید آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ ادب کی صنعت گاہ، عشق وعقیدتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ستارے اُبھارتی ہے اور تنقید ان ستاروں کو مزید فکری تابندگی مہیا کرنے کا اہتمام کرتی ہے۔ نعت پُرکیف اشعار کے گلاب کھلاتی ہے جب کہ تنقید ان گل ہائے صد رنگ کو لازوال مہک عطا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ نعت ایک فطری عمل ہے اور نعت اس عمل کی تکمیل کا سامان ڈھونڈتی ہے۔ تنقید لفظوں کی صد رنگی کا اہتمام ہے اور تنقید اس صد رنگی کو جاودانی سرفرازی بخشنے کے سامان مہیا کرتی۔ نعت کے حوالے سے تنقید کسی شاعر کی توہین یا تنقیص ذات نہیں بلکہ یہ تو وہ ادب گاہِ نور ہے جس کے آئینہ خانے میں شاعر پُرشوق اپنے جذبات کی تابش کا اندازہ کرسکتا ہے۔

دورِ نبوت میں جب صنف نعت کا آغاز ہوا تو ایک ہی ساعت میں سارا معاشرہ نعت کہنے تو نہیں لگ گیا تھا۔ جوں جوں حق پرستوں پر عظمت رسول آشکار ہوئی توں توں وہ محبوبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جمالِ ظاہری و باطنی کو اپنی شعری کاوشوں کا اعزاز بنانے لگے۔ شوکت مصطفوی کا پھریرا سارے عالم پر لہرانے لگا تو ہر براعظم پر خطے اور ہر ملک کے اصحابِ سخن کے فکری نہاں خانوں سے نعت کے انوار پھوٹنے لگے۔ جب قرآن واحادیث کے متن سے مقاماتِ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آشکارا ہوکر نظریاتی پاکیزگی اور روحانی تقدس کا احساس دلانے لگے تو خود بخود ہی احتسابِ نعت کے پاکیزہ رویے وجود پانے لگے۔ نعت گو شاعر کا فکری ونظری کینوس وسیع ہوا تو فروغِ نعت ومدحت کے حوالے سے ہر تنقیدی رویہ دل میں گھر کرنے لگا۔

شاعر کسی قدر ہی بلند پایہ کیوں نہ ہو اس کی شاعری کہیں نہ کہیں لغزش آمیز ہو ہی جاتی ہے۔ اگر معاملہ غزل کا ہو تو اس لغزش کو کئی عنوانات دیے جاسکتے ہیں۔ مگر یہاں تو معاملہ نعت کے والے سے محبوب اور محبوبِ دوعالم ﷺ کا ہے جہاں لفظوں کی نہیں نیتوں کی جانچ کی جاتی ہے۔ جہاں ظاہری نہیں بلکہ

باطنی افکار کے تقدس کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ یہ نعت اس کی ہے جس کے دربار میں ملائکہ اور اولیا بھی سرنہاوہ حاضری دیتے ہیں۔ اس لیے یہاں کسی فکری لغزش کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ خوشنودیٔ رسول ﷺ کے تمنائی سے دانستہ یا نادانستہ کوئی لغزش سرزد ہو بھی جائے تو کسی صاحبِ فکر کے توجہ دلانے پر اس اصلاحی رویے کو فوراً قبول کر لیا جائے۔ یہاں توجہ دلانے والا اور نعت کا حسن اُجاگر کرنے والا دونوں ہی اس فکر کے اسیر ہوتے ہیں۔

پرورش لوح وقلم کی ہے اگرچہ خوب تر — احترام و عجز کا بھی دور ہونا چاہیے
احتسابِ نعت ہو یا احتسابِ ذات ہو — اک نہیں، سو بار ان پہ غور ہونا چاہیے

احتسابِ نعت کے روحانی جذبے کے حوالے سے یہی عرض کرنا مقصود ہے کہ نعت گوشعرا حضرات کی تعداد فکرو تخیل سے زیادہ ہوئی تو تنقید نعت کا تصور وقت کا تقاضا بن کر ابھرا۔ اگر تنقید وتحقیق کا پرچم اپنے وجود کا احساس نہ دلاتا تو رطب و یابس کے نام پر نعت میں وہ کچھ آنے لگتا جو کسی صاحبِ ایمان کو گوارا نہیں تھا۔ تنقید وتحقیق کا مطلب تنقیص یا عیب جوئی نہیں بلکہ اصل مقصد نعت کی شاہراہ پر چلنے والوں کی راہنمائی ہے۔ شروع میں بعض عناصر نے گھبراہٹ یا نامانوسیت کا اظہار کیا مگر آہستہ آہستہ تنقیدِ نعت سب کی توجہ کا مرکز بن گئی یا تنقید نعت کا یہی پیمانہ حسنِ نعت اس کی عالم گیریت، فکری شکوہ، ظاہری حسن اور باطنی سرخ روئی کا بہانہ بن گیا۔

نعتیہ ادب میں تنقیدی نقوش کا جائزہ لینے لگیں تو کئی بلند مرتبہ کتب ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ان کتب کے پہلو بہ پہلو وہ رسائل و جرائد بھی خصوصی اہمیت کے حامل ہیں جنھوں نے ابلاغِ نعت کو اپنا مستقل ذریعہ بنائے رکھا۔ ان میں ''حمد ونعت'' (کراچی)، ''سفیرِ نعت'' (کراچی)، ''شام وسحر'' (لاہور) اور ماہ نامہ ''نعت'' (لاہور) اور ''نعت رنگ'' (کراچی) خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان رسائل میں ''شام وسحر''، ''نعت'' اور ''نعت رنگ'' منفرد مقام کے حامل ہیں۔ ''شام وسحر'' کے خالد شفیق کا فکری سفر قابل صدتوصیف ہے مگر انھوں نے نعت کے مجموعی رجحانات کو زیادہ اہمیت دی۔ راجا رشید محمود نے ماہ نامہ ''نعت'' کے ذریعے ظلماتِ عصر میں شوکت نعت کے چراغ روشن کیے۔ راجا صاحب نے نعت گوئی کے حوالے سے کئی شمارے پیش کیے، لیکن ان کا اصل مقصد نعت کے تمام لوازم کو مدنظر رکھنا تھا۔ خصوصی داد اور تحسین کے مستحق ہیں معروف شاعر، نعت گو، نعت خواں، ادیب سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی

ں کی ہے جس کے دربار میں ملائکہ اور اولیا بھی
ں لغزش کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ خوشنودیٔ
سرزد ہو بھی جائے تو کسی صاحبِ فکر کے توجہ
۔ یہاں توجہ دلانے والا اور نعت کا حسن اُجاگر

احترام و عجز کا بھی دور ہونا چاہیے
اک نہیں، سو باران پہ غور ہونا چاہیے

رض کرنا مقصود ہے کہ نعت گو شعرا حضرات کی
ت کا تقاضا بن کر ابھرا۔ اگر تنقید و تحقیق کا پرچم
نعت میں وہ کچھ آنے لگتا جو کسی صاحبِ ایمان
وئی نہیں بلکہ اصل مقصد نعت کی شاہراہ پر چلنے
راہٹ یا نامانوسیت کا اظہار کیا مگر آہستہ آہستہ
ہی پیمانۂ حسنِ نعت اس کی عالم گیریت، فکری

مرتبہ کتب ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ان کتب
حامل ہیں جنھوں نے ابلاغِ نعت کو اپنا مستقل
فیرِ نعت'' (کراچی)، ''شام و سحر'' (لاہور) اور
صوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان رسائل میں
ل ہیں۔ ''شام و سحر'' کے خالد شفیق کا فکری سفر
انات کو زیادہ اہمیت دی۔ راجا رشید محمود نے ماہ
چراغ روشن کیے۔ راجا صاحب نے نعت گوئی
ں مقصد نعت کے تمام لوازم کو مدنظر رکھنا تھا۔
لو، نعت خواں، ادیب سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی

کہ جنھوں نے مجلّہ ''نعت رنگ'' کا پہلا شمارہ ہی تنقیدِ نعت کے حوالے سے منظرِ عام پر لا کر سب کو چونکا دیا۔ شروع میں بعض ناقدین کو حیرت ہوئی مگر بہت جلد ان کی حیرت دل کشا مسرت میں ڈھل گئی۔ سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی اوّلین شمارہ سے لے کر آج تک اپنی ڈگر پر قائم ہیں بلکہ آہستہ آہستہ ان کی دنیائے نقد و نظر میں وہ اہلِ قلم آتے گئے جو تنقید آشنا تھے مگر زمانے کے تقاضوں سے پہلوتہی کر رہے تھے۔ اب جب کہ ''نعت رنگ'' تمام اصحابِ سخن سے داد حاصل کر رہا ہے تو ''نعت رنگ'' کا خاموش جزیرہ طرح طرح کے سخن وروں کے زمزمہ ہائے نعت اور تنقیدِ نعت کے فکری تقاضوں سے گونج رہا ہے۔ سیّد صبیح رحمانی نے خود کو ''نعت رنگ'' کی اشاعت تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ تنقیدی ذوق سے آراستہ نعت نگاروں سے مضامین لکھوائے، اُن کے دامانِ تخلیق سے تنقیدِ نعت کے ادبی شہ پارے برآمد کر کے ان کی شایانِ شان اشاعت کا اہتمام کیا۔ نعت ریسرچ سینٹر کے نام اور کام کو آبروئے سخن شناسی بنا دیا۔ زیرِ نظر تصنیف ''نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش'' بھی سیّد صبیح رحمانی کی جرأت آزمائیوں کا شاخسانہ ہے۔

زیرِ نظر کتاب پہلے طویل مضمون کی صورت میں ''نعت رنگ'' میں شائع ہوئی۔ اس طویل مضمون کے لکھوانے میں صبیح رحمانی کی مدیرانہ چابک دستی اور مدبرانہ دھونس کا خصوصی ہاتھ ہے۔ انھوں نے راقم کو حوالہ جات پہنچائے۔ نعتیہ کتب کی ترسیل کا اہتمام کرتے رہے اور جب مقالہ اشاعت پزیر ہوا تو حکم ہوا کہ اس کی اشاعت کا اہتمام کرو۔ میرے تمام موضوعات کو انھوں نے شرف پزیرائی بخشا کہ اس کتاب کی اشاعت کا خود اہتمام کر ڈالا۔ اس دوران میں مزید دو چار کتب منظرِ عام پر آئیں مگر انھوں نے یہی کہا کہ کاروانِ نعت کی رفتار کو مدھم نہیں ہونا چاہیے۔ ان کتب کے بارے میں بعد میں سوچ لینا۔ چناں چہ اس کتاب کا بوجھ صبیح رحمانی کے کندھوں پر ڈال کر ہم مزید کتب کی بازیافت میں مصروف ہیں۔

میں ان تمام ناقدین محققین اور قلم کاروں کا ممنون ہوں جن کی کتابوں سے مجھے کام کا حوصلہ عطا ہوا۔ یہ علاحدہ امر ہے کہ جب ان میں سے کسی کی بھی کوئی کتاب نہیں چھپی تھی تو میری کتاب ''کاروانِ نعت کے حدی خواں'' اپنے تنقیدی وجود کا احساس دلا رہی تھی۔ تنقید میں کوئی چیز حرفِ آخر نہیں ہوتی۔ تنقید پر تنقید ہو سکتی ہے بلکہ ہو رہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو کتنے ہی حقائق وقت کی گراں باریوں تلے دب جائیں۔ ہماری یہ تحریر حرف آخر نہیں۔ احباب کو آگے بڑھانے کے لیے ایک بہانہ ہے کیوں کہ:

سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے

مجھے احساس ہے کہ بہت سی کتب میری دسترس سے دور رہی ہیں۔ جوں ہی مہیا ہوئیں اس مضمون کی دوسری قسط "نعت رنگ" کے سپرد کروں گا۔اس دوران میں مجھے نعتیہ انتخاب مرتب کرنے والے بہت یاد آئے ان میں سے بعض کے انتخاب اپنی جگہ، آغاز کے مضامین اتنے جامع، پر معلومات اور مکمل تھے کہ وہ ایک مختصر کتاب کا درجہ رکھتے ہیں ۔شروع میں ان سے بھی رشتہ جوڑا لیکن ایک تو تحریر کی طوالت کا خوف تھا۔ دوسرے ایک موضوع کے ساتھ دوسرے موضوع کی شرکت سے تحریر کے خلط ملط ہونے کا خدشہ تھا۔ خدا نے توفیق دی تو ان شاء اللہ الگ سے ایک مضمون جلد ہی نعتیہ انتخابوں پر لکھوں گا۔

جن احبابِ نقد ونظر نے نعتیہ انتخاب پیش کیے ہیں یا نعتیہ ادب کے حوالے سے کتابیں لکھی ہیں، ان سے استدعا ہے کہ اپنی کتب مجھے ارسال کر دیں تاکہ اس حوالے سے اگلی کتاب جلد پیش کی جاسکے۔

بعض ناقدین کی فکری سوئی فقط اس بات پر اٹکی ہوئی ہے کہ جب صنف نعت اتنی ہی پاکیزہ اور مقدس ہے تو اس پر تنقید کیسے ہوسکتی ہے۔ وہ تنقید کا مطلب صرف نکتہ چینی یا خامیوں کی نشان دہی لیتے ہیں۔ اس طور وہ نعت گو کو تقدس مآبی کا لبادہ اوڑھا کر اسے ادب کی بلند تر مسند پر بٹھا دیتے ہیں۔حقیقت میں ہم نعت گو کے مقام و مرتبہ پر حرف زنی نہیں کرتے بلکہ ہمارا مقصد نعت پارے کے مواد، مفہوم اور ہیئت کے اچھے بُرے پہلوؤں کی جانچ کرنا ہے تاکہ نعت گو شاعر آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب کرنے نہ پائے۔وہ ہر آن اس پیغام کو پیش نظر رکھے:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

احکامِ شریعت کی بالاتری کا یہی احساس نعت گو کو صراطِ حق سے بھٹکنے نہیں دیتا۔ یہی تنقید نعت کا تقاضا ہے اور اسی سے نعتیہ ادب میں تنقیدی نقوش کو قرطاس وقلم کی آبرو بنایا جاسکتا ہے۔ زیر نظر کتاب اسی سچائی کا حسین اسلوب اور فکر آفریں آہنگ ہے۔

جب نعتیہ شعروادب نے رواج پکڑا تو شروع شروع میں نعت گو اور نعت کے حوالے سے شعری و ادبی حلقے سخت چیں بہ چیں ہوئے۔تنقید نعت کے حوالے سے انھیں ایک جملہ بھی لکھنا یا پڑھنا گوارا نہیں تھا

کراں کے لیے

رہی ہیں۔ جوں ہی مہیا ہوئیں اس مضمون کی
میں مجھے نعتیہ انتخاب مرتب کرنے والے بہت
کے مضامین اتنے جامع، پر معلومات اور مکمل
ں ان سے بھی رشتہ جوڑا لیکن ایک تو تحریر کی
سرے موضوع کی شرکت سے تحریر کے خلط ملط
لگ سے ایک مضمون جلد ہی نعتیہ انتخابوں پر

نعتیہ ادب کے حوالے سے کتابیں لکھی ہیں، ان
حوالے سے اگلی کتاب جلد پیش کی جاسکے۔
ہے کہ جب صنف نعت اتنی ہی پاکیزہ اور مقدس
ف نکتہ چینی یا خامیوں کی نشان دہی لیتے ہیں۔
دب کی بلندتر مسند پر بٹھا دیتے ہیں۔ حقیقت
نے بلکہ ہمارا مقصد نعت پارے کے مواد، مفہوم
ِ نعت گوشاعر آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب کرنے

نعت گوئی سیکھی
شریعت ملحوظ

حق سے بھٹکنے نہیں دیتا۔ یہی تنقید نعت کا تقاضا
و قلم کی آبرو بنایا جاسکتا ہے۔ زیرِنظر کتاب اسی

ں نعت گو اور نعت کے حوالے سے شعری و ادبی
سے انھیں ایک جملہ بھی لکھنا یا پڑھنا گوارا نہیں تھا

کہ ہماری ادبی قلم رو میں بغیر اجازت قدم رکھنے کی جرأت کس نے کی ہے۔مگر جب نعتیہ تنقید نے اپنا رنگ جمایا کہ یہ تنقیدی معروضات نعت کے حضور میں گستاخی کے زمرے میں نہیں آتیں بلکہ ان کی بدولت تو نعتیہ ادب کے رُخِ زرنگار کی جگمگاہوں میں کہیں زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔آہستہ آہستہ نعتیہ ادب کے کارپردازوں پر واضح ہوگیا کہ نعتیہ مباحث اور نعتیہ شاعری آپس میں لازم وملزوم بن چکے ہیں۔ یہ طرزِ فغاں تو نعتیہ ادب کے فروغ کے لیے تھی۔ آغاز میں جو تنقیدی روش سخت ناپسند تھی اب:

فیض گلشن میں وہی طرزِ فغاں ٹھہری ہے

خصوصی طور پر سپاس گزار ہوں سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی کا کہ جنھوں نے ایک تصور کو تکمیل سے ہم کنار کرنے کا اہتمام کیا۔سیّد صبیح رحمانی بلاشبہ ہر آن نئی جہتوں کے مسافر رہے ہیں جن کا ''مرحلۂ شوق'' کبھی طے نہیں ہوتا۔ اکیلے نہیں بلکہ ایک زمانے کو ہمراہ لے کر چلتے ہیں۔ ہمارے ان جذبات کو رسمی مجبوری پر محمول نہ کیا جائے کیوں کہ ہمارے یہ جملے ہماری فکر سے کہیں زیادہ حقیقت آفریں ہیں۔سیّد صبیح رحمانی ابلاغِ نعت کے حوالے سے جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔''نعت رنگ'' کے شیش محل میں فکر ونظر کو خیرہ کر دینے والے کتنے ہی آئینے ہمارے جذبات کی صداقت کے مظہر ہیں۔

معروف محقق اور نعت کار جناب عزیز احسن بھی ہمارے جذباتِ تشکر کے حق دار ہیں جنھوں نے اس کتاب کا مقدمہ رقم فرما کر نعت کے حوالے سے تنقیدی نقوش کو احسن انداز سے جلوہ ریز کرنے کی مسعود کاوش فرمائی ہے۔

سلامِ عقیدت ان تمام قلم کاروں کی نذر جو نعتیہ ادب کے حوالے سے تنقیدِ نعت کے چراغوں کی لو کو تیز سے تیز تر کرنے میں مصروف ہیں۔اس عزم کے ساتھ:

نعت سرکار مرے دور کی پہچان بھی ہے ۔۔۔ میری بخشش کا سر حشر یہ سامان بھی ہے
خوب سے خوب کہو نعت یہ ملحوظ ہے ۔۔۔ جو بھی کہتے ہو وہ سرکار کے شایان بھی ہے

دعا ہے کہ رحمت خداوندی کا لطف بے کراں ہر آن ہمیں اپنی امان میں رکھے اور انوارِ نعت بفیضانِ مصطفٰے علیہ التحیۃ الثناء ہمیشہ ہمارا مقدر بنے رہیں۔

والد ماجد تحریک پاکستان کے ممتاز اور سرگرم کارکن حضرت محمد علی رحمۃ اللہ علیہ اور والدہ ماجدہ مرحومہ

مغفورہ رحمۃ اللہ علیہا جن کی شفقت اور مسلسل توجہ نے میری زمین قلب میں حب رسول ﷺ کا بیج بویا۔ ان مقدس ہستیوں کی نیک خواہشات، پاکیزہ فکر، بے لوث کاوش اور ہمہ وقتی تربیت کے فیض ہی سے میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے ذکر وفکر میں مشغول ہوسکا۔ میں اپنے ایسے شفیق اور والہانہ عشقِ رسول ﷺ سے سرشار والدین کریمین رحمۃ اللہ علیہم کی مغفرت کے لیے دعا گو ہوں...اللہ کریم ان کے درجات بلند فرمائے اور حشر میں انھیں شفاعت مصطفوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و السلام) نصیب ہو۔
(آمین)

بے شمار نیک تمنائیں اور دعائیں ہیں میری شریک حیات کے لیے جن کی رفاقت نے میرے علمی انہاک اور فکری استغراق کو آسان بنایا۔ صاحب زادی اور صاحب زادگان محمد معظم رضا اور پروفیسر احسن رضا کے لیے بھی دل سے دعا نکلتی ہے جن کے طرزِ عمل سے ''صالح اولاد'' کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔

محمد اکرم رضا

، میری زمین قلب میں حب رسول ﷺ کا بیج
بے لوث کاوش اور ہمہ وقتی تربیت کے فیض ہی
ل ہوسکا۔ میں اپنے ایسے شفیق اور والہانہ عشقِ
نفرت کے لیے دعا گو ہوں...اللہ کریم ان کے
ی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نصیب ہو۔

ات کے لیے جن کی رفاقت نے میرے علمی
ں اور صاحب زادگان محمد معظم رضا اور پروفیسر
طرزِ عمل سے ''صالح اولاد'' کا خواب شرمندہ

محمد اکرم رضاؔ

عزیز احسنؔ

مقدمہ

''نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش''

پروفیسر محمد اکرم رضا سے میرا قلمی تعارف تو ہے لیکن تاحال ان سے بالمشافہ ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوسکا ہے۔ نعتیہ ادب میں شعری تخلیقات کی شرح شروع ہی سے قابل توجہ رہی ہے لیکن اس میدان میں نظری، علمی اور تنقیدی مباحث چھیڑے جانے میں بڑی تاخیر ہوئی۔ وجہ اس تاخیر کی یہ تھی کہ ایک طویل عرصے تک نعتیہ شعری تخلیقات کو محض اظہار عقیدت کے ضمن میں رکھا گیا اور اس صنف مقدس کا تنقیدی جائزہ لے کر اس فن کے محاسن کا ذکر کرنا کسی ادیب نے اپنا وظیفۂ حیات نہیں بنایا۔ صنف نعت کی تخلیقات میں بعض دوسری اصناف ادب کی طرح نہ تو مسابقت کا جذبہ کارفرما تھا، نہ مالی منفعت اور دنیاوی شہرت کا لگاؤ شعرا کو اس طرف لاسکتا تھا۔ کسی خاص نظریئے کا پرچار بھی نعت کے مقاصد تخلیق میں شامل نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نعتیہ شاعری صرف اور صرف حصول سعادت کا ذریعہ بنی رہی جس میں شعراء نے تخلیقی لمحوں کو اخلاص مودت سے مشروط کر کے لفظوں کی گرفت میں لینے کی سعی کی اور اسی پر قناعت کر کے بیٹھ رہے۔ اردو کی ابتداء چاہے حضرت امیر خسروؒ کے شعری اظہار سے ہوئی ہو یا مثنوی کدم راؤ پدم راؤ سے، یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ نعت ہر عہد میں شعری تخلیقات کا جزو رہی ہے۔ نعت کی روایت اس قدر مضبوط رہی ہے کہ غیر مسلم شعرا نے بھی اپنے دواوین کی ابتدا حمد و نعت سے ہی کی۔

تخلیق نعت کے سلسلے میں تبرکاً چند اشعار کہہ لینے اور اس پر قناعت کر لینے کا یہی رویہ تھا جس نے

برسوں اس صنف کو شعری اصناف میں جگہ پانے سے محروم رکھا۔ نعت کی تخلیقی رفتار بھی اسی وجہ سے بڑی سست رہی۔ نقدِ شعر کے لیے جس بڑے شعری سرمائے اور مختلف اسالیب کی اظہاری کاوشوں کی موجودگی کی ضرورت ہوتی ہے اس کا بھی خاصی بڑی مدت تک فقدان ہی رہا۔ بہرحال و رفعنالک ذکرک کے اعلانِ ربانی کا اثر ہر طور ظاہر ہونا تھا جو ہوا۔ نعتیہ تخلیقات کی طرف شعراء کی توجہ مبذول ہوئی اور طبع شدہ سرمایۂ نعت اتنا وافر ہو گیا کہ ناقدینِ ادب بھی اسے نظر انداز نہیں کر سکے۔ لیکن اس مرحلے پر بھی ادب کے ہر ناقد کو یہ سعادت نہیں ملی کہ وہ نعتیہ شعری تخلیقات کا فنی، فکری اور تاریخی جائزہ لیتا بلکہ یہ سعادت صرف چند گنے چنے لوگوں کو میسر آئی۔ ان گنے چنے لوگوں میں ایک بہت نمایاں نام جناب پروفیسر محمد اکرم رضا کا ہے جن کے رشحاتِ قلم نے نعتیہ ادب میں نقدِ نعت کی روشنی بکھیر دی۔ پروفیسر محمد اکرم رضا نے تقاریظ لکھیں، نعت گو شعراء کے کلام پر سیر حاصل تبصرے فرمائے اور اپنی تنقیدی بصیرت کے اتنے گلاب کھلائے کہ ان کی مہک نے ادبی دنیا کے طول و عرض کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ نعتیہ شاعری کے خیابانوں میں نثری ادب کے پھول کھلانے والے اوّلین پاکستانی ادیبوں میں جناب پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتح پوری، جناب حفیظ تائب، ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی، جناب پروفیسر اقبال جاوید کے ناموں کے ساتھ ساتھ تسلسل کے ساتھ جناب پروفیسر محمد اکرم رضا کا اسم گرامی بھی اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہا ہے۔ الحمدللہ! آج بھی یہ نام تخلیق و تنقیدِ نعت کے حوالے سے آسمانِ نعت پر نیرِ تاباں بن کر چمک رہا ہے۔ نعت شناسی کا غلغلہ بلند ہوا تو جناب پروفیسر محمد اکرم رضا کا نام ایک منفرد نعت شناس کے طور پر بھی نمایاں نظر آنے لگا۔ ''کاروانِ نعت کے حدی خواں'' پروفیسر محمد اکرم رضا کی وہ تصنیف ہے جس میں نعت گو شعراء کے کام، کلام اور اظہاری اسالیب کا تذکرہ بڑی متانت، سنجیدگی، خلوص اور تاثراتی تنقیدی بصیرت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۸۹ء میں منصۂ شہود پر آئی تھی۔ اس کتاب کے ذریعے کئی نعت نگار متعارف ہوئے۔ مصنف نے جن شعرا کے کلام پر خصوصی توجہ دی ان میں علامہ ضیاء القادری، جناب اختر القادری، ریاض حسین چودھری، صوفی غیرت قادری اور حافظ لدھیانوی مرحوم کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

۲۰۰۷ء میں جناب رضا کی ایک اور کتاب منظرِ عام پر آ گئی جس میں ۱۷ نعت گو شعرا کا قدرے تفصیلی تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کتاب کا نام ''قافلۂ شوق کے مسافر'' ٹھہرا۔ اس کتاب میں علامہ اقبال کی نعتیہ شاعری اور عشقِ رسول ﷺ کے حوالے سے گفتگو کا آغاز کیا گیا ہے جب کہ اختتامی مضمون

محروم رکھا۔نعت کی تخلیقی رفتار بھی اسی وجہ سے
مائے اور مختلف اسالیب کی اظہاری کاوشوں کی
ت تک فقدان ہی رہا۔ بہرحال و رفعنالک
۔نعتیہ تخلیقات کی طرف شعراء کی توجہ مبذول ہوئی
ی اسے نظرانداز نہیں کر سکے۔لیکن اس مرحلے
شعری تخلیقات کا فنی، فکری اور تاریخی جائزہ لیتا
ان گنے چنے لوگوں میں ایک بہت نمایاں نام
نے نعتیہ ادب میں نقدِ نعت کی روشنی بکھیر دی۔
کے کلام پر سیر حاصل تبصرے فرمائے اور اپنی
نے ادبی دنیا کے طول و عرض کو اپنی لپیٹ میں
پھول کھلانے والے اوّلین پاکستانی ادیبوں میں
، ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی، جناب پروفیسر اقبال
اب پروفیسر محمد اکرم رضا کا اسم گرامی بھی اپنی
م تخلیق و تنقیدِ نعت کے حوالے سے آسمان نعت
د ہوا تو جناب پروفیسر محمد اکرم رضا کا نام ایک
روانِ نعت کے حدی خواں'' پروفیسر محمد اکرم رضا
م اور اظہاری اسالیب کا تذکرہ بڑی متانت،
گیا ہے۔یہ کتاب ۱۹۸۹ء میں منصۂ شہود پر آئی
ئے۔مصنف نے جن شعرا کے کلام پر خصوصی توجہ
یاض حسین چودھری، صوفی غیرت قادری اور

گئی جس میں ۱۷ نعت گو شعرا کا قدرے تفصیلی
کے مسافر'' ٹھہرا۔اس کتاب میں علامہ اقبال
گفتگو کا آغاز کیا گیا ہے جب کہ اختتامی مضمون

محمد اقبال نجمی کے مجموعۂ نعت ''خیرات مدحت کا تمنائی'' پر ہے۔تنقیدِ نعت کے حوالے سے لکھی جانے والی اس کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ پروفیسر محمد اکرم رضا کا میلان تأثراتی تنقید کی طرف اس قدر زیادہ ہے کہ ان کی تنقیدی رائے پر تخلیق مکرر کا گمان ہوتا ہے۔ وہ کسی شاعر کے نعتیہ شعری نقش کو پہلے اپنے قلب پر ابھارتے ہیں پھر احساس کی زبان میں اس پر تنقیدی رائے دیتے ہیں۔ اس طرح وہ تنقیدی زبان میں شاعر کے تجربے کی بازیافت کا فریضہ انجام دے کر اپنے قاری کو اس تخلیقی تجربے میں شامل کرنے کی سعی فرماتے ہیں جس سے پہلے شاعر اور پھر نقاد گزرا تھا۔

''نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش'' کے نام سے جو کتاب منصۂ شہود پر آرہی ہے وہ تنقید پر تنقید ہے۔ جن کتب میں نعتیہ شعری عمل کو تنقیدی عمل سے گزارا گیا تھا، جناب محمد اکرم رضا نے ان کتب میں سے ۲۵ کا انتخاب کیا اور ان کے مافیہ سے جو تنقیدی نظریات برآمد ہوئے ان پر اپنی تنقیدی بصیرت سے روشنی ڈالنے کا فریضہ انجام دیا۔اس کتاب سے نعت گو شعرا کی تحسین کا عمل تو اُجاگر ہوا ہی، نعتیہ شاعری کو تنقیدی دانش کے حصار میں رکھ کر پرکھنے والوں کا بھی ذکر خیر ہوگیا۔ دنیائے نعت میں تنقیدی رجحانات کی پرداخت کے لیے ضروری ہے کہ ان اہل قلم کی کاوشوں کو بھی خصوصی مطالعات کا محور بنایا جائے جنھوں نے نعت کے مضامین، فکر و خیال اور بیان کو رطب و یابس سے پاک کرنے کی غرض سے قلم اُٹھایا، یا کسی نعت گو کے شعرِ عقیدت کو اس تمنا کے ساتھ سراہا کہ تازہ واردان بساطِ نعت کو یہ پیغام دیا جائے:

دیکھو! اس طرح سے کہتے ہیں سخن ورنعتیں

تنقید کا یہ کام آسان نہ تھا تاہم اللہ ربّ العزت نے جس کے مقدر میں یہ محنت لکھی تھی اسے یہ توفیق میسر آگئی۔ پروفیسر محمد اکرم رضا نے تنقیدی عمل کے حوالے سے بڑی سچی بات کی ہے وہ فرماتے ہیں:

> تنقیدی نعت ایک وسیع عمل تھا جو بے شمار جہتوں پر محیط تھا اور محض ایک ڈھنگ یا ڈگر کا مرہون منت نہیں تھا۔ شخصی مضامین، موضوعاتی مقالہ جات، نعتیہ اشعار کی تراکیب اور حسنِ بیان کا جائزہ، عصر حاضر کے حوالے سے اس کی کارکردگی کا جائزہ، نعت نگاری پر گہری نظر، نعتیہ ذوق کی گہرائی تک رسائی، نعت کے قلزم بے کنار میں غواصی کا عمل،

نعت گو کی ذات سے بے نیاز ہو کر اس کے فکروفن کو مدنظر رکھنا، ذاتی وابستگی اور تعلق خاطر سے پہلو بچائے رکھنا، تنقید نعت کا مختلف زبانوں کے حوالے سے علاحدہ علاحدہ جائزہ لینا اور پھر ایک طویل جائزے میں تمام زبانوں میں کہی گئی نعتوں پر بحیثیت مجموعی تبصرہ کرنا، کہیں اختصار اور کہیں جامعیت کو مدنظر رکھنا، بلاغت اور فصاحت کے ساتھ ساتھ مضمون نگاری پر بھی گہری نظر رکھنا، وغیرہ وغیرہ۔(نعت رنگ:۲۱،ص۱۴۵)

درج بالا اقتباس میں جناب محمد اکرم رضا کی تنقیدی دانش اپنے پورے جوبن پر نظر آرہی ہے۔ بلاشبہ وہ تنقیدی عمل کو برتنے کا سلیقہ بھی رکھتے ہیں اور اس میدان میں قدم رکھنے کے آداب سے بھی واقف ہیں۔ انھیں تنقیدی عمل میں پیش آنے والی مشکلات کا بھی ادراک ہے اور اپنا کام خوش سلیقگی سے کرنے کا شعور بھی۔

تنقیدی رائے دیتے ہوئے موافق خیال اور تحسینی جذبوں کا اظہار تو سب کو پسند آتا ہے لیکن دیانت دار نقاد صرف تحسین نہیں کرسکتا، وہ تو معروضی رائے دینے کا پابند ہوتا ہے (یا ہونا چاہیے) چاہے اس کی رائے پسند کی جائے یا ناپسند۔ پروفیسر محمد اکرم رضا نے بھی اپنی کتاب میں بعض کتابوں کے مندرجات سے اختلاف کیا ہے اور کھل کر اپنی رائے دی ہے۔ مجھے ان کی اختلافی آراء پسند بھی آئی ہیں اور مبنی بر عدل وانصاف بھی محسوس ہوتی ہیں، مثلاً جناب محمد اکرم رضا نے ایک جگہ لکھا ہے:

اردو فارسی سمیت تمام شعرا کا کہنا ہے کہ ہر مصرع یا ہر فقرہ جس میں رسول پاک ﷺ کا ذکر ہے وہ نعت ہے۔ لیکن فضل فتح پوری کا کہنا ہے:

آں حضرت ﷺ کی زندگی کے واقعات ان کی سیرت کی تاریخی منظومات صرف اس لیے نعت کہے جاسکتے ہیں کہ ان میں آں حضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کا ذکر ہے، لیکن جذب وانجذاب کی کمی طالب ومطلوب کے رشتے کی غیر موجودگی، حسن عقیدت کی چھاپ کی نایابی انھیں صحیح معنوں میں نعت کہے جانے کی سزاوار نہیں ٹھہراتی۔

ں کے فکروفن کو مدنظر رکھنا، ذاتی
رکھنا، تنقیدِ نعت کا مختلف زبانوں
ینا اور پھر ایک طویل جائزے
بحیثیت مجموعی تبصرہ کرنا، کہیں
بلاغت اور فصاحت کے ساتھ
ر رکھنا، وغیرہ وغیرہ۔(نعت

ں اپنے پورے جوبن پر نظر آرہی ہے۔ بلاشبہ
ران میں قدم رکھنے کے آداب سے بھی واقف
بھی ادراک ہے اور اپنا کام خوش سلیقگی سے

وں کا اظہار تو سب کو پسند آتا ہے لیکن دیانت
ینے کا پابند ہوتا ہے (یا ہونا چاہیے) چاہے اس
ا نے بھی اپنی کتاب میں بعض کتابوں کے
ی ہے۔ مجھے ان کی اختلافی آراء پسند بھی آئی
اب محمد اکرم رضا نے ایک جگہ لکھا ہے:

کہ ہر مصرع یا ہر فقرہ جس میں
۔لیکن فضل فتح پوری کا کہنا ہے:

ت ان کی سیرت کی تاریخی
ھے جاسکتے ہیں کہ ان میں
ہے، لیکن جذب وانجذاب کی کمی
دگی، حسنِ عقیدت کی چھاب کی
جانے کی سزاوار نہیں ٹھہراتی۔

> حضور ﷺ سے اظہارِ عقیدت ومحبت جو جذب دروں کے ساتھ ہو وہی مصنف کی نظر میں نعت ہے۔ دیگر نوعیت کا کلام ''خالص نعت'' نہیں ہے۔ وہ منقبت ومدحت خیرالبشر تو ہیں، نعت نہیں ہیں۔ آخر اس قسم کی رائے دینے کا اختیار مقالہ نگار کو کس نے دیا؟ (نعت رنگ: ۲۱،ص۱۷۴)

نعت کے حوالے سے اظہار پانے والی محدود سوچ اور غیر منطقی رویے کا جواب جس لہجے میں دینا مناسب تھا، پروفیسر محمد اکرم رضا نے عین وہی لہجہ اختیار کیا۔ فضل فتح پوری کو اپنے نکتۂ نظر سے رجوع کرلینا چاہیے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا ایک نعت شناس کی حیثیت سے اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اپنے طور پر ''نعت شناس'' کی اصطلاح کو کن معانی میں سمجھا ہے۔ ان معانی کی کلید فراہم کردوں۔ اس ضمن میں اپنی معروضات پیش کرتے ہوئے میں نے عرض کیا تھا:

> نعت شناسی سے مراد کسی صاحبِ علم کی وہ خوبی ہے جو اسے نعتیہ شاعری کے رموز وغوامض سے آگاہی کے لیے اللہ ربّ العزت نے عطا کی ہو اور وہ اس کا اظہار بھی کر رہا ہو۔ جس طرح شعر کہنے والا شاعر اور شعر کی سماعت یا قرأت سے اس شعر کے جملہ مفاہیم اور معانی سے آگاہی حاصل کرسکنے والا شخص 'سخن فہم وسخن سنج' کہلاتا ہے۔ بالکل اسی طرح کوئی شخص، شعری دنیا کی بہترین صنف ''نعت'' سے آگاہی کا ثبوت فراہم کرکے 'نعت شناس' کا رتبہ پالیتا ہے۔(نعت رنگ: ۲۱،ص۴۵۱)

نعت شناسی کی یہ تعریف حضرت پروفیسر محمد اکرم رضا پر باحسن وجوہ، مکمل طور پر صادق آتی ہے، کیوں کہ انھوں نے نہ صرف نعت کی تخلیق کا مقدس فریضہ انجام دیا ہے بلکہ نعتیہ شاعری کے علمی آفاق بھی دریافت کرنے کی سعی کی ہے۔ وہ نعت کے خدمت گزاروں کی اس صف میں شامل ہیں جس نے نعت گوشعرا کی حوصلہ افزائی کرکے اور نعت کے موضوعاتی ابعاد کی نشان دہی کرکے شعرِ عقیدت کے فروغ کے لیے راہیں ہموار کیں۔ ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی نے بجا ارشاد فرمایا ہے:

پروفیسر محمد اکرم رضا ایک صاحب اسلوب نعت گو شاعر، معروف ادیب ومحقق اور انشا پردازی کی دنیا میں انتہائی معتبر حوالے کی حیثیت رکھتے ہیں۔آپ کی نعتیہ کاوشیں کم وبیش ۴۴ سال پر محیط ہیں۔نعت بھی لکھ رہے ہیں اور نثر بھی۔ اس طویل ریاضت نے ان کی نثر کو بھی شعری اسلوب عطا کر دیا ہے۔(نعت رنگ:۲۱،ص۲۷۲)

یہاں میں اپنی اس کوتاہی کا ازالہ بھی کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنی تحریروں میں پاکستان میں نعتیہ شاعری کے تحقیقی وتنقیدی رجحانات کا سراغ لگانے کی سعی کرتے ہوئے جناب افسر صدیقی امروہوی، شمیم احمد، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ممتاز حسن اور جناب اقبال جاوید کے اسمائے گرامی تو لکھ دیئے لیکن حضرت پروفیسر محمد اکرم رضا کا نام سہواً چھوٹ گیا تھا۔ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی کی تحریر سے مترشح ہوا کہ نعتیہ شاعری کی نزاکت اور موضوع کی وسعت وہمہ گیری کا احساس دلانے کے لیے جناب پروفیسر محمد اکرم رضا نے مئی ۱۹۷۸ء میں ماہ نامہ ''ضیائے حرم'' میں بڑی جامعیت اور علمی سنجیدگی کے ساتھ لکھا تھا:

نعت کہنے کے لیے بڑے اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے۔نعت کا زمزمۂ قدسی ایک ایسے دل کا تقاضا کرتا ہے جو اخلاص ونیازمندی سے بھرپور ہو۔نعت ایک ایسے لہجے کی متقاضی ہوتی ہے جو احترام وعقیدت کے ساتھ ساتھ ادب واحتیاط کا مظہر ہو۔نعت کے لیے عشق و وارفتگی کی متاعِ گراں مایہ درکار ہوتی ہے جو جمال مصطفوی ﷺ پر دل وجان تصدق کر دینے کے لیے مہمیز کا کام دے۔

(نعت رنگ:۲۱،ص۴۷۴)

تحریر کا حسن، خیال کی پاکیزگی، اظہار کی سنجیدگی اور نعت کی مرتبہ شناسی جس خلوص کے ساتھ یہاں جلوہ گر ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ نعت کے موضوع پر اعلیٰ سنجیدگی سے غور وفکر کر کے راہِ حجاز کے حدی خوانوں کو احتیاط سے قدم بڑھانے کی تلقین کرنے والے صف اوّل کے نعت شناسوں میں جناب محمد اکرم رضا بھی شامل رہے ہیں۔

ب نعت گوشاعر، معروف ادیب
ں معتبر حوالے کی حیثیت رکھتے
رسال پر محیط ہیں۔نعت بھی لکھ
ت نے ان کی نثر کو بھی شعری
ص۲۷۲)

ھتا ہوں کہ میں نے اپنی تحریروں میں پاکستان
گانے کی سعی کرتے ہوئے جناب افسر صدیقی
ر جناب اقبال جاوید کے اسمائے گرامی تو لکھ
ت گیا تھا۔ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی کی تحریر سے
سعت وہمہ گیری کا احساس دلانے کے لیے
امہ ''ضیائے حرم'' میں بڑی جامعیت اور علمی

ورت ہوتی ہے۔نعت کا زمزمہٗ
ر اخلاص ونیازمندی سے بھرپور
تی ہے جو احترام وعقیدت کے
عت کے لیے عشق و وارفتگی کی
ال مصطفوی ﷺ پر دل وجان
ے۔
(نعت رنگ:۲۱،ص۴۷۴)

ت کی مرتبہ شناسی جس خلوص کے ساتھ یہاں
ع پر اعلیٰ سنجیدگی سے غوروفکر کرکے راہِ حجاز کے
نے والے صف اوّل کے نعت شناسوں میں

پروفیسر موصوف کی نعت شناسی کے شواہد آپ کی ہر تحریر میں موجود ہیں۔محمد سہیل شفیق نے نعت رنگ کا جو اشاریہ مرتب کیا ہے اس میں شمارہ ۱ سے شمارہ ۲۰ تک کے مشمولات کا احاطہ کیا گیا ہے۔نعت رنگ کے ان شماروں میں جناب اکرم رضا کی سات تحریریں شائع ہوچکی ہیں جن کے عنوانات ہی اس بات کے غماز ہیں کہ صاحب مضمون نعتیہ شعری منظرنامے سے بھی واقف ہے اور جدید وقدیم نعت کے موضوعاتی تنوع کی بھی آگہی رکھتا ہے، علاوہ ازیں نعتیہ شاعری کی نزاکتوں کے پیش نظر نعت گوشعراء کو احتیاط سے قلم اٹھانے کا مشورہ دینے کا بھی اہل ہے۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مضامین کے صرف عنوانات کا یہاں ذکر کردیا جائے جو نعت رنگ کی زینت بنتے رہے ہیں۔☆ نعت اور احترام بارگاہ رسالت ﷺ۔☆ کاروان نعت کا شوق منزل آشنائی۔☆ نعت میں نعت۔☆ گلستان نعت میں سیرت مصطفوی ﷺ کی بہار جاوداں۔☆فروغ نعت میں نعتیہ صحافت کا کردار(ایک سرسری جائزہ)۔☆ غیرمسلم نعت گو شعرا کا قبولیت اسلام سے گریز۔☆ نعت نگاری میں احتیاط کے تقاضے... بلاشبہ یہ عنوانات ہی پروفیسر اکرم رضا کی نعت شناسی کے گہرے شعور اور تنقیدی بصیرت کے آئینہ دار ہیں۔میں یہاں پروفیسر موصوف کی تحریروں کے چند اقتباسات بھی پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ ان کا تنقیدی اسلوب نکھر کر سامنے آسکے۔

☆''اقبال نے نعتیہ شاعری کو تکنیک کے اعتبار سے بہت وسیع کردیا۔انھوں نے مروّجہ اسلوب میں باقاعدہ نعتیہ شاعری تو نہیں کی مگر جہاں جہاں بھی سرکار دوعالم ﷺ کا ذکر کرتے ہیں، ان کا قلم شہپر جبریل کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ان کے قلم سے اسم محمد ﷺ رقم ہوتا ہے تو فرط ادب وشوق سے لرزلرز اٹھتے ہیں۔ان کی نعتیہ شاعری میں جو تنوع اور ہمہ گیری ہے وہ حالی کے ہاں بھی نہیں۔''
(نعت رنگ:۱۵،ص۷۷)

☆''ان (مولانا ظفرعلی خاں) کی نعتیں جناب رسالت مآب ﷺ سے والہانہ عقیدت، روحانی وقلبی تعلق خاطر، شدید جذبہ محبت اور خلوص بیان کا بھرپور نمونہ ہونے کے علاوہ معنویت کے اعتبار سے بھی بہت بلند ہیں۔انھوں نے اردو نعت میں نیا آہنگ پیدا کیا اور سیرت کے مضامین کو نعت میں اس شان سے بیان کیا کہ حسن صورت اور حسن سیرت کے امتزاج سے ایمان آفریں کیفیت پیدا ہوگئی۔ان کی نعتیہ شاعری میں عشق رسول کریم ﷺ ایک پرکیف ترنم، ایک دل پسند جوش اور موزوں ترین الفاظ کے پردے میں جلوہ گر ہے۔ظفرعلی خاں چونکہ اسلامیان برصغیر کے مسلمہ قومی رہنما تھے

اس لیے ان کے نعتیہ کلام میں قومی رنگ کی آمیزش سے اردو نعتیہ شاعری نئے اسلوب سے آشنا ہوئی۔''

(ایضاً،ص۷۹)

☆''قدرت نے ان کو جدت طرازی، نغز گوئی، بے ساختگی و برجستگی، شیریں بیانی، سلاست وروانی کی صلاحیتیں ودیعت کی تھیں۔دردوسوز کی لذتوں اور لطف وسرور کی فراوانی نے ان صلاحیتوں کو نعت کا عنوان بخشا۔حافظ مظہرالدین عاشق رسول تھے اور نعت گوئی کا سب سے زیادہ حق عاشق رسول ﷺ ہی کو حاصل ہوتا ہے۔'' (ایضاً،ص۸۱)

☆''ان (آغا شورش کاشمیری) کی شاعری، جوش بیان اور شکوہ زبان سے عبارت ہے۔یہی خطابت آمیز لہجہ، یہی رجزیہ اندازِ بیان ان کی نعتیہ شاعری کو ممتاز کرتا ہے۔ان کی نعتیں ان کی فکری جنوں خیزیوں کے ساتھ ساتھ ان کی نظری عجز سامانیوں کی امین اور ان کے قلبی سوزوگداز کی آئینہ دار ہیں''۔(ایضاً،ص۸۳)

☆''احسان دانش صحیح معنوں میں مسلمان شاعر تھے۔اس لیے ان کی نعتیں بانیِ اسلام جناب محمد مصطفیٰ ﷺ سے غیر معمولی عشق وارادت کا ذریعۂ اظہار ہیں۔چوں کہ زبان و بیان کے لحاظ سے قادرالکلام شاعر تھے اس لیے رنگین استعاروں اور دل نشین تشبیہات کی بدولت ان کے نعتیہ کلام کی رعنائیاں، فصاحت وبلاغت کی اثرانگیزیوں میں ڈھل جاتی ہیں۔'' (ایضاً،ص۸۳)

☆''انھوں (اقبال احمد خان سہیل اعظم گڑھی المعروف بہ اقبال سہیل) نے نعت رسماً نہیں لکھی بلکہ ان کی نعت ان کے جذبات کی ترجمانی ہے۔ان کی نعتوں میں عشق کا بانکپن ہے، مگر عجز کے افتخار کے ساتھ۔حسن کی دلآرائی ہے مگر ادائے نیاز کے ساتھ۔تخیل کی بلند پروازی ہے مگر آداب شریعت کے ساتھ۔ان کے نعتیہ قصائد خیال آفرینی اور بیان کی شیرینی کے لحاظ سے فارسی قصیدہ نگاروں کی یاد تازہ کردیتے ہیں۔'' (ایضاً،ص۸۴)

مندرجہ بالا اقتباسات صرف ایک ہی مضمون سے لیے گئے ہیں۔ان اقتباسات کی خواندگی سے جناب پروفیسر محمد اکرم رضا کی تنقیدی بصیرت، معیارِ نعت نگاری کا شعور اور تحسین نعت کا سلیقہ جھلکتا ہے۔اسلوب (style) کی دل کشی اور حسن بیان اس پر مستزاد ہیں۔یہی وجہ ہے کہ معروف نقاد و شاعر حضرت سیّد ابوالخیر کشفیؒ نے انھیں ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا تھا:

سے اردو نعتیہ شاعری نئے اسلوب سے آشنا

(ایضاً،ص۷۹)

تگی و برجستگی، شیریں بیانی، سلاست وروانی کی
و سرور کی فراوانی نے ان صلاحیتوں کو نعت کا
گوئی کا سب سے زیادہ حق عاشق رسول ﷺ

اور شکوہ زبان سے عبارت ہے۔ یہی خطابت
متاز کرتا ہے۔ ان کی نعتیں ان کی فکری جنوں
امین اور ان کے قلبی سوز و گداز کی آئینہ دار

لیے ان کی نعتیں بانیِ اسلام جناب محمد مصطفیٰ ﷺ
کہ زبان و بیان کے لحاظ سے قادرالکلام شاعر
دولت ان کے نعتیہ کلام کی رعنائیاں، فصاحت
ص۸۳)

بہ اقبال سہیل) نے نعت رسماً نہیں لکھی بلکہ ان
میں عشق کا بانکپن ہے، مگر عجز کے افتخار کے
خیل کی بلند پردازی ہے مگر آداب شریعت کے
برینی کے لحاظ سے فارسی قصیدہ نگاروں کی یاد

یے گئے ہیں۔ ان اقتباسات کی خواندگی سے
ت نگاری کا شعور اور تحسین نعت کا سلیقہ جھلکتا
ستزاد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معروف نقاد و شاعر
ین پیش کیا تھا:

> جناب رضا کا قلم نقد و نظر کے تقاضوں سے باخبر ہے۔ تاریخ اور تحقیق وجستجو پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان کی نثر پر بھی شعریت کا گمان ہوتا ہے۔ ان کی نثری دل آویزی انھیں تحقیق و تنقید کے جادہ سے بھٹکنے نہیں دیتی۔ (فلیپ: ''تاجدار ملک سخن'')

پیش نظر کتاب میں بھی تنقیدی بصیرت نمایاں ہے اور نثری اسلوب دل کش و جاذب توجہ۔ نعتیہ ادب میں تنقید کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کرنے ہی کے لیے جناب رضا نے لکھا تھا:

> ریڈیو، ٹیلی ویژن پر نعت کو بزرگ ترین صنف سخن کا درجہ دیا جانے لگا تو وہ کثیر تعداد جو محض حصول شہرت کے لیے شاعری کے میدان میں خامہ فرسائی کر رہی تھی، حالات کے تقاضے کو سمجھتے ہوئے اس جانب متوجہ ہوگئی۔ پھر کیا تھا، اتنی کثرت سے نعت لکھی جانے لگی کہ اصحاب ذوق اور محبت رسول ﷺ کو مدعائے قلب و جاں بنانے والوں کو فوراً ادب و احتیاط کے تقاضوں کو جانچنے اور نعت گوؤں کی راہ نمائی کے لیے اس جانب متوجہ ہونا پڑا اور بڑی تیزی سے یہ سوال اُبھرنے لگا کہ نعت گو شعرا کی ایک بڑی تعداد جس تیزی سے نعت کہہ رہی ہے کیا اس کا مقصد محض قافیہ پیمائی اور اپنے ادبی قد کی نمائش ہے یا اس میں نعت کے حقیقی حسن کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ (نعت رنگ: ۲۰،ص۱۶۰)

درج بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نعت پر تنقیدی آراء کا ظہور جناب رضا کے لیے خوش آئند عمل تھا۔ انھوں نے انتقادی خیالات کے اظہار کو نعت کے جمال معنوی کی کشود کا ذریعہ سمجھ کر اس رجحان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ شعر عقیدت کے حوالے سے تحقیق اور تنقید کے موضوع پر منصۂ شہود پر آنے والی کتب کا تجزیاتی مطالعہ کر کے انھوں نے ''نعتیہ ادب میں تنقیدی نقوش'' کی نشاندہی بھی کی ہے اور خود اپنی انتقادی رائے بھی سپرد قرطاس کر دی ہے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا کی ایک معرکۃ الآرا کتاب ''تاجدار ملک سخن'' ہے جس میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے احوال و آثار کے ساتھ ساتھ ان کے کلام پر ناقدانہ بصیرت

کے ساتھ گفتگو کا در وا ہوا ہے۔ اس کتاب میں اعلیٰ حضرت کے لکھے ہوئے قصیدۂ نور کا تذکرہ کرتے ہوئے قصیدے کے فنی محاسن اس طور گنائے ہیں:

> یہ نورانی قصیدہ کیا ہے؟ نور ونکہت کی اترتی ہوئی کہکشاں ہے۔ جب جب قاری آگے بڑھتا ہے، اس کے افکار کو انوار نبوت کی جگمگاہٹ عطا ہونے لگتی ہے۔ سلاست وروانی، بے مثال تراکیب کی ارزانی، ہر لحہ ابھرتی ہوئی رحمت یزدانی، تشبیہات وتراکیب کی پرنور طغیانی، تمہید مختصر مگر داستان عقیدت طولانی، الفاظ دم بخود، افکار خمیدہ سر، جذبات عشق وعقیدت کے حسن سے جلوہ ریز، ضائع بدائع کا پرنور طوفان بلاخیز، حسن ہی حسن، ظاہری بھی اور باطنی بھی، فکری بھی اور عصری بھی، یہ قصیدہ زبان زد عام ہے۔

اس تحریر سے بھی پروفیسر محمد اکرم رضا کے جمالیاتی اظہار کے ساتھ ساتھ ان کے تاثراتی تنقیدی دروبست کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ جناب رضا تنقیدی نکات بیان کرنے میں بھی شاعرانہ اسلوب ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، وہ تو کسی شاعر کے کلام کے محاسن میں کھوکر خود شعری زبان میں اس کی تحسین کرنے لگتے ہیں اور ان کی تحریر پڑھ کر غالب یاد آنے لگتا ہے جس نے کہا تھا:

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

نعتیہ ادب سے پروفیسر محمد اکرم رضا کی وابستگی کی کئی جہتیں ہیں کیوں کہ انھوں نے شخصیات پر بھی لکھا ہے۔ نعتیہ مجموعوں پر تبصرے بھی کیے ہیں اور مختلف رسائل میں مضامین بھی شائع کروائے ہیں۔ ''مفیض'' کے ''نعت تبصرہ نمبر'' میں پروفیسر موصوف کے ایک درجن سے زائد تبصرے ہیں جن کو دیکھ کر پروفیسر صاحب کا نعتیہ ادب سے لگاؤ اور ان کا علمی انہماک ظاہر ہوتا ہے۔ ان تبصروں میں بھی ان کی تنقیدی بصیرت اپنے کمال پر نظر آتی ہے۔

مجھے چوں کہ ''نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش'' پر تقدیم لکھنے کا حکم ہوا ہے لہٰذا مناسب ہے کہ میں پروفیسر محمد اکرم رضا کی اسی تصنیف کی ادبی قدر اجاگر کرنے کی حد تک خود کو محدود کرلوں۔

پروفیسر محمد اکرم رضا کی اس کاوش سے قبل ایسی ہی ایک کاوش پروفیسر شفقت رضوی مرحوم نے کی تھی

رت کے لکھے ہوئے قصیدۂ نور کا تذکرہ کرتے

ترتی ہوئی کہکشاں ہے۔ جب
کارکو انوارِ نبوت کی جگمگاہٹ عطا
شال تراکیب کی ارزانی، ہر لمحہ
اکیب کی پرنور طغیانی، تمہید مختصر
ود، افکار خمیدہ سر، جذبات عشق
بدائع کا پرنور طوفان بلاخیز، حسن
ی بھی اور عصری بھی، یہ قصیدہ

ظہار کے ساتھ ساتھ ان کے تاثراتی تنقیدی
ی نکات بیان کرنے میں بھی شاعرانہ اسلوب
کے محاسن میں کھو کر خود شعری زبان میں اس کی
نے لگتا ہے جس نے کہا تھا:
ر پھر بیاں اپنا
نیں ہیں کیوں کہ انھوں نے شخصیات پر بھی لکھا
رسائل میں مضامین بھی شائع کروائے ہیں۔
ے ایک درجن سے زائد تبصرے ہیں جن کو دیکھ
انہماک ظاہر ہوتا ہے۔ ان تبصروں میں بھی ان

لکھنے کا حکم ہوا ہے لہٰذا مناسب ہے کہ میں
نے کی حد تک خود کو محدود کرلوں۔
کاوش پروفیسر شفقت رضوی مرحوم نے کی تھی

لیکن ان کے مطالعے کا محور صرف آٹھ کتب تھیں جن میں صرف چار کتب ایسی ہیں جو دونوں حضرات نے تنقیدی رائے کے لیے منتخب کی ہیں۔ وہ چاروں کتب پروفیسر اکرم رضا نے اپنی فہرست میں پہلے، دوسرے، چوتھے اور پانچویں نمبر پر دکھائی ہیں۔ شفقت رضوی صاحب نے آٹھ کتابوں پر لکھنے کے لیے ۹۹ صفحات مختص کیے تھے تو پروفیسر محمد اکرم رضا نے ۲۵ کتب پر ایک سو بتیس صفحات میں اپنی گفتگو سمیٹی ہے۔ یہ دونوں تحریریں ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۰ اور ۲۱ میں علی الترتیب شائع ہوئی ہیں۔ پروفیسر شفقت رضوی کی کتاب ''اردو میں نعت گوئی'' (چند گوشے) میں، ''نعت رنگ'' ۱۰، میں چھپنے والا وہ مضمون پورا کا پورا ٹریسنگ کے بعد شامل کتاب کرلیا گیا ہے۔ اب پروفیسر محمد اکرم رضا کی وہ تحریر جو ''نعت رنگ'' ۲۱ کی زینت بنی تھی علاحدہ کتاب کی صورت میں جلوہ گر ہورہی ہے۔
ان دونوں قلمی کاوشوں سے رجحان مترشح ہوتا ہے کہ تنقیدی کتب پر بھی حسن و قبح کی چھان پھٹک کے لیے نگاہِ انتقاد کی ضرورت ہے۔
پروفیسر محمد اکرم رضا کی یہ کتاب نعتیہ تنقیدی ادب میں تنقیدی رجحانات اُجاگر کرنے کی ایک کوشش ہے اور بہت حد تک تنقیدی ادب کا ایک معروضی مطالعہ ہے۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ کتاب کے تمام مندرجات سے اتفاق کیا جائے۔ اختلاف کی گنجائش بھی موجود ہے۔ میں اس کتاب کے بیشتر متن سے متفق ہوں تو کہیں کہیں مجھے یہ احساس بھی ہونے لگتا ہے کہ اگر پروفیسر موصوف ذرا اور محنت فرمالیتے تو تکرار فکر و خیال کے اس عمل سے بچ سکتے تھے جو کتاب کے بعض مندرجات سے مترشح ہے۔ موضوع ایک ہے جس پر ۲۵ر کتب لکھی گئی ہیں۔ ظاہر ہے ایک موضوع پر لکھی جانے والی اتنی بہت سی کتابوں میں بیش تر مباحث کا مشترک ہونا ناگزیر تھا۔ حضرت پروفیسر محمد اکرم رضا نے قلم برداشتہ ہر کتاب پر تنقیدی رائے دینی شروع کی تو کئی مواقع پر اختصار کے بجائے تفصیلی مطالعہ پیش کرنے کی کوشش میں کچھ خیالات مکرر زیب داستان بن گئے۔ میں اپنی بات کی وضاحت کے لیے خود حضرت پروفیسر محمد اکرم رضا کی ایک تحریر سے استشہاد کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:

> اس کتاب (اردو میں نعت گوئی) میں وہ مضامین چھپوائے گئے ہیں جو انھوں نے ''نعت رنگ'' یا دوسرے رسالوں میں چھپوائے ہیں۔ اگر ان جیسے نقاد نے ان مضامین کو رسالوں سے بے نیاز ہوکر حسن ترتیب سے

لکھا ہوتا تو رنگ ہی اور ہوتا۔ مگر رضوی صاحب کیا کریں؟ رسالے چھوڑتے کب ہیں۔ بس ایک بار کوئی صاحب کمال ہتھے چڑھ گیا اس کے لیے فرصت عنقا ہوگئی اوروں کو چھوڑیے اپنے صبیح رحمانی کم ہیں۔ انھوں نے اپنی زلف گرہ گیر میں نجانے کتنے آہوان پاشکستہ کو باندھ رکھا ہے؟ یہ وہ حقیقت ہے جو مجھ پر اور پروفیسر شفقت رضوی پر یکساں شدت اور صداقت سے اُجاگر ہے۔ (نعت رنگ: ۲۱، ص ۲۱۷)

اس اقتباس میں جو بات مرحوم پروفیسر شفقت رضوی کے لیے کہی گئی ہے وہ بعینہٖ حضرت پروفیسر اکرم رضا پر صادق آتی ہے۔ وہ بھی اگر رسالوں سے بے نیاز ہوکر حسن ترتیب کے ساتھ لکھتے تو یہ کتاب زیادہ وقیع ہوجاتی لیکن بات وہی ہے:

اس طرح سے لکھنے کو کہاں سے جگر آوے؟

بایں ہمہ یہ کتاب اپنی نوعیت کی منفرد کوشش ہے (کیوں کہ اس سے قبل پروفیسر شفقت رضوی نے نعت رنگ شمارہ ۱۰ مطبوعہ اپریل ۲۰۰۰ء میں صرف آٹھ کتب کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا تھا) جس کی قدر کرنا نعت سے منسلک طبقے پر فرض ہے۔

ایک خیال مجھے بار بار اپنے اظہار کی طرف مائل کرتا ہے، وہ یہ کہ تحقیقی مقالات اور تذکروں کو بھی کیا تنقیدی کتب میں شمار کرنا چاہیے؟ اس میں شک نہیں کہ تحقیقی مقالات اور تذکرے بھی تنقیدی آرا سے مزین ہوتے ہیں لیکن ان کی نوعیت خالص تنقیدی نہیں ہوتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نعتیہ ادب میں بھی خالص تنقیدی کتب کا مطالعہ کیا جائے۔ دیگر کتب میں تنقیدی رجحانات کے اظہار کی جزوی کوششوں کو بھی سراہا جانا چاہیے لیکن موضوع کا اختلاط اس طور پر نہ ہو کہ تحقیق، تاریخ، تذکرہ اور تنقیدی کتب سب ایک ہی زمرے میں آجائیں۔

حضرت پروفیسر اکرم رضا ہی کے ایک اقتباس پر میں اپنی بات مکمل کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

ہم نے نعت پر تنقید و تبصرے کے حوالے سے مختلف مشاہیر کی آرا بھی پیش کیں اور یہ بھی بیان کیا کہ اصحاب نقد و نظر، نعت گوؤں سے کیا کیا توقعات وابستہ کیے ہوئے ہیں اور نعت کو نقد و نظر کے پیمانے سے گزار

ی صاحب کیا کریں؟ رسالے
صاحب کمال ہتھے چڑھ گیا اس
ڑیے اپنے صبیح رحمانی کم ہیں۔
نے کتنے آہوان پاشکستہ کو باندھ
پروفیسر شفقت رضوی پر یکساں
ت رنگ:۲۱،ص۲۱۷)

کے لیے کہی گئی ہے وہ بعینہٖ حضرت پروفیسر اکرم
از ہوکر حسن ترتیب کے ساتھ لکھتے تو یہ کتاب

ں سے جگر آوے؟
کہ اس سے قبل پروفیسر شفقت رضوی نے نعت
ں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا تھا) جس کی قدر کرنا

ہے، وہ یہ کہ تحقیقی مقالات اور تذکروں کو بھی کیا
تحقیقی مقالات اور تذکرے بھی تنقیدی آرا سے
ں ہوتی ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ نعتیہ
۔ دیگر کتب میں تنقیدی رجحانات کے اظہار کی
تلاط اس طور پر نہ ہو کہ تحقیق، تاریخ، تذکرہ اور

ں بات مکمل کرنا مناسب سمجھتا ہوں:
لے سے مختلف مشاہیر کی آرا بھی
نقد ونظر، نعت گوؤں سے کیا کیا
و نقد ونظر کے پیمانے سے گزار

> کر کس مقام ومرتبہ پر فائز کرنا چاہتے ہیں۔نعت پر اظہارِ خیال کرنے کی ایک طویل فہرست ہے جو صدیوں کے تواتر سے اپنے مؤثر، جان دار اور صداقت آمیز رویوں کا احساس دلا رہی ہے۔ہم نے اگر اصحاب تحقیق وتنقید کی آرا اور ان کی ناقدانہ بصیرت پر اپنی تمام تر توجہ مرکوز رکھی تو زندگی کی شام ہوجائے گی مگر ہمیں اپنے موضوع کا دوسرا کنارا نظر نہیں آئے گا۔(نعت رنگ:۲۱،ص۱۵۶)

موضوع بڑا وسیع ہے۔تنقیدی رجحانات کی تحقیق کے لیے باقاعدہ ترتیب اور منصوبہ بندی کے ساتھ قلم اُٹھانے کی ضرورت ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا نے اپنی اس عمر میں (جس میں بیش تر بزرگوں کا معمول صرف بدنی عبادات رہ جاتی ہیں) ایک مجاہدے کی کڑی راہ سے گزر کر یہ مقالہ لکھا۔ یہ مقالہ پہلے ’’نعت رنگ‘‘ شمارہ۲۱ کی زینت بنا اور اب کتابی شکل میں آرہا ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے اللہ انھیں صحت وتن درستی کے ساتھ سلامت باکرامت رکھے تاکہ وہ ایسے قلمی کارنامے انجام دیتے رہیں۔’’نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش‘‘ کی اشاعت پر جناب پروفیسر موصوف کے ساتھ ساتھ سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی بھی مبارک باد کے مستحق ہیں جن کے مسلسل اصرار پر یہ تحریر معرض وجود میں آئی۔

نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش

جب نعت نے ''ورفعنالک ذکرک'' کا تاج زرنگار سر کی زینت بنایا تو اس کے حسین ہمہ گیر، جلوہ ہائے ضوبار، عظمت وانفرادیت وشعریت کے چرچے ہر سُو پھیل گئے۔ لفظوں نے شکوہِ عقیدت اور شعروں نے جمالِ نورانیت کے جلوے پا بہ رکاب کر لیے اور جوں جوں تحقیق وجستجو نے ہر دور ہر صدی اور ہر قرن کو حسنِ ارادت کے ساتھ کھنگالا تو ایک ہی حقیقت سامنے آئی کہ سیّدنا حسانؓ بن ثابت سے لے کر علامہ محمد اقبال تک ہر دور دور نعت تھا۔ کمی فقط ذرائع ابلاغ کی تھی جس کی بدولت لمحوں میں سالوں کا سفر طے ہو جاتا ہے۔ لیکن بحمد اللہ سیّدنا حسانؓ، سیدنا کعبؓ، سیّدنا عبداللہ بنؓ رواحہ، قدسی، جامؔی، عرفؔی، رومؔی، احمد رضا خاںؔ سے حفیظ تائبؔ تک کا سفرِ نعت کسی بھی عہد کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا۔ جب بزم ہستی کے کارپردازان کی تعداد لاکھوں سے اربوں تک پہنچی تو نعت گو بھی سیکڑوں سے گزر کر ہزاروں کی صورت میں زمانے بھر کو مستفید کرنے لگے۔

اندھیرا گھٹتا جاتا ہے اجالا ہوتا جاتا ہے
کہ نعتِ شاہِ دیں کا بول بالا ہوتا جاتا ہے

نعت گوئی کی تعداد فکر وتخیل سے زیادہ ہوئی تو تنقید نعت کا تصور وقت کا تقاضا بن کر ابھرا۔ اگر تنقید تحقیق کا پرچم اپنے وجود کا احساس نہ دلاتا تو رطب ویابس کے نام پر نعت میں

قیدی نقوش

تاج زرنگار سر کی زینت بنایا تو اس کے
ت وشعریت کے چرچے ہر سُو پھیل گئے۔
رانیت کے جلوے پا بہ رکاب کر لیے اور
رن کو حسنِ ارادت کے ساتھ کھنگالا تو ایک
سے لے کر علامہ محمد اقبال تک ہر دور دور
لت لمحوں میں سالوں کا سفر طے ہو جاتا
نا عبداللہ بنؓ رواحہ، قدسی، جامؔی، عرفؔی،
ت کسی بھی عہد کی نگاہوں سے اوجھل نہیں
ھوں سے اربوں تک پہنچی تو نعت گو بھی
بھر کو مستفید کرنے لگے۔

الا ہوتا جاتا ہے
بالا ہوتا جاتا ہے

تو تنقیدِ نعت کا تصور وقت کا تقاضا بن کر
ردلاتا تو رطب و یابس کے نام پر نعت میں

وہ کچھ آنے لگتا جو کسی صاحبِ ایمان کو گوارا نہیں تھا۔ تنقید و تحقیق کا مطلب تنقیص یا عیب جوئی نہیں بلکہ اصل مقصد نعت کی شاہراہ پر چلنے والوں کی راہنمائی ہے۔ شروع میں بعض عناصر نے گھبراہٹ یا نامانوسیت کا اظہار کیا مگر آہستہ آہستہ تنقیدِ نعت سب کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ فروغِ نعت کے لیے ماہ نامہ ’’نوائے نعت‘‘، ماہ نامہ ’’شام وسحر‘‘، ماہ نامہ ’’نعت‘‘، ماہ نامہ ’’حمد ونعت‘‘ کے شمارے ابھرے جنھوں نے نعت کو ہی موضوع بنائے رکھا مگر تنقیدِ نعت کو کسی نے بھی مستقل طور پر نعت نگارانِ نبی ﷺ کے لیے فکری راست روی کا ذریعہ نہ بنایا یہ افتخار ’’نعت رنگ‘‘ کے مدیر اور معروف انشا پرداز، نعت گو، نعت خواں سیّد صبیح الدین صبیح رحمانؔی کے حصے آیا کہ فروغِ نعت کے لیے تنقید کو ’’نعت رنگ‘‘ کے لیے مستقل طور پر لازم وملزوم بنا دیا۔

تنقیداتِ نعت کے لیے لکھنے کا حکم ملا تو سیّد صبیح رحمانؔی نے کتب کی فراہمی کے علاوہ گراں قدر مشوروں سے بھی نوازا۔ اتنی بڑی تعداد میں کتب پر اردو نعت میں پہلی مرتبہ تنقید وتبصرہ کے لیے قلم اٹھانے کا موقع ملا ہے۔ میں ان تمام ناقدین محققین اور قلم کاروں کا ممنون ہوں جن کی کتابوں سے مجھے کام کا حوصلہ عطا ہوا۔ یہ علاحدہ امر ہے کہ جب ان میں سے کسی کی بھی کوئی کتاب نہیں چھپی تھی تو میری کتاب ’’کاروانِ نعت کے حدی خواں‘‘ اپنے تنقیدی وجود کا احساس دلا رہی تھی۔ تنقید میں کوئی چیز حرفِ آخر نہیں ہوتی۔ تنقید پر تنقید ہوسکتی ہے بلکہ ہو رہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتو کتنے ہی حقائق وقت کی گراں باریوں تلے دب جائیں۔ ہماری یہ تحریر حرف آخر نہیں۔ احباب کو آگے بڑھانے کے لیے ایک بہانہ ہے کیوں کہ:

سفینہ چاہئے اس بحرِ بے کراں کے لیے

مجھے احساس ہے کہ بہت سی کتب میری دسترس سے دور رہی ہیں۔ جوں ہی مہیا ہوئیں اس مضمون کی دوسری قسط ’’نعت رنگ‘‘ کے سپرد کروں گا۔ اس دوران میں مجھے نعتیہ انتخاب مرتب کرنے والے بہت یاد آئے ان میں سے بعض کے انتخاب اپنی جگہ، آغاز کے مضامین اتنے جامع، پُر معلومات اور مکمل تھے کہ وہ ایک مختصر کتاب کا درجہ نظر آتے ہیں۔ شروع میں

ان سے بھی رشتہ جوڑا لیکن ایک تو تحریر کی طوالت کا خوف تھا۔ دوسرے ایک موضوع کے ساتھ دوسرے موضوع کی شرکت سے تحریر کے خلط ملط ہونے کا خدشہ تھا۔ خدا نے توفیق دی تو ان شاء اللہ الگ سے ایک مضمون جلد ہی نعتیہ انتخابوں پر لکھوں گا۔ اگر وہ حضرات جنھوں نے نعتیہ انتخاب پر کام کیا ہو مجھ تک اپنی کتب پہنچا سکیں تو ممنون رہوں گا۔ چاہے وی پی پی بھیج دیں میں وصول کرلوں گا۔ ایک بار پھر ان سے معذرت جن پر میں لکھ نہیں سکا اور ان کے لیے معذرت جن کی کتب پر شایانِ شان تحریر لانے سے میرا قلم محروم رہا۔

والسلام مع الاحترام۔ رضاؔ

ربّ دوعالم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکرِ عالم گیر کی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سربلندی کا اعلان فرما کر ہمارے اذہان اور قلوب کو باور کرا دیا ہے کہ ہر دور دورِ نعت ہے پہلی صدی ہجری ہو یا چودھویں اور پندرھویں صدی ہجری کا ظہور ہو یہ صدی تذکارِ مصطفیٰ ﷺ سے آباد رہی ہے۔ ہر عہد ہر دور اور ہر زمانہ رفعتِ مقاماتِ مصطفوی ﷺ کا ایمان آفریں نظارا دیکھتا رہا ہے۔ ہر صدی کے اختتام پر مختلف مروّجہ زبانوں میں نعت رسول ﷺ کے ترانے الاپنے والے اس فخر سے سرشار ہو کر گئے ہیں کہ ہمارا ہی دور دورِ نعت تھا۔ ہم سے زیادہ نعت گوئی کی سعادت شاید ہی کسی اور کو ملی ہو یا شاید ہی کسی اور کو مل سکے۔ ہر صدی ہجری نے رخصت ہوتے ہوئے اپنا اثاثۂ مدحت اس احساس کے ساتھ نئی صدی کو سونپا ہے کہ ہم نے تو توفیق خداوندی سے بہرہ ور ہو کر زمانے بھر کو خوش بوئے نعت سے معطر رکھا ہے۔ اب یہ مورخ کا کام ہے کہ وہ دیکھے کہ تم کیا کرتے ہو۔

چوں کہ نعت گوئی محض اظہارِ فکر و فن نہیں بلکہ عین عبادت اور حسنِ سعادت بھی ہے اور پھر ایسے عالم میں جب کہ خدا اور فرشتے ثنائے مصطفوی ﷺ کو بصورتِ دُرود جاری رکھے ہوئے ہوں تو عشاقِ نبوی ﷺ کو یہ احساس سرشاری عطا کرتا ہے کہ کیا دل آویز اور جاودانی جذبۂ مدحت ہے کہ ہم وہی کچھ کر رہے ہیں جو خدا اور ملائکہ کر رہے ہیں اور پھر جو کچھ کر رہے ہیں عین منشائے ربانی ہے تو پھر روحانی کیفیات خود بخود معراج کو چھونے لگتی ہیں:

منشا یہی ہے سلسلۂ قیل و قال کی
ہوتی رہے ثنا ترے حُسن و جمال کی

ں کا خوف تھا۔ دوسرے ایک موضوع کے
ط ملط ہونے کا خدشہ تھا۔ خدا نے توفیق
عتیہ انتخابوں پر لکھوں گا۔ اگر وہ حضرات
لتب پہنچا سکیں تو ممنون رہوں گا۔ چاہے
ھران سے معذرت جن پر میں لکھ نہیں سکا
ن تحریر لانے سے میرا قلم محروم رہا۔

والسلام مع الاحترام۔ رضؔا

یر کی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سربلندی کا اعلان فرما
ورِ نعت ہے پہلی صدی ہجری ہو یا چودھویں اور
ﷺ سے آباد رہی ہے۔ ہر عہد ہر دور اور ہر
را دیکھتا رہا ہے۔ ہر صدی کے اختتام پر مختلف
لے اس فخر سے سرشار ہو کر گئے ہیں کہ ہمارا ہی
ہی کسی اور کو ملی ہو یا شاید ہی کسی اور کو مل سکے۔
ت اس احساس کے ساتھ نئی صدی کو سونپا ہے
ر کو خوش بوئے نعت سے معطر رکھا ہے۔ اب یہ

ت اور حسنِ سعادت بھی ہے اور پھر ایسے عالم
ورتِ دُرود جاری رکھے ہوئے ہوں تو عشاقِ
آویز اور جاودانی جذبۂ مدحت ہے کہ ہم وہی
ہ کچھ کر رہے ہیں عین منشائے ربانی ہے تو پھر

یل و قال کی
ن و جمال کی

لہٰذا ہمارے بعض ناقدین کا بار بار اصرار کہ موجودہ صدی ہی نعت کی صدی ہے قدرے تعجب انگیز ہے اگر مقصد فقط یہی ہو کہ اس صدی میں بے شمار ثنا گویانِ رسول عربی ﷺ نعت کہہ رہے ہیں تو گوارا ہے۔ اور اگر ماضی اور آنے والے دور سے مقابلہ ہو تو پھر سوال ابھرتا ہے کہ اگر یہی صدی نعت کی صدی ہے تو پھر ''**ورفعنالک ذکرک**'' کا منشا و مقصدِ حقیقی کیا ہے اور کیا آنے والی صدیوں کے نعت گو خاموش رہیں گے یا (خدا نہ کرے) توفیقِ خداوندی اپنا انداز بدل دے گی۔ ''نعت رنگ'' ہی کے شمارے میں ایک صاحبِ نقد و نظر نے ارشاد فرما دیا کہ میں نے اتنے برس پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ موجودہ صدی نعت کی صدی ہے۔ معلوم نہیں آن جناب نے کس بشارت کے تحت ایسا فرمایا ہے۔ یہ فقیر ایک طویل عرصے سے نعت کے گلستان سے خوش بو لے کر قرطاس و قلم کی دنیا آباد کیے ہوئے ہے۔ مجھے تو بہت سے معلوم زمانوں کے اثاثہ ہائے نعت کو دیکھ کر ہر صدی ہی نعت کی صدی نظر آتی ہے۔ ابھی بہت کچھ نامعلوم کے پردوں میں پوشیدہ ہے۔ جب سب کچھ سامنے آجائے گا تو ماننا پڑے گا کہ بعثتِ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی دور ایسا نہیں گزرا جو ثنائے مصطفیٰ ﷺ سے آباد اور سرشار نہ رہا ہو۔ ہماری کوتاہ فکری جب توفیق خداوندی سے تحقیق و جستجو کے حوالے سے وسعتوں سے ہمکنار ہونے لگتی ہے تو ہر صدی کی خوش بوئے نعت قلوب و اذہان معتبر کرنے لگتی ہے۔

''**ورفعنالک ذکرک**'' کا آوازۂ قدسی بذاتِ خود اس حقیقت کا اعلان ہے کہ ذکرِ رسول ﷺ کبھی جمود کا شکار نہیں ہوگا۔ بلکہ ''**وللاخرۃ خیرلک من الاولیٰ**'' کا پیغام اس حقیقت ابدی کا واضح ترین اعلان ہے کہ ہر آنے والا دور سرکار دو عالم ﷺ کے ذکرِ جمیل کے حوالے سے گزشتہ دور سے سربلند ہوگا۔ خدائے کریم نے اپنے محبوب کے تذکار جمیل کی سربلندی کا ذمہ لے رکھا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا آپ کا ربّ کریم پوچھتا ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کے ذکر کو کیسے سربلند کیا؟ میں نے جواب دیا اس بات کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کے رفعِ ذکر کی کیفیت یہ ہے کہ جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں آپ کا ذکر بھی میرے ساتھ کیا جائے گا۔

علامہ آلوسی رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ کی بڑی عمدہ انداز سے تشریح کی ہے کہ ربّ کریم آپ کے ذکر کو بڑھاتا چلا جائے گا۔ جوں جوں انسانی ادراک اپنی بلندیوں کو چھوئے گا توں توں ذکر مصطفیٰ ﷺ کی تجلیات بڑھتی چلی جائیں گی اور یہ سلسلہ آپ کے مقامِ محمود پر فائز ہونے تک مسلسل جاری رہے گا۔ تو پھر ہم اپنے مقدر پر رشک کرنے کے لیے تو ثنائے حضور ﷺ کو وسیلہ بنا کر بہت کچھ کہہ سکتے ہیں۔ مگر موجودہ صدی ہی کو نمائندہ ترین قرار دینا نہ تو ماضی کے ساتھ انصاف ہے اور نہ مستقبل کے ساتھ۔

عہد حاضر کا یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ نعتیہ مجموعے بڑی کثرت سے اشاعت پزیر ہوئے۔ صرف پچیّس سالوں میں ہی سلسلہ کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔ پچیّس سال کا ذکر میں نے اس لیے کیا کہ ربع صدی قبل شائع شدہ نعتیہ کتب کو آسانی سے گنا جاسکتا تھا اور راقم نے اپنے کئی مضامین میں تذکرہ بھی کیا۔ مگر نعت رسول ﷺ کی اشاعت کا سلسلہ اس شان سے شروع ہوا کہ چند ہی برسوں میں کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔ اب تو نعتیہ کتب کی گنتی ہی محال نظر آتی ہے ابھی شائع شدہ نعتیہ کتب کے شمار کا سلسلہ انجام تک نہیں پہنچتا کہ نئی کتب کی ایک بڑی تعداد دامانِ دل کو اپنی طرف کھینچ رہی ہوتی ہے۔

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

اگرچہ کتب کی کثرت سے معیار متاثر ہوتا محسوس ہوتا ہے مگر دل اس جسارت پر لرز اُٹھتا ہے کہ یہ گلستانِ نعت ہے غزل کا کوچۂ ہوس نہیں۔ یہاں تو فنی رفعتوں سے کہیں زیادہ جذبے باریاب ہوتے ہیں۔ اس احساس کے ساتھ ہی فکر اور قلم دونوں فرطِ ادب سے جھک جاتے ہیں۔

جب نعتیہ کتب کی اشاعت کا سلسلہ دراز ہوا تو پھر نعت کے حوالے سے نقد ونظر کا سلسلہ بھی چل نکلا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماضی میں ایسا کیوں نہیں ہوا؟ ماضی میں بے شمار نعتیہ دیوان تو تھے مگر مدارس، خانقاہوں، درویشوں کے آستانوں، شخصی لائبریریوں، نام ونمود سے مستغنی اصحابِ نظر کی الماریوں کی زینت تھے۔ ''ورفعنا لک ذکرک'' کے پرچم نے بلندی کو چھوا تو نعتیہ کتب نا معلوم سے معلوم کا سفر طے کرتے ہوئے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے لگیں۔ ماضی اور حال ہم آہنگ ہوگئے۔ ماضی کا نعتیہ ورثہ جس قدر دریافت ہوتا گیا مختلف اداروں کی معرفت شائع ہوتا گیا۔ ان کے پہلو بہ پہلو نئے دور کے شعرائے کرام کی نعتیہ کاوشیں حیرت انگیز تیزی کے ساتھ منظر اشاعت پر جلوہ گر

عمدہ انداز سے تشریح کی ہے کہ ربّ کریم آپ
اک اپنی بلندیوں کو چھوئے گا توں توں ذکر
ہ آپ کے مقامِ محمود پر فائز ہونے تک مسلسل
لیے تو ثنائے حضور ﷺ کو وسیلہ بنا کر بہت کچھ
ر دینا نہ تو ماضی کے ساتھ انصاف ہے اور نہ

ثرت سے اشاعت پزیر ہوئے۔ صرف پچّیس
ں کا ذکر میں نے اس لیے کیا کہ ربع صدی قبل
م نے اپنے کئی مضامین میں تذکرہ بھی کیا۔ مگر
ع ہوا کہ چند ہی برسوں میں کہیں سے کہیں پہنچ
شائع شدہ نعتیہ کتب کے شمار کا سلسلہ انجام تک
ں طرف کھینچ رہی ہوتی ہے۔

ر کہ جا اینجاست

ہے مگر دل اس جسارت پر لرز اُٹھتا ہے کہ یہ
رفعتوں سے کہیں زیادہ جذبے باریاب ہوتے
ب سے جھک جاتے ہیں۔

کے حوالے سے نقد و نظر کا سلسلہ بھی چل نکلا۔
ضی میں بے شمار نعتیہ دیوان تو تھے مگر مدارس،
ام و نمود سے مستغنی اصحابِ نظر کی الماریوں کی
نے بلندی کو چھوا تو نعتیہ کتب نا معلوم سے معلوم
نے لگیں۔ ماضی اور حال ہم آہنگ ہوگئے۔
وں کی معرفت شائع ہوتا گیا۔ ان کے پہلو بہ
انگیز تیزی کے ساتھ منظر اشاعت پر جلوہ گر

ہونے لگیں بالخصوص برصغیر پاک و ہند کا ایک ایک شہر نعتیہ کتب کا ''جہاں آباد'' نظر آنے لگا۔ ادھر ریڈیو اور پھر ٹیلی وژن اور اخبارات نے اپنا کمال دکھایا اور وہ اخبارات اور رسائل و جرائد جو صرف عید میلادالنبی ﷺ، معراج النبی ﷺ یا شبِ برأت وغیرہ کے حوالے سے تبرکاً ایک آدھ نعت شائع کردیا کرتے تھے اور ان چند مواقع کے علاوہ غزل یا نظم کے لیے حکم صادر کردیا کرتے تھے، وہ بھی نعت کی بہار کو عام کرنے لگے پھر ایسا وقت بھی آیا کہ ہر طرف نعت ہی نعت نظر آنے لگی۔ مذاکرے، سیمینار، مباحثے، تذکارِ نعت سے آباد ہونے لگے۔ نعتیہ انتخاب شائع ہونے لگے۔ رسائل و جرائد نعت نمبر شائع کرنے لگے۔ مقصود سب کا یہی تھا کہ زیادہ سے زیادہ نعت کا اثاثہ عوام کے سامنے آجائے۔ یہ نعت کا کوچہ ہے یہاں رقابت نہیں بلکہ رفاقت ہوتی ہے۔ مسابقت نہیں بلکہ طبائع کی موافقت ہوتی ہے۔ اس لیے جس نے بھی چراغ روشن کیا، پروانے ادھر ہی کو لپک پڑے۔ ماہ نامہ ''نوائے نعت''، ماہ نامہ ''شام و سحر''، ماہ نامہ ''نعت''، ماہ نامہ ''حمد و نعت''، مجلّہ ''نعت رنگ'' سمیت سب نے وہ رنگ جمایا کہ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ کا قافلہ تیزی سے نئی منزلوں کی جانب سفر کرنے لگا جب نعت گو شعرا قطار در قطار وقت کے گلستانِ نعت میں فکر و نظر کو معطر کرتے نظر آنے لگے اور سیکڑوں (یا ہزاروں) نعتیہ کتب خراجِ عقیدت لینے لگیں تو خود بھی تنقید نعت کا تصور حقیقت میں ڈھلنے لگا۔ پہلے ایسا کیوں نہ ہوا؟ کیوں کہ پہلے بہت بڑا اثاثہ قلمی نسخوں کی صورت میں لائبریریوں اور الماریوں کی زینت تھا اور نعت گو شعرا گنتی کے تھے۔ مگر جب ہر شاعر (کم و بیش) ہی نعت کی طرف راغب ہوا اور کتب نعت تعجب انگیز تیزی کے ساتھ اشاعت پزیر ہوئیں تو دوسری اصنافِ شعر و ادب کی طرح میدانِ نعت میں بھی تنقید وقت کا تقاضا بن گئی۔ فرق فقط یہ تھا کہ دوسری اصناف سخن میں نشتر آزمائی کی ہر طرح سے اجازت تھی مگر نعت کا تقدس تنقید نگاروں کے بھی آڑے آنے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نعت نگار تو خوشنودیٔ خدا و رسول ﷺ کا حق دار قرار پائے اور تنقید نگار اپنی راہ سے بھٹک کر کسی گستاخی کا ارتکاب کر بیٹھے۔

بہرحال تنقیدِ نعت وقت کا تقاضا تھا۔ نعت میں پی ایچ۔ ڈی کا سلسلہ چل پڑا کئی اصحاب نے ایم فل کیا، ایم اے کے مقالات لکھے۔ فضا تو تخلیق ہوچکی تھی ''نعت رنگ'' نے خوب حوصلہ افزائی کی۔ اور آہستہ آہستہ تنقیداتِ نعت کا ایک دبستان وجود میں آگیا۔ ان میں کثرت ان اصحاب سخن کی تھی جو سنجیدگی اور کمال احتیاط کے ساتھ اس طرف راغب ہوئے۔ مگر قلیل تعداد میں وہ اصحاب قلم بھی دکھائی

دیے جو تنقید کے نام پر تنقیص کو ہوا دینے لگے۔ لیکن بہت جلد ایسا معاندانہ رویہ رکھنے والے خود تنقید نگاروں کی زد میں آگئے۔

ایک سوال یہ ابھرتا ہے کہ کیا نعت جیسا مقدس و محترم موضوع تنقید کا متحمل ہوسکتا ہے؟ تحقیق اور تنقید پہلو بہ پہلو اپنا وجود منواتی ہیں۔ تحقیق کے تقاضوں سے نا آشنا انشا پرداز ایک پر کٹے پرندے کی مانند ہوتا ہے جو اڑنے کا حوصلہ تو رکھتا ہے مگر پروں کے نہ ہونے کے باعث حرکت سے معذور رہتا ہے۔ تحقیق نگار ہی شایانِ شان تنقید کرسکتا ہے کیوں کہ تحقیق و جستجو کے حوالے سے اس کی نظر ماضی، حال اور مستقبل پر ہوتی ہے نعت کے تقاضوں سے نا آشنا نعتیہ تنقید کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ ضد اور انا کی بات علاحدہ ہے۔ جس کوچہ سے آشنائی ہی نہ ہو وہاں تنقید کا چراغ کیسے جلایا جاسکتا ہے۔ محض کاغذ سیاہ کرنے سے ادب و انشا کی بلندیوں کو نہیں چھوا جاسکتا۔ ان بلندیوں پر فائز ہونے کے لیے ایک عمر کی ادبی ریاضت درکار ہوتی ہے۔ محض بڑے ناموں سے تنقید معتبر نہیں ٹھہرتی۔ یہاں تو صرف صنف سخن اپنے ناقد سے مطالعہ کی گہرائی انداز فکر و نظر کی وسعت کی متقاضی ہوتی ہے۔

اس معاملہ میں چیں بہ چیں ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وقت خود اپنی زلفوں کو سنوارنے کا اہتمام کرتا ہے۔ نصیر الدین ہاشمی، محمد حسین آزاد، مولوی عبدالحق تنقید و تحقیق کے انتہائی محترم نام ہیں۔ مگر ان کے زمانے میں نعتیہ کتب، نعتیہ تذکرے، نعتیہ رسائل و جرائد منظر عام پر نہیں آئے تھے اس لیے ان شخصیات نے نعت نگاری کے بارے میں جو کچھ لکھا (کم لکھا یا زیادہ لکھا) زیادہ حسین انداز سے اور حسنِ تاثر سے لکھا ہم نے یہ سطور محض ان کے لیے نرم رویہ ظاہر کرنے کے لیے لکھی ہیں ورنہ وہ غافل نہیں تھے۔ اگر وہ بوسیدہ الماریوں سے پرانے مخطوطے برآمد کرسکتے تھے تو کیا نعت ایک صنف سخن کے طور پر ان کو اپنی جانب متوجہ نہیں کرسکتی تھی۔ ان میں سے ہر ایک کے اندر ایک کلمہ گو مسلمان پوشیدہ تھا۔ شبلی نعمانی چوں کہ خود شاعر تھے اور انھوں نے کئی اسلامی موضوعات کو منظومات میں ڈھالا تھا اس لیے ان کا معاملہ دوسروں سے قدرے الگ ہے۔ اگر یہی شخصیات آج کے زمانے میں ہوتیں تو پھر اصحاب ادب کو نعتیہ تنقید کا قابلِ قدر ذخیرہ ان کے حوالے سے بھی میسر آجاتا۔ انھوں نے جن موضوعات پر لکھا خوب لکھا لیکن ہم تنقیدِ نعت کے حوالے سے ان کی آرا کو مماثل ادب نہیں ٹھہرا سکتے اور اس سے ان کے ادبی مقام و مرتبہ میں کسی کمی کے رونما ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

موجودہ دور جہاں بے شمار نئے نعت گو شعرا کو میدانِ نعت میں اتارنے کا باعث بنا وہاں ایسے محققین

ہت جلد ایسا معاندانہ رویہ رکھنے والے خود تنقید

وضوع تنقید کا متحمل ہوسکتا ہے؟ تحقیق اور تنقید
، نا آشنا انشا پرداز ایک پر کٹے پرندے کی مانند
ونے کے باعث حرکت سے معذور رہتا ہے۔
ق وجستجو کے حوالے سے اس کی نظر ماضی، حال
یہ تنقید کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ ضد اور انا کی بات
کا چراغ کیسے جلایا جاسکتا ہے۔ محض کاغذ سیاہ
ان بلندیوں پر فائز ہونے کے لیے ایک عمر کی
قید معتبر نہیں ٹھہرتی۔ یہاں تو صرف صنف سخن
ی متقاضی ہوتی ہے۔
۔ وقت خود اپنی زلفوں کو سنوارنے کا اہتمام کرتا
ید وتحقیق کے انتہائی محترم نام ہیں۔ مگر ان کے
جرائد منظر عام پر نہیں آئے تھے اس لیے ان
کم لکھا یا زیادہ لکھا) زیادہ حسین انداز سے اور
ویہ ظاہر کرنے کے لیے لکھی ہیں ورنہ وہ غافل
ے برآمد کرسکتے تھے تو کیا نعت ایک صنف سخن
سے ہر ایک کے اندر ایک کلمہ گو مسلمان پوشیدہ
سلامی موضوعات کو منظومات میں ڈھالا تھا اس
یہی شخصیات آج کے زمانے میں ہوتیں تو پھر
حوالے سے بھی میسر آجاتا۔ انھوں نے جن
لے سے ان کی آرا کو مماثل ادب نہیں ٹھہرا سکتے
ا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
ت میں اتارنے کا باعث بنا وہاں ایسے محققین

بھی ابھرے جنھوں نے اپنے روشن ماضی کو عرق ریزی اور شدید محنت سے کھنگالا اور ان کو بھی وقت کے البم میں سجادیا تا کہ دورِ حاضر کو احساس ہو کہ ہم ہی نعت کے میدان کی آبرو نہیں بلکہ ہم سے پہلے جو متاعِ علم و ہنر تھے وہ ہم سے کہیں آگے تھے کیوں کہ وہ ستائش کی آرزو اور صلے کی تمنا سے بے نیاز تھے۔ ان کے لیے سب سے بڑا صلہ یہی تھا کہ ان کا کلام بارگاہِ مصطفوی ﷺ میں یوں پسندیدہ ٹھہرے کہ وہ بھی امام شرف الدین بوصیری کی طرح ردائے رحمت سے نوازے جائیں اور اُن عظیم فرزندانِ روزگار کی عظمت فکر گواہی دے رہی ہے کہ ان پر اکراماتِ حضور ﷺ کے انوار برستے رہے۔ جب کہ ان کے مقابلہ میں آج کے بہت سے شعرا نے خلقِ خدا کی ستائش اور کتب کی اشاعت کے ساتھ ان کی تعارفی تقاریب کو ہی حاصلِ حیات ٹھہرا دیا ہے۔

بات ہو رہی تھی تنقیدِ نعت کی۔ نعت نگاروں کی بہت بڑی تعداد نے نعت کے کوچے میں ڈیرے جمائے۔ ان میں ایک گروہ تو ان خوش بختوں کا تھا جو فکر وفن کے شعور کے ساتھ ہی گلستانِ نعت میں آئے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہوکر رہ گئے۔ زمانے کی کوئی تحریص یا کوئی اور ترغیب ان کی فکرِ نورانی میں لرزش پیدا نہ کرسکی۔ دوسرا گروہ ان شعرا کا تھا جو غزل کے میدان سے نعت کے گلزار میں آئے اور پھر اس گلزار کی ہمہ رنگی اتنی پسند آئی کہ واپس پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ ایک گروہ ایسا بھی تھا جس نے نعت اور غزل سے رشتہ یکساں طور پر استوار رکھا اور آج بھی دونوں میدانوں میں یکساں فنی مہارت کے ساتھ لکھ رہے ہیں۔ ان تمام اصحابِ سخن میں ایک ایسا طبقہ بھی تھا جو نعت کی ہمہ گیریت، مقبولیت عوامی اور سرکاری سطح پر پزیرائی دیکھ کر ادھر کو متوجہ ہوا۔ یہ طبقہ پہلے بھی سرکاری درباری اور اشتہاری تھا، سرکار دربار اور مشاعروں میں پزیرائی اور داد ودہش کی آرزو لے کر وہ بھی اپنے تمام مادی لوازم کے ساتھ محوِ سفر ہوگیا۔ اس طبقہ شعرا کی نعتیں پڑھ کر صاف پتا چلتا ہے کہ یہ اپنی شاعری کا فقط عنوان بدلتے ہیں یا پھر ایک آدھ مصرع بھی تبدیل کردیتے ہیں کسی محفل میں ان کا یہی کلام نعت کے نام سے دادِ ستائش کا حقدار ٹھہرتا ہے تو چند دنوں کے بعد کسی اور محفل میں معمولی سے ردّ و بدل کے ساتھ اسی نعت کو غزل کے عنوان سے پیش کررہے ہوتے ہیں۔ بعض کے ہاں تو جدت پسندی کے نام پر دیدہ دلیری کا یہ عالم کہ وہ اپنی شاعری میں معمولی سے ردو بدل کے بھی روادار نہیں ہوتے اور اپنے گروہ کے من چلوں کے جلسوں میں بڑے اعتماد کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کا خراج حاصل کرلیتے ہیں۔ نعتیہ کتب کی انتہائی تیزی سے اشاعت نے معیار کو متاثر کرنا شروع کردیا۔ نعتیہ مشاعروں کی کثرت

نے نعت نگاری کو تو فروغ دیا مگر معیار مجروح ہونے لگا۔

بس پھر کیا تھا کہ گروہ بندی ہونے لگی۔ جو کچھ ماضی میں غزل، مرثیہ اور دوسری اصناف میں گروہ بندی کا میدان گرم ہونے کی بنا پر ہو رہا تھا وہی کچھ قدرے کم سہی نعت نگاری کے حوالے سے مشاعروں کے بارے میں ہونے لگا۔ اپنے گروہ کے شعرا کے لیے ضرورت سے زیادہ داد اور دوسرے گروہ کے بہترین نعتیہ کلام کے لیے محض خاموشی پر اکتفا ہونے لگا بڑی معذرت کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ نعتیہ تقاریب کے نام پر اپنے اپنے پسندیدہ نعت خواں یا نعت گو میدان شعر وسخن میں اُتارنے کا اہتمام ہونے لگا ہے۔ یہی وہ لمحہ تھا کہ دبستان نعت میں تنقید نگاری نے اپنے وجود کو منوانے کی سعی شروع کر دی۔

بعض نے تنقید نگاری کا کشادہ جبینی سے استقبال کیا جب کہ بعض چیں بہ چیں ہوئے۔ تنقید نعت سے گھبرانے والوں کے دلوں میں یہ خوف دامن گیر تھا کہ کہیں نعت ان کے لیے تنقیص نعت کا باعث نہ بن جائے کام نیا تھا اس لیے خوف اور واہمہ شدید تھا کہ کسی طور نعت کے تقدس اور وقار کو ٹھیس نہ پہنچے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو خوب بے سرے تھے اوزان و بحور کی پابندیوں سے کما حقہ آگاہ نہ تھے، اس لیے ان کا خوف زدہ ہونا ایک فطری امر تھا۔ اندھیرا ہمیشہ اُجالے سے خوف زدہ رہتا ہے۔ ان کے مقابلے میں تنقیداتِ نعت کا استقبال کرنے والے اس کے پس منظر میں پوشیدہ خوبیوں اور اچھائیوں کا اندازہ لگا چکے تھے۔ انھیں احساس ہو گیا تھا کہ تنقیداتِ نعت کی بدولت نعتیہ ادب کو نئی بہار بخشی جا سکے گی۔ اس کی بدولت گلزارِ نعت کو نئی تازگی ملے گی۔ نئے مضامین اور اسالیب کے گل ولالہ پھوٹیں گے۔ انھیں احساس تھا کہ تنقیداتِ نعت کے نام پر محققین کسی طور بھی تنقیصِ نعت کے مرتکب ہو کر اپنی اُخروی دُنیا کے لیے بربادی کا سامان مہیا نہیں کریں گے بلکہ اس کی بدولت انھیں بھی عاقبت کی سرخ روئی کی نوید مل جائے گی۔

جب رسائل و جرائد میں (گنتی کے) تنقید پر کام ہونے لگا اور بعض محققین جو نعت کے وقار کو مدتوں سے دلوں میں بسا بیٹھے تھے میدان میں آ گئے تو نعت کے گلستانِ تحقیق پر بہار آنے لگی۔ وہ اصحاب قلم جو اس مشن کے آغاز میں تنقید نعت کی ترکیب ہی سے گریزاں تھے خوش دلی سے اس محققانہ جدوجہد کی داد دینے لگے۔ اگر چہ کسی بھی کام کا آغاز کرتے ہوئے جھجک بھی ہوتی ہے اور نامعلوم احساس بھی دامن گیر ہوتا ہے معلوم نہیں اہلِ ذوق ان کی جدوجہد کو اخلاصِ عمل پر مبنی سمجھیں گے یا ان کی مساعی کو

۔

غزل،مرثیہ اور دوسری اصناف میں گروہ بندی
کم سہی نعت نگاری کے حوالے سے مشاعروں
ے ضرورت سے زیادہ داد اور دوسرے گروہ کے
بڑی معذرت کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ نعتیہ
ت گو میدان شعروسخن میں اُتارنے کا اہتمام
نگاری نے اپنے وجود کو منوانے کی سعی شروع

ب کہ بعض چیں بہ چیں ہوئے۔ تنقید نعت سے
ہیں نعت ان کے لیے تنقیص نعت کا باعث نہ
سی طور نعت کے تقدس اور وقار کو ٹھیس نہ پہنچے۔
ے اوزان و بحور کی پابندیوں سے کماحقہ آگاہ نہ
اندھیرا ہمیشہ اُجالے سے خوف زدہ رہتا ہے۔
لے اس کے پس منظر میں پوشیدہ خوبیوں اور
کہ تنقیداتِ نعت کی بدولت نعتیہ ادب کو نئی بہار
ملے گی۔ نئے مضامین اور اسالیب کے گل ولالہ
م پر محققین کسی طور بھی تنقیصِ نعت کے مرتکب
کریں گے بلکہ اس کی بدولت انھیں بھی عاقبت

ے لگا اور بعض محققین جو نعت کے وقار کو مدتوں
کے گلستانِ تحقیق پر بہار آنے لگی۔ وہ اصحاب قلم
لرزاں تھے خوش دلی سے اس محققانہ جدوجہد
ئے جھجک بھی ہوتی ہے اور نامعلوم احساس بھی
اخلاصِ عمل پر مبنی سمجھیں گے یا ان کی مساعی کو

نعت گو طبقے کے خلاف بغض اور عناد (حاشا وکلا) سے تعبیر کریں۔ اور پھر ویسے بھی تنقید نعت ایک وسیع عمل تھا جو بے شمار جہتوں پر محیط تھا اور یہ محض ایک ڈھنگ یا ڈگر کا مرہونِ منّت نہیں تھا۔ شخصی مضامین، موضوعاتی مقالہ جات، نعتیہ اشعار کی تراکیب اور حسن بیان کا جائزہ، عصرِ حاضر کے حوالے سے اس کی کارکردگی کا جائزہ، نعت نگاری پر گہری نظر، نعتیہ ذوق کی گہرائی تک رسائی، نعت کے قلزمِ بے کنار میں غواصی کا عمل، نعت گو کی ذات سے بے نیاز ہو کر اس کے فکروفن کو مدِنظر رکھنا، ذاتی وابستگی اور تعلقِ خاطر سے پہلو بچائے رکھنا، تنقیدِ نعت کا مختلف زبانوں کے حوالے سے علاحدہ علاحدہ جائزہ لینا اور پھر ایک طویل جائزے میں تمام زبانوں میں کہی گئی نعتوں پر بحیثیت مجموعی تبصرہ کرنا، کہیں اختصار اور کہیں جامعیت کو مدنظر رکھنا، بلاغت اور فصاحت کے ساتھ ساتھ مضمون نگاری پر بھی گہری نظر رکھنا۔ وغیرہ وغیرہ مگر یہ سب کچھ چند دن، چند ہفتوں یا چند سالوں میں ممکن نہیں تھا۔ اس کے لیے ایک عرصہ درکار تھا۔ کتنا عرصہ؟ اس سے کوئی بھی آگاہ نہیں تھا۔ جب فطرت حسن معانی کی مشاطگی کا خود اہتمام کرتی ہے تو فطرت کے تقاضوں کے اسرار و رموز اور اس کی رفتار یا مدتِ کا کون تعین کرسکتا ہے۔

کبھی وہ بھی وقت تھا کہ نعت شعری مجموعے اور ادبی کتب میں تبرکاً شامل ہوتی تھی اور وہ سہانا وقت بھی تھا جب محبوب دوعالم ﷺ کے روبرو حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن زہیر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین جیسے جلیل القدر عشاق نعت کہہ رہے تھے اور بارگاہ نبوی ﷺ سے خوشنودی کے پھول سمیٹ رہے تھے۔ وہ بھی وقت تھا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ منورہ کی ننھی ننھی بچیوں نے یہ کہہ کر اپنے آقا و مولا ﷺ کا استقبال کیا تھا:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
و جب الشکر علینا ما دعا للّٰہ داع

(یعنی ہم پر وداع کی چوٹیوں سے بدرِ منیر طلوع ہوگیا۔ ہم پہ فرض ہے کہ ربِ کریم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں ہم پر جو احسان کیا ہے اس کا جی بھر کر شکر یہ ادا کریں)

ہم نے نعتیہ قصیدہ سے فقط دو اشعار نقل کیے ورنہ پورا قصیدہ ہمیں یہ احساس دلا رہا ہے کہ:

وہ ہر عالم کی زینت تھے کسی عالم میں جا بستے
یہ ان کی مہربانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا

ان بچیوں نے جو استقبالیہ اشعار پڑھے ان کے خالق کا آج تک پتا نہیں چل سکا۔ یوں لگتا ہے جیسے فرشتوں نے یہ اشعار ان بچیوں کے حافظہ کی زینت بنا دیے ہوں۔ غرض نعت ہوتی رہی ہمارا ایمان ہے کہ جہاں ہر دور میں اچھی نعت پر داد ملتی ہوگی وہاں ان نعتوں پر جو پاکیزہ مذاق سے ہٹی ہوئی ہوں گی تنقید بھی ہوتی ہوگی مگر اس داد اور تنقید کو رقم کرنے کے شواہد کسی کتاب میں نظر نہیں آتے دراصل خاص کام خاص مواقع کے لیے مخصوص ہیں۔ جو لوگ ماضی کے ادوار میں داد و دہش یا تنقید نعت کے منکر ہیں کیا وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ہر دور میں امرا وقت سے قطع نظر نعت گوئی صوفیا کرام، درویشوں اور محرمانِ خداوندی کی بارگاہ میں کس شان سے سراہی گئی۔ (اس پر تفصیلی تذکرہ آگے چل کر آئے گا) ایک عرصہ بعد نعتیہ انتخاب شائع ہونے لگے۔ یہ اپنے دور میں بڑا کام تھا۔ اگر یہ کام نہ ہوا ہوتا تو ماضی، حال اور مستقبل کی کڑیاں آپس میں ملنے نہ پاتیں۔ ان نعتیہ انتخابات اور ان کے مرتبین کے دیباچوں نے نعت کا بہت بڑا ذخیرہ عصرِ حاضر تک پہنچا دیا اور عصرِ حاضر کے محققین، شارحین اور دانش وراس قابل ہوئے کہ نعتوں کو اوزان کے علاوہ نقد و نظر کی میزان پر بھی تول سکیں۔ شروع میں تنقید کے حوالے سے جتنے مضامین لکھے گئے ان میں سے نصف کے قریب شخصی یا شخصیاتی تھے اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ مضامین بھی تنقید کی دنیا کا روشن باب تھے کیوں کہ ان کی بدولت ہی آگے چل کر ناقدین نعت فکرِ نعت کے خدوخال متعین کرنے کے قابل ہوئے۔

یہ ایک فطری عمل ہے کہ اچھا کام کرنے والے کی بے پناہ تعریف و توصیف کرنے کے بعد اس کی معمولی سی لغزش پر بھی ہاتھ رکھ دو تو وہ توصیف کے ڈونگرے بھول کر اس لغزش نمائی پر مرنے مارنے پر تل جائے گا۔ اگر توصیف گوارا ہے تو پھر فکری لغزش پر صاحب تحقیق کو معمولی سی سرزنش پر اس قدر غصہ و جلال کیوں۔ بلکہ آپ کو تو ایسے محقق کو اپنا محسن مان کر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جس نے آپ کو بروقت خبردار کر کے روزِ محشر کی پرسش سے بچا لیا۔

آپ نعت کس کے لیے کہتے ہیں۔ دنیاوی تعریف و توصیف کے لیے کہتے ہیں یا محبوبِ دوعالم آقائے

را قصیدہ ہمیں یہ احساس دلا رہا ہے کہ:

ں عالم میں جا بستے

، یہ عالم پسند آیا

ا آج تک پتا نہیں چل سکا۔ یوں لگتا ہے جیسے
ا دیے ہوں۔ غرض نعت ہوتی رہی ہمارا ایمان
ں ان نعتوں پر جو پاکیزہ مذاق سے ہٹی ہوئی
رنے کے شواہد کسی کتاب میں نظر نہیں آتے
جو لوگ ماضی کے ادوار میں داد و دہش یا تنقید
ں امرا وقت سے قطع نظر نعت گوئی صوفیا کرام،
سے سراہی گئی۔ (اس پر تفصیلی تذکرہ آگے چل کر
۔ یہ اپنے دور میں بڑا کام تھا۔ اگر یہ کام نہ ہوا
نہ پاتیں۔ ان نعتیہ انتخابات اور ان کے مرتبین
پہنچا دیا اور عصرِ حاضر کے محققین، شارحین اور
قد و نظر کی میزان پر بھی تول سکیں۔ شروع میں
سے نصف کے قریب شخصی یا شخصیاتی تھے اور یہ
باب تھے کیوں کہ ان کی بدولت ہی آگے چل
قابل ہوئے۔

، پناہ تعریف و توصیف کرنے کے بعد اس کی
رے بھول کر اس لغزش نمائی پر مرنے مارنے پر
ر صاحب تحقیق کو معمولی سی سرزنش پر اس قدر
ں کر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جس نے آپ کو

یف کے لیے کہتے ہیں یا محبوبِ دوعالم آقائے

محترم حضور عالی مقام محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے کہتے ہیں؟ اگر دنیاوی داد و دہش یا تعریف و توصیف ہی مقصودِ اوّل ہے تو پھر نعت ہی کیوں؟ اور بھی اصناف ہیں غزل، قصیدہ وغیرہ جن میں طبع آزمائی کر کے آپ دنیاوی لحاظ سے وہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں جس کی آپ کو تمنا ہے۔ لیکن اگر مقصودِ اوّل و آخر خوشنودی خدا و مصطفیٰ ﷺ ہے تو پھر تو آپ کو لرزیدہ قلم اور نم دیدہ آنکھوں کے ساتھ نعت کہنی چاہیے۔ آپ اس عالمِ شوق میں نعت کہہ رہے ہوں تو کیا خبر کہ قدسیان صف بستہ آپ کی ہم نوائی میں سرمست ہوں۔ آخر ان کے لیے بھی نعت اتنی ہی اہم ہے جتنی بندگانِ خدا کے لیے۔ جب نعت کہنے کے لیے ایسی خوش گوار فضا، روحانی ماحول، آبِ شوق سے دھلا ہوا دل اور عقیدت کی روشنائی سے مہکتا ہوا قلم نصیب ہو جائے تو پھر مقدر کے کیا کہنے اگر کوئی آپ کے کسی شعر، نعت یا شاعری کا خلوصِ فکر و نظر سے جائزہ لیتا ہے تو آپ کو مسرت ہونی چاہیے کہ میرا نام بھی زمانے کے معتبر نعت نگاروں میں آ گیا ہے۔ عام آدمی کو کون پوچھتا یا اس پر کون لکھتا ہے۔ اس لیے تنقید شجر ممنوعہ نہیں۔ جنھوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا وہ تنقید نگاروں کی محنت کو اپنے حق میں کرم فرمائی تصور کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم ایسے تنقید نگاروں کی بات بھی کرنا چاہیں گے جو تنقید کے فکری تقاضوں اور تحقیق کی بادیہ پیمائیوں سے محروم اور تنقیص سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ پاتے۔ اور جس پر بھی ناوک افگنی کرتے ہیں اسے کوچۂ ادب سے نکال کر ہی دم لیتے ہیں یا تو وہ تحقیق اور نقد و نظر کو متخصصین تک ہی محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ یا ان کے اندر حسد، بغض اور عیب جوئی کا جذبہ زیادہ ہی ہوتا ہے۔ وہ نعت کے گلشن کو بھی مصحفی اور ان شاء اللہ خاں انشاء کی کج بحثیوں کی بدولت اجاڑنے پر تلے ہوئے ہیں۔ حالاں کہ نعت ان چیزوں سے ماورا ہوتی ہے۔ اس میں کوئی دہلوی، لکھنوی، پوربی، پنجابی دبستان فکر نہیں ہوتے کہ تاک تاک کر نشانے مارے جائیں۔ یہاں فخر کی گنجائش نہیں بلکہ عاجزی درکار ہے۔ یہاں تعلّی نہیں بلکہ خاکساری متاعِ فکر و نظر ہوتی ہے۔ میں نے کم و بیش ۴۵ سال کا عرصہ فن و فکرِ نعت میں گزارا ہے۔ میں نے ساری شعری و فنی زندگی میں فقط یہ راز پایا ہے کہ تنقید نگار کی بات غور سے سنو۔ اگر وہ درست کہہ رہا ہے تو بلا تاخیر اس کا مشورہ قبول کر لو کیوں کہ ملک الموت بھی تو گھات میں بیٹھا ہے شاید پھر سنبھلنے کی مہلت دے یا نہ دے۔ یہاں تک احتیاط ہونی چاہیے کہ آپ کا نعتیہ شعر بہت خوب صورت ہے لیکن کوئی مشورہ دیتا ہے یا آپ کو از خود خیال آتا ہے کہ میرے اس شعر یا

ایک مصرعے کے دو مطالب نکلتے ہیں۔ ایک مداحی رسول کا علمبردار ہے اور دوسرے میں کچھ اور مطلب بیان ہورہا ہے تو عوام الناس کی داد و دہش سے بے نیاز ہوکر فقط اس مطلب کو اجاگر کرو جو توصیف رسول ﷺ کا نور بکھیر رہا ہے۔ اگر شعر بدل سکتے ہو تو فوراً بدل لو۔ اگر شعری صلاحیت اس مقام پر نہیں ہے تو شعر سے ہی دستبردار ہوجاؤ۔ میں نے خود کئی بار ایسا کیا دوسروں کے توجہ دلانے پر یا ازخود اپنے شعر کی تنقیدی گرفت پر۔ یہ غالبؔ کا دیوان نہیں ہے جس کے ایک ایک شعر کے سولہ سولہ مطالب ہوں۔ یہاں بس ایک ہی مطلب چاہیے کہ ''یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ راضی ہوجایئے۔''

اب ہم چند ایسی کتب پیش کررہے ہیں جن کا تعلق انتقادیاتِ نعت سے ہے۔ ہم آغاز سے اب تک عرض کرچکے کہ ان کتب کا انتخاب کرتے ہوئے ہم نے نعتیہ مجموعوں، نعتیہ انتخابوں سے گریز کیا ہے اور فقط ان کتب کا انتخاب کیا ہے جو شروع سے آخر تک تنقید نعت کے معیار پر پوری اُترتی ہوں۔ ہمارے لیے سب ہی قابلِ احترام ہیں لیکن بات تو عنوان کی ہے جس کو خضرِراہ بنا کر ہم لکھ رہے ہیں۔ خدا گواہ ہے اس میں کسی قسم کے تعلقات یا ذاتی روابط کو مدنظر نہیں رکھا گیا۔ بیش تر ایسی شخصیات ہیں جنھیں ہم نے زندگی میں ایک مرتبہ بھی نہیں دیکھا۔ ہم اس مقالہ کو آگے بڑھاتے ہوئے ان منتخبہ کتب اور مصنّفین کی فہرست پیش کررہے ہیں تاکہ جس داستانِ شوق نے آگے بڑھنا ہے اس کا باقاعدہ آغاز ہوجائے۔

شمار	مقالہ نگار/مصنف	کتاب مقالے کا عنوان	مقام اشاعت	سال اشاعت
۱	طلحہ رضوی برق ڈاکٹر	اردو کی نعتیہ شاعری	پٹنہ	۱۹۷۴ء
۲	سیّد رفیع الدین اشفاق، پروفیسر ڈاکٹر	اردو میں نعتیہ شاعری	اردو اکیڈمی سندھ کراچی	۱۹۷۶ء
۳	محمد اکرم رضا، پروفیسر	کاروانِ نعت کے حدی خواں	فروغِ ادب اکادمی گوجرانوالہ	۱۹۸۹ء
۴	ریاض مجید، پروفیسر ڈاکٹر	اردو میں نعت گوئی	اقبال اکادمی پاکستان لاہور	۱۹۹۰ء
۵	اسماعیل آزاد فتح پوری، پروفیسر ڈاکٹر	اردو نعت گوئی میں، ۲ جلدیں	مطبوعہ لکھنؤ	۱۹۹۲ء
۶	عزیز احسن	اردو نعت اور جدید اسالیب	فضلی سنز، پبلی کیشنز، کراچی	۱۹۹۸ء
۷	حسین علی ادیب رائے پوری	نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلات تنقید	عباسی کتب خانہ جونا مارکیٹ کراچی	۱۹۹۹ء
۸	سیّد یحییٰ نشیط، ڈاکٹر	اردو میں حمد و مناجات	فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی	۲۰۰۰ء

رسول کا علمبردار ہے اور دوسرے میں کچھ اور
ے بے نیاز ہوکر فقط اس مطلب کو اجاگر کرو جو
سکتے ہوتو فوراً بدل لو۔ اگر شعری صلاحیت اس
نے خود کئی بار ایسا کیا دوسروں کے توجہ دلانے پر یا
نہیں ہے جس کے ایک ایک شعر کے سولہ سولہ
رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان

ادیاتِ نعت سے ہے۔ ہم آغاز سے اب تک
نے نعتیہ مجموعوں، نعتیہ انتخابوں سے گریز کیا ہے
ک تنقیدِ نعت کے معیار پر پوری اُترتی ہوں۔
نوان کی ہے جس کو خضرِ راہ بنا کر ہم لکھ رہے
وابط کو مدنظر نہیں رکھا گیا۔ بیش تر ایسی شخصیات
ہم اس مقالہ کو آگے بڑھاتے ہوئے ان منتخبہ
نس داستانِ شوق نے آگے بڑھنا ہے اس کا

کا عنوان	مقام اشاعت	سال اشاعت
	پٹنہ	۱۹۷۴ء
	اردو اکیڈمی سندھ کراچی	۱۹۷۶ء
ی خواں	فروغِ ادب اکادمی گوجرانوالہ	۱۹۸۹ء
	اقبال اکادمی پاکستان لاہور	۱۹۹۰ء
جلدیں	مطبوعہ لکھنؤ	۱۹۹۲ء
الیب	فضلی سنز، پبلی کیشنز، کراچی	۱۹۹۸ء
ور	عباسی کتب خانہ جونا مارکیٹ کراچی	۱۹۹۹ء
	فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی	۲۰۰۰ء

۹	حسرت کاس گنجوی، ڈاکٹر	جادۂ رحمت کا مسافر	آفتاب اکیڈمی پی آئی بی، کالونی کراچی	۲۰۰۱ء
۱۰	محمد ابوالخیر کشفی، سیّد، پروفیسر ڈاکٹر	نعت اور تنقید نعت	طاہرہ کشفی میموریل سوسائٹی، کراچی	۲۰۰۱ء
۱۱	عاصی کرنالی، پروفیسر ڈاکٹر	اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایات کا اثر	اقلیم نعت کراچی	۲۰۰۱ء
۱۲	محمد اقبال جاوید، پروفیسر	تیرا وجود الکتاب	فروغِ ادب اکادمی گوجرانوالہ	۲۰۰۱ء
۱۳	شفقت رضوی، پروفیسر	اردو میں نعت گوئی	جہانِ حمد پبلی کیشنز کراچی	۲۰۰۲ء
۱۴	کوکب نورانی علامہ	نعت اور آدابِ نعت	ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ، لاہور	۲۰۰۲ء
۱۵	عزیز احسن	نعت کی تخلیقی سچائیاں	اقلیم نعت، کراچی	۲۰۰۳ء
۱۶	محمد سلطان شاہ، سیّد ڈاکٹر	شاعرِ نعت	الجلیل پبلشرز، لاہور	۲۰۰۴ء
۱۷	شفقت رضوی، پروفیسر	''نعت رنگ'' کا تنقیدی مطالعہ	مہرِ منیر اکیڈمی کراچی	۲۰۰۴
۱۸	جوہر شفیع، ڈاکٹر	حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعر نعت	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی	۲۰۰۶
۱۹	محمد اکرم رضا، پروفیسر	قافلۂ شوق کے مسافر	فروغِ ادب اکادمی، گوجرانوالہ	۲۰۰۷
۲۰	شاد، محمد مقصود حسین	ذکرِ حفیظ تائب	القمر انٹر پرائزز	۲۰۰۷
۲۱	عزیز احسن	ہنر نازک ہے	اقلیم نعت، کراچی	۲۰۰۷
۲۲	صبیح الدین، رحمانی سیّد	نعت نگر کا باسی	اقلیم نعت، کراچی	۲۰۰۸
۲۳	محمد اکرم رضا، پروفیسر	تاجدار ملک سخن	المدینہ دارالاشاعت، لاہور	۲۰۰۹
۲۴	محمد اقبال جاوید، پروفیسر	نعت میں کیسے کہوں	نعت ریسرچ سینٹر کراچی	۲۰۰۹
۲۵	صبیح رحمانی، سیّد	غالب اور ثنائے خواجہ	نعت ریسرچ سینٹر کراچی	۲۰۰۹

اب ہم ایک نظر ان ناقدین نعت کے اقوالِ زریں پر ڈالتے ہیں جو نعت کے حسن و جمال میں حد درجہ گم تھے۔ وہ ہر لمحہ نعت سوچتے تھے۔ نعت پرکھتے تھے اور نعت لکھتے تھے۔ ان کی تحریریں اخلاص اور دیانت داری کے انوار سے ضوبار ہیں ان کی ناقدانہ فکر کا اسلوب ان کی باتوں کو سننے اور پڑھنے والوں کے دلوں میں اتار دیتا تھا اور ان کی دیانت دارانہ رائے وقت کی پیشانی کا جھومر بن جاتی تھی۔ اگر ان لوگوں نے نقد و نظر کے پھول کھلائے نہ ہوتے تو نعت کے قافلے کے لیے منزل کی سمت کا تعین بھی مشکل ہو جاتا۔ ورنہ نعت وہ دشوار راہ ہے کہ جس پر سفر کرنے کا حوصلہ کرتے ہی مسافر کی

سوچیں لرزاں ہونے لگتی ہیں۔ حضرت عرفی کے بقول:

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قلم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کے جم را

(یعنی اے عرفی آہستہ چل کہ یہ راہِ نعت ہے۔ اتنا آہستہ کہ جیسے قلم کی زندگی ہر آن تلوار کی دھار کی زد میں ہوتی ہے اور یاد رکھ کہ سرور دو عالم ﷺ کی نعت کہنا اور کے و جمشید کے قصائد لکھنا ایک ہی وقت اور احساس کے ساتھ ناممکن ہے۔)

حضرت احمد رضا خاںؒ محدث بریلوی کے یہ الفاظ ابد تک کے لیے نعت گوؤں کے لیے راہِ مستقیم کا تعین کرتے رہیں گے، آپ فرماتے ہیں:

حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل کام ہے۔ جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو اُلوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے۔ جتنا چاہے آگے بڑھ سکتا ہے۔ غرض ایک جانب اصلاً کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔

معروف محقق ڈاکٹر سیّد محمد عبداللہ فن نعت پر اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

نعتیہ شاعری کی مشکل یہ ہے کہ یہ ایک طرف مذہبی شاعری ہے تو دوسری طرف اس کے رشتے عاشقانہ شاعری سے ملتے ہیں اور اس کے باوجود حق یہ ہے کہ نہ یہ مذہبی شاعری ہے اور نہ عاشقانہ شاعری بلکہ ایک ہی صنف ہے جو ایک عجیب قسم کے مگر گہرے روحانی تجربے سے ابھرتی ہے یہ خدا سے محبت کی شاعری نہیں کہ جس کا مخاطب کسی کو کبھی نظر نہیں آئے۔ اگرچہ وجدان میں ہے اس لیے شاعری کی ساری

است نہ صحرا است
غ است قلم را
آہنگ سرودن
ریحِ کے جم را
ت ہے۔ اتنا آہستہ کہ جیسے قلم کی
ہوتی ہے اور یاد رکھ کہ سرور دو
ے قصائد لکھنا ایک ہی وقت اور

ں کے لیے نعت گوؤں کے لیے راہِ مستقیم کا تعین

م ہے۔ جس کو لوگ آسان سمجھتے
۔ اگر بڑھتا ہے تو اُلوہیت میں
رتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ
ے بڑھ سکتا ہے۔ غرض ایک جانب
وں جانب سخت حد بندی ہے۔
اظہار یوں کرتے ہیں:
ک طرف مذہبی شاعری ہے تو
عری سے ملتے ہیں اور اس کے
ہے اور نہ عاشقانہ شاعری بلکہ
ے مگر گہرے روحانی تجربے سے
یں کہ جس کا مخاطب کسی کو کبھی
ہے اس لیے شاعری کی ساری

رمزیں ماورائی ہیں۔ مگر نعت کا موضوع ایک پیکرِ محسوس ہے اس کی محبت ایک پیکرِ محسوس کی محبت ہے اس لیے اس کی نعت کی رمزیں اور اس کے اشعار مبالغہ، استغراق کی تاب نہیں لا سکتے۔ نعت گو اس کی مدح میں مدحت سرائی پر مجبور ہے۔ ورنہ ہر گام سوئے ادب کا خطرہ ہے اور اس پر یہ کہ محبت کے پر احترام جذبے کو ادب کی قید میں سنبھال کر لے جانا بھی پڑتا ہے۔ لیکن اس کے باوصف گداز اور گھلاوٹ کی شرط لازم ہے۔

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کہتے ہیں:

نعت نہ تو صرف شعری صلاحیت کا اثر ہے اور نہ روایات کی ترتیب کا نام۔ یہ تو جذبۂ محبت اور احساسِ عقیدت کے اظہار کا وہ سلیقہ ہے جو ہمہ تن محترم ہے۔ یہ صرف نظم نہیں بلکہ ذاتی واردات کا شعری پیرہن ہے۔ جذبوں کی سچائی نعت کا حسن ہے اور حرفوں کی متانت اس کا جمال ہے۔ اس بارگاہِ عظمت میں اسے پیش کرنا ہے جہاں اگر جنبش لب خارج از آہنگ ہو جائے تو ایمان کو خطرہ ہے۔ اور اگر جذبے مستقیم اور پابندِ آداب نہ رہیں تو دھتکارے جانے کا احتمال ہے۔

مجید امجد کا کہنا ہے:

حقیقت یہ ہے کہ جنابِ رسالت مآب ﷺ کی تعریف میں ذرا سی لغزش نعت کو حدودِ کفر میں داخل کر سکتی ہے، ذرا سی کوتاہی مدح کو قدح میں بدل سکتی ہے ذرا سا غلو ضلالت کے زمرے میں آ سکتا ہے۔ ذرا سا عجزِ بیان اہانت کا باعث بن سکتا ہے (سچی نعت کہنے والا) قدم قدم پر نصِ قرآن کا پابند ہے۔ اس کا ہر لفظ زنجیری احتیاط بھی ہے۔ اس کا ہر حرف سرشارِ احترام بھی ہے۔

ڈاکٹر عاصی کرنالی کا کہنا ہے:

کبھی کبھی ہمارے مطالعہ سے یہ آشوب بھی گزرتا ہے کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توصیف میں افراط، تفریط کا باعث ہو جاتے ہیں۔ کبھی تو کسرِ شان کا یہ انداز کہ انھیں اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں یا غزل کے مضامین کا ان کو مورد قرار دیتے ہیں اور کبھی از راہِ مبالغہ انھیں اللہ کی مخصوص صفات اور اختیارات کا حامل قرار دیتے ہیں۔ اللہ کے پردے میں وحدت کے سوا کچھ نہیں۔ اس لیے سب کچھ حضور ﷺ ہی سے مانگنا ہے۔ کیا نعت کے ایسے مضامین قرآن وسنت کے مزاج کے مطابق اور دانش ومعرفت اصول واخلاق سے مناسبت رکھتے ہیں؟

("نعت رنگ" اپریل ۱۹۹۵)

معروف تحقیق نگار ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کہتے ہیں:

نعت کے دائرے کو محدود سمجھنا درست نہیں کیوں کہ جتنا دائرہ حضور ﷺ کی نبوت ورسالت کا ہے اتنا ہی دائرہ ان اوصافِ حمیدہ کا ہے جو نعت پر کام کرنے والوں کی کوششوں سے انسانیت تک پہنچ رہے ہیں۔ تمام اسلامی زبانوں میں نعت اور سیرت کا سب سے زیادہ ذخیرہ اُردو زبان میں ہے۔ (ماہ نامہ "نعت" لاہور اگست ۱۹۹۸)

ممتاز حسین لکھتے ہیں:

ذاتِ رسالت کے شعور کے لیے صفاتِ رسالت کا ادراک اور سیرتِ رسول ﷺ کی پیروی ناگزیر ہے۔ اصل چیز یہاں بھی ذاتِ رسالت ﷺ ہے مگر ذات وصفات لازم وملزوم ہیں۔ خلاصہ یہ نعتِ رسول ﷺ کی بنیاد یا تو عشقِ ذات ہے یا ادراکِ صفات۔ یا تو وہ ذات رسالت ﷺ سے ایک گہرے اور والہانہ جذبے کا اظہار ہے یا صفات رسالت ﷺ کی عکاسی، دونوں کا مقصد اور حاصل یہ ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے انسان کی شخصیت اور کردار ہمارے سامنے آجائیں اور

بھی گزرتا ہے کہ ہم حضور علیہ
تفریط کا باعث ہو جاتے ہیں۔
پنے جیسا بشر سمجھتے ہیں یا غزل
اور کبھی از راہِ مبالغہ انھیں اللہ کی
ار دیتے ہیں۔ اللہ کے پردے
سب کچھ حضور ﷺ ہی سے مانگنا
وسنت کے مزاج کے مطابق اور
بت رکھتے ہیں؟

(”نعت رنگ“ اپریل ۱۹۹۵)

ں کیوں کہ جتنا دائرہ حضور ﷺ
ن اوصافِ حمیدہ کا ہے جو نعت
انیت تک پہنچ رہے ہیں۔ تمام
ب سے زیادہ ذخیرہ اُردو زبان

(ماہ نامہ ”نعت“ لاہور اگست ۱۹۹۸)

ِ رسالت کا ادراک اور سیرتِ
اصل چیز یہاں بھی ذاتِ
زم و ملزوم ہیں۔ خلاصہ یہ نعتِ
یا ادراکِ صفات۔ یا تو وہ ذات
نہ جذبے کا اظہار ہے یا صفات
ر اور حاصل یہ ہے کہ دنیا کے
دار ہمارے سامنے آ جائیں اور

ایک مثالی حیثیت سے زندگی میں ہمارے لیے مشعلِ راہ کا کام دیں۔

(دیباچہ ”خیر البشر کے حضور میں“ فروغ اردو لاہور)

راقم (محمد اکرم رضا) کا نعت کے بارے میں ایک انٹرویو سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

نعت کہنے کے لیے بڑے اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے نعت کا زمزمہ قدسی ایک ایسے دل کا تقاضا کرتا ہے جو اخلاص و نیاز مندی سے بھرپور ہو۔ نعت ایک ایسے لہجے کی متقاضی ہے جو احترام و عقیدت کے ساتھ ساتھ فکر و فن کی بلندیوں کا امین بھی ہو۔ نعت دنیاوی شہرت حاصل کرنے کے لیے نہیں کہی جاتی نعت کہنے والوں کا مقصد تو یہی ہوتا ہے کہ انھیں خوشنودی خدا و رسول ﷺ عطا ہو جائے۔ یہ انتہائی خوش بخت صنف سخن ہے کہ جس کی اشاعت کے لیے دنیا بھر کے عشاقِ حضور ﷺ رنگ و نسل اور زبان کے فرق کے باوجود ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں مصروف کار ہیں۔

(ڈاکٹر حافظ منور حسین سرمد، محمد اکرم رضا، تجلیاتِ نعت کے ایوان میں ”نعت رنگ“ ۱۹، کراچی)

پاکستان میں نعت گو شعرا کے تذکرہ نویس سیّد محمد قاسم کا کہنا ہے:

نعت ایک ایسا آبشار عقیدت و محبت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی تریسٹھ سالہ زندگی کے کسی نہ کسی پہلو کی رونمائی موجود ہو۔ اگر کسی شاعر کے نعتیہ شعر میں اللہ کے رسول ﷺ کی تریسٹھ سالہ زندگی کے کسی گوشے کے کسی حصے پر بھی کوئی روشنی نہیں پڑتی تو میں اسے نعت نہیں سمجھتا۔ وہ محض ایک شعر ہے نعت سے جس کا کوئی تعلق نہیں۔ میرے نزدیک نعت کا مقام یہ ہے کہ نعت ادب عالیہ سے بھی آگے کی چیز ہے۔

(دو ماہی سر بکف کراچی شمارہ جون ۲۰۰۹ء)

ادیب رائے پوری رقم طراز ہیں:

غیر نعتیہ شاعری میں تنقیدی شعور کے فقدان سے ادب کے نشو و نما کا

جمود مقدر بن جاتا ہے لیکن نعتیہ ادب میں تنقید کے بغیر جمود کے تسلط اور ایجاد الفاظ کے اجتہاد سے محرومی کے علاوہ اس گرفت سے بھی آزاد ہو جاتا ہے جس کے بغیر انسان بھٹک جائے۔ ثوابِ فکر کے صلۂ عذاب میں بدل جانے کا خطرہ قدم قدم پر ہے۔ یہاں دونوں ہاتھوں سے وہ دامنِ خیال تھاما نہیں جاتا۔ ایک ہاتھ میں دامن ادب اور دوسرے میں دامانِ خیال ہوتا ہے۔ نعتیہ شاعری میں جذبات کا اظہار اور جذبات پر قابو لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو متاعِ ایمان کے برباد ہونے کی پشیمانی رہ جاتی ہے۔ (مجلّہ ''نعت رنگ''، مدیر سیّد صبیح رحمانی کراچی)

مشہور نقاد پروفیسر شفقت رضوی نعت کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

اردو شاعری اور نعت گوئی لازم و ملزوم ہیں اس کی ترویج میں کبھی کمی نہیں ہوئی۔ ابتدا میں نعت پر عقیدہ اور عقیدت کا غلبہ رہا۔ رفتہ رفتہ عقیدہ اور عقیدت کی جگہ رسم نے لے لی۔ نعت چاہے کسی مثنوی کا حصہ رہی ہو یا جداگانہ اکائی اس میں شاعری کے تلازمے کو کم جگہ دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طویل عرصہ تک نعت گوئی کا انداز سپاٹ اور سطحی رہا۔ اس فن میں فن کے کچھ آثار اس وقت پیدا ہوئے جب اردو کی ادبی صحافت نے زور پکڑا۔ درجنوں نعتیہ گل دستوں کا اجرا ہوا۔ جن کی نعتوں میں قافیہ پیمائی، لفظی موشگافی، رموز بلاغت کی کثرت رہی... بلاشبہ محسن کاکوری، امیر مینائی، کرامت علی شہیدی، کفایت علی کافی اور شاہ احمد رضا خان نے تاثر اور کیف پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن پھر بھی ان کی شاعری خواص کی شاعری رہی۔ اس میں عوامی رنگ حالی، اقبال، ظفر علی خاں نے بھرا۔

اختلاف کی گنجائش رکھنے کے باوجود شفقت رضوی کے خلوص فکر پر شک نہیں ہوتا کہ ان کا مقصود اول و آخر فروغِ نعت بنی ہے۔ ایک قدم آگے چل کر وہ کہتے ہیں:

یں تنقید کے بغیر جمود کے تسلط
، علاوہ اس گرفت سے بھی آزاد
ئے۔ ثوابِ فکر کے صلۂ عذاب
ہ۔ یہاں دونوں ہاتھوں سے وہ
ں دامن ادب اور دوسرے میں
جذبات کا اظہار اور جذبات پر
نہ ہو تو متاع ایمان کے برباد
ت رنگ''، مدیر سیّد صبیح رحمانی کراچی)
وں اظہار خیال کرتے ہیں:
ہیں اس کی ترویج میں کبھی کمی
ر عقیدت کا غلبہ رہا۔ رفتہ رفتہ
ے لی۔ نعت چاہے کسی مثنوی کا
اعری کے تلازمے کو کم جگہ دی
ت گوئی کا انداز سپاٹ اور سطحی
وقت پیدا ہوئے جب اردو کی
یہ گل دستوں کا اجرا ہوا۔ جن کی
رموز بلاغت کی کثرت رہی...
علی شہیدی، کفایت علی کافی اور
کرنے کی کوشش کی لیکن پھر بھی
ں۔ اس میں عوامی رنگ حالی،

لوص فکر پر شک نہیں ہوتا کہ ان کا مقصود اول و
ہیں:

> اردو نعت نے ان ادوار میں عروج پایا جن میں مذہب کا غلبہ رہا۔ جب مسلمان دورِ ابتلا سے گزرے پچھلی ڈیڑھ صدی بالخصوص آخری پچاس پچپن سال جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی معاشرتی، معاشی، سیاسی، تہذیبی تباہی کے دور رہے ہیں۔ اسے چاہے فریاد کہیے، فکر و فلسفہ کہیے۔ رنگ خطابت کہیے۔ یہ سب میری نظر میں حالات کے خلاف احتجاج ہیں۔ اگرچہ ان بڑے شاعروں نے اس میں اثر پزیری کی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن ان کے تجربے ان کی ذات تک محدود رہے۔ دوسروں نے ان سے کم فائدے اُٹھائے... پچھلی ربع صدی میں پہلی بار احساس پیدا ہوا کہ نعت کو روایت کے شکنجے سے نکال کر درایت کی کسوٹی پر کسا جائے۔ اس شعبہ نے تنقید وتبصرے کے نئے باب کھولے۔

(پروفیسر شفقت رضوی، ''نعت رنگ'' کا تجزیاتی تنقیدی مطالعہ، مہر منیر اکادمی کراچی ۲۰۰۴ء)

جیسا کہ کتاب کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں اُردو صحافت میں نعت کا جائزہ لیتے ہوئے تیزی سے بلندیوں کو طے کرنے والے ''نعت رنگ'' کا خصوصی تفصیلاتی جائزہ لیا گیا ہے اس لحاظ سے ہم مدیر ''نعت رنگ'' سیّد صبیح رحمانی کے احساسات کا جائزہ بھی لینا چاہیں گے جن کا اظہار وہ ہر شمارے کے آغاز میں ابتدائیہ کے عنوان سے کرتے ہیں۔ صبیح رحمانی نے بلاشبہ تنقید نعت کے چراغ جلائے ہیں اور ہر قسم کے تعصّبات اور ادبی چشمک سے بالاتر رہنے کی کوشش کی ہے۔ ایک شمارہ کے ابتدائیہ میں کہتے ہیں۔

> ''نعت رنگ'' کے اجرا کے وقت ہم نے جن خواہشوں کا اظہار کیا تھا وہ کافی حد تک پوری ہو رہی ہیں۔ تنقیدی جمود خاصی حد تک ٹوٹ چکا ہے اور نعتیہ ادب میں بے لاگ تبصروں اور تنقیدی مباحث کی ایک ایسی فضا بن چکی ہے جس نے اہلِ علم کو نعت کے ادبی پہلوؤں کی جانب نہ صرف متوجہ کر دیا ہے بلکہ وہ اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کرنے اور لکھنے پر آمادہ ہو چکے ہیں۔ ''نعت رنگ'' میں لکھنے والے ناموں میں

اہلِ علم کا مسلسل اضافہ اور موضوعات کا تنوع ہمارے اس دعوے کی دلیل کے طور پر سامنے ہیں اور ہم اس کرم بے پایاں پر اپنے رب کے حضور سر بہ سجود ہیں۔ (ابتدائیہ سیّد صبیح رحمانی، مجلّہ ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۵، مئی، ۲۰۰۳ کراچی)

ایک اور ابتدائیہ میں صبیح رحمانی نعت کے فروغ و اشاعت پر فخر کا اظہار کرتے ہوئے ارباب فن کے سامنے یہ لمحۂ فکر یہ بھی پیش کرتے ہیں:

> کیا نعت نے خود کو ایک صنف ادب کے طور پر تسلیم کروالیا ہے۔ اس سوال کا جواب ہمیں انفرادی طور پر اثبات میں اور اجتماعی یعنی اداروں کی سطح پر نفی میں ملتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سرکاری سرپرستی پر کام کرنے والے ادبی ادارے گاہے بہ گاہے تمام ادبی اصناف کے معیاری انتخاب بھی مرتب کرتے ہیں اور ان کے حوالے سے مختلف موضوعات پر کانفرنسوں اور سیمینارز وغیرہ کا بھی اہتمام کرتے ہیں لیکن نہ ہی ان منتخبات میں کوئی نعتیہ انتخاب نظر آتا ہے اور نہ ہی کوئی کانفرنس نعت کے موضوع پر ہوئی ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ آیا نعت ابھی تک ادبی صنف کا درجہ حاصل نہیں کرسکی یا پھر ان اداروں کے بالانشینوں میں اس صنف کا کوئی حقیقی نمائندہ ہی موجود نہیں۔
>
> (ابتدائیہ، سیّد صبیح رحمانی، مجلّہ ''نعت رنگ'' نمبر ۱۱، مارچ، ۲۰۰۱، کراچی)

ہم نے نعت پر تنقید و تبصرے کے حوالے سے مختلف مشاہیر کی آرا بھی پیش کیں اور یہ بھی بیان کیا کہ اصحابِ نقد و نظر نعت گوؤں سے کیا کیا توقعات وابستہ کیے ہوئے ہیں اور نعت کو نقد و نظر کے پیمانے سے گزار کر کس مقام و مرتبہ پر فائز کرنا چاہتے ہیں۔ نعت پر اظہارِ خیال کرنے کی ایک طویل فہرست ہے جو صدیوں کے تواتر سے اپنے موثر جاندار اور صداقت آمیز رویوں کا احساس دلا رہی ہے ہم نے اگر اصحاب تحقیق و تنقید کی آرا اور ان کی ناقدانہ بصیرت پر اپنی تمام تر توجہ مرکوز رکھی تو زندگی کی شام ہو جائے گی مگر ہمیں اپنے موضوع کا دوسرا کنارا نظر نہیں آئے گا۔

کیوں کہ علی اصغر عباس کے لفظوں میں:

کا تنوع ہمارے اس دعوے کی
بے پایاں پر اپنے رب کے حضور
نعت رنگ'' شمارہ ۱۵، مئی، ۲۰۰۳ کراچی)
ت پر فخر کا اظہار کرتے ہوئے ارباب فن کے

کے طور پر تسلیم کروالیا ہے۔ اس
ت میں اور اجتماعی یعنی اداروں
کہ سرکاری سرپرستی پر کام کرنے
مام ادبی اصناف کے معیاری
کے حوالے سے مختلف موضوعات
تمام کرتے ہیں لیکن نہ ہی ان
ہے اور نہ ہی کوئی کانفرنس نعت
ی ہیں؟ آیا نعت ابھی تک ادبی
ن اداروں کے بالانشینوں میں
ہیں۔

ت رنگ'' نمبر ۱۱، مارچ، ۲۰۰۱، کراچی)
اہیر کی آرا بھی پیش کیں اور یہ بھی بیان کیا کہ
کیے ہوئے ہیں اور نعت کو نقد و نظر کے پیمانے
پر اظہارِ خیال کرنے کی ایک طویل فہرست ہے
آمیز رویوں کا احساس دلا رہی ہے ہم نے اگر
اپنی تمام تر توجہ مرکوز رکھی تو زندگی کی شام ہو
ئے گا۔

متاعِ زیست کے سارے ہی باب آپ کے ہیں
ازل سے لکھے ہیں جو بھی نصاب آپ کے ہیں
یہ وقت آپ کے اعجاز کی گواہی ہے
یہ ساری صدیاں زمانے جناب آپ کے ہیں
شعورِ زیست ہے بس آپ کے غلاموں کو
تمام ذرے بنے آفتاب آپ کے ہیں
لبوں پہ نام محمد کا ورد جاری ہے
درونِ خانہ یہ مکشوف باب آپ کے نہیں

یا پھر مختار کاشف کی صدائے بازگشت سنیئے:

جو گل نہ ہوں گے کبھی آخری نبی کے چراغ
وہ دونوں سیرت و قرآں ہیں روشنی کے چراغ
نظر کے گوشے چمکتے کہاں ہیں ان کے بغیر
رہیں فروزاں دبستان ہاشمی کے چراغ
یہ سارے عکس اسی پیکر ضیا کے ہیں
رکھے ہیں بام خرد پر جو روشنی کے چراغ

غرض عہدِ حاضر کے اس سلسلہ تنقید نعت کو یہیں پہ چھوڑ کر ہم ماضی سے حال کی طرف بڑھتے ہیں کہ دیکھ سکیں کہ تنقیدِ نعت کا شہرہ آج ہی ہوا ہے یا یہ مدتوں پہلے بھی تھا تنقید ہے کیا؟ کسی بھی شعر یا قول کو فکر اور صداقت کی میزان پر تولنا اور یہ دیکھنا کہ اس میں کہاں تک سچائی ہے اور کہاں تک مبالغہ آرائی غلو اور ریاکاری سے کام لیا گیا ہے۔ اس حوالے سے دیکھیں تو تنقید کے خوب صورت اور دلآویز سلسلے کی بنیاد تو اسی وقت رکھ دی گئی تھی جب شاعر دربارِ رسالت ﷺ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدد نعتیں بارگاہِ رسول ﷺ میں پیش کرنے کے بعد کہا تھا:

مَا اِنْ مَدَحتُ مُحَمَّدا بِمَقَالَتِیُ
وَلکن مَدَحت مقالتی بمحمدا

(یعنی ہم اس لیے نعت نہیں کہتے کہ اس کے ذریعہ ہم فخر و مباہات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری نعتوں میں محمد ﷺ کا نام آرہا۔ بلکہ ہم نعت فقط اس لیے کہتے ہیں کہ اسمِ محمد ﷺ کی بدولت ہماری نعت کی قدر و منزلت میں اضافہ ہو جائے گا۔)

گویا اس ایک نعتیہ شعر میں حضرت حسان بن ثابتؓ نے تنقیدِ نعت کی خوش گوار اضافہ کی بنیاد رکھ دی اور ہمیں باور کرایا:

الف نعت اپنے نام و نمود کی خاطر نہیں کہنی چاہیے۔

ب نعت وہی نعت ہے جو فقط ''ورفعنا لک ذکرک'' کے عمل اور روحانی تقاضوں کو مدنظر رکھ کر کہی جائے۔

ج نعت رسول ﷺ میں عجز و انکسار سے کام چلتا ہے۔ یہاں شاعرانہ تعلّی یا مبالغہ آرائی کی کوئی گنجائش نہیں۔

یہ شعر بذات خود اس قدر معانی پرور ہے کہ نعت گو ایک ایک قدم سوچ سمجھ کر اُٹھاتا ہے کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے اور وہ توصیف کے پردے میں دانستہ یا نادانستہ طور تنقیص کا مرتکب نہ ہو جائے۔

ہمارے آقا و مولا حضور ﷺ افصح العرب تھے بلکہ افصح الفصحاء تھے۔آپ شاعر نہیں تھے مگر شاعری کے تقاضوں کو اس قدر سمجھتے تھے کہ جان کر حیرت ہوتی ہے۔

حضرت حسانؓ بن ثابت کی نعت گوئی کی بلندیوں سے کس کو انکار ہوسکتا ہے۔آپ کا یہ شرف بھلا کم ہے کہ اپنے آقا و مولا ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر نعت سنائی۔آپ کی کس کس ادا کا ذکر کیا جائے۔آپ کے شہرۂ آفاق اشعار زبان زدِعام ہیں:

و احسن منک لم ترقط عینی و اجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرا من کل عیب کانک قد خلقت کما تشاء

(یا رسول ﷺ آپ سے زیادہ حسین میری نگاہوں نے نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ حسین و جمیل ہستی کو کسی ماں نے جنم دیا ہی نہیں۔ خدا

س کے ذریعہ ہم فخر و مباہات کا
یں محمد ﷺ کا نام آرہا۔ بلکہ ہم
ﷺ کی بدولت ہماری نعت کی

نے تنقیدِ نعت کی خوش گوار اضافہ کی بنیاد رکھ دی

ک'' کے عمل اور روحانی تقاضوں کو مدنظر رکھ

ہے۔ یہاں شاعرانہ تعلّی یا مبالغہ آرائی کی کوئی

ایک قدم سوچ سمجھ کر اُٹھاتا ہے کہیں ایسا نہ ہو
میں دانستہ یا نادانستہ طور تنقیص کا مرتکب نہ ہو

صحاء تھے۔ آپ شاعر نہیں تھے مگر شاعری کے

س کو انکار ہوسکتا ہے۔ آپ کا یہ شرف بھلا کم
ﷺ کے سامنے کھڑے ہوکر نعت سنائی۔ آپ کی
بانِ زدِ عام ہیں:

و اجمل منک لم تلد النساء
کانک قد خلقت کما تشاء

ری نگاہوں نے نہیں دیکھا اور
ں ماں نے جنم دیا ہی نہیں۔ خدا

نے آپ کو ہر عیب سے پاک تخلیق کیا۔ یوں لگتا ہے کہ ربّ کریم نے آپ کو (صورت و سیرت کے لحاظ سے) آپ کی اپنی مرضی کے مطابق بنایا ہو)

اس نعت شریف پر آپ کو کیا کیا انعامات اور دعائیں عطا ہوئیں ذہن ان کی بلندیوں کے تصور سے بھی قاصر ہے۔ لیکن جب سرکار دو عالم ﷺ نے شعری راہنمائی فرمائی تو نہایت موزوں اور احسن طریق سے ان کی راہنمائی فرمادی۔ حضور ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو قریش مکہ نے جن کو اپنی شاعری پر بڑا ناز تھا اپنے شعروں میں آپ کی توہین کر کے مجمع عام میں بازار گرم کرنا شروع کردیا۔ حضور ﷺ کی طبع نازک پر گراں گزرا اور آپ نے مدینہ کے مسلم شعرا کو قریش کی ہجو کرنے کا حکم دیا اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ قریش کی ہجو کرو کہ قریش کو نیزوں کی بوچھاڑ سے زیادہ ہجو ناگوار ہے۔ آپ نے کئی شاعر طلب فرمائے۔ پھر حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ثابت بلائے گئے انھوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اب وقت آگیا ہے کہ آپ نے اس شیر کو بلا بھیجا جو اپنی دم مارتا ہے (یعنی زبان سے قتل کرتا ہے۔ گویا میں میدان فصاحت اور شعر گوئی کا شہر ہوں) پھر اپنی زبان اِدھر اُدھر گھمائی اور عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول برحق بنا کے بھیجا۔ میں کافروں کو اپنی زبان سے پھاڑ ڈالوں گا جیسے چمڑے کو پھاڑ ڈالتے ہیں۔ آقائے دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ اے حسان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جلدی مت کرو۔ (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قریش کے نسب کو بخوبی جانتے ہیں تم ان کے پاس جاؤ وہ میرا نسب دیگر قریش کے نسب سے الگ کردیں گے۔ چناں چہ حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور واپس آکر عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ انھوں نے آپ کا نسب بیان کردیا ہے۔ لیکن خدا کی قسم آپ کو اُن (قریش) میں سے ایسے نکال دوں گا جس طرح گوندھے ہوئے آٹے میں سے بال کھینچ لیا جاتا ہے۔ رسول محترم ﷺ نے فرمایا جب تک خدا اور رسول کی طرف سے مدافعت کرتے رہوگے، جبرائیل (علیہ السلام) تمھاری مدد کرتے رہیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں (حسانؓ کے شعر سن کر) آپ فرما رہے تھے۔

''حسان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کافروں کی ہجو کر کے مسلمانوں کے دلوں کو تسکین دی اور خود بھی تسکین پائی۔'' (مسلم شریف)

مذکورہ بالا حدیث واضح کرتی ہے کہ نعت گوئی کے لیے صرف انشا و عروض سے واقفیت یا قادرالکلامی پر انحصار نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لیے حضور اکرم ﷺ کے فضائل، اُسوۂ حسنہ، صورت و سیرت اور ذاتِ اقدس سے تعلق رکھنے والے دیگر علوم و اوصاف سے بہرہ وری بھی ضروری ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ ہی کے نابغہء روزگار نعت گو حضرت کعب بن زُہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی تاریخ نعت کا اعزاز ہے۔ وہ زمانہ جاہلیت میں اسلام کے خلاف منظومات لکھتے۔ ہجو لکھتے اور کفار سے خوب داد پاتے جب اسلام کا پرچم لہراتا ہوا چاروں طرف پھیل گیا تو یہ معافی کی غرض سے حاضرِ دربار رسالت مآب ﷺ ہوئے۔ اس موقع کے لیے انھوں نے خوشنودیٔ محبوب دو عالم ﷺ کی خاطر مشہور زمانہ قصیدہ بانت سعاد لکھ رکھا تھا جسے انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کردیا۔ قصیدہ پڑھتے پڑھتے جب وہ اس شعر پر پہنچے۔

ان الرسول لسیف لسیضا بہ
مھند من سیوف الھند مسلول

حضرت کعب بن زہیر عرب کے یگانہ روزگار شاعر تھے۔ ان کے اس شعر کا ترجمہ یوں تھا۔

''رسول اللہ ﷺ وہ نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور وہ بے نیام ہندی تلواروں کی طرح تیز اور فیصلہ کن ہیں۔'' حضرت کعب عرب جاہلیت کے ممتاز شاعر تھے۔ ان کے والد زہیر بن ابی سلمی کا شمار خود نامور شاعروں میں ہوتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے کعب کے جاہلی ادب کے دور میں اس کے خون کو مباح قرار دے دیا تھا۔ کعب نے مدینہ منورہ آ کر معافی اور امان طلب کی تو پیکر عفو و درگزر نے معاف فرما دیا۔ یہی وہ حسین موقع تھا جب کعب بن زہیر نے ''قصیدہ بانت سعادؔ'' سنایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑے ذوق اور محویت کے ساتھ قصیدہ سماعت فرما رہے تھے۔ جب وہ مذکورہ بالا شعر تک پہنچے تو آپ نے اس شعر کے دوسرے مصرعے کی اصلاح فرمائی ''سیوف الہند'' کی جگہ ''سیوف اللہ'' لگانے کو کہا۔ اس ایک لفظی اصلاح سے شعر کے معانی ہی بدل گئے۔ شاعر و شعر دونوں کو ہی ابدی مقام حاصل ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر خطہ، ملک، براعظم اور ہر دور کے لیے راہنمائی کا پیغام

کے مسلمانوں کے دلوں کو تسکین دی اور خود

رف انشا و عروض سے واقفیت یا قادرالکلامی پر
کے فضائل، اُسوۂ حسنہ، صورت و سیرت اور
سے بہرہ وری بھی ضروری ہے۔
کے نابغہء روزگار نعت گو حضرت کعب بن زُہیر
ہے۔ وہ زمانہ جاہلیت میں اسلام کے خلاف
ب اسلام کا پرچم لہراتا ہوا چاروں طرف پھیل
ب ﷺ ہوئے۔ اس موقع کے لیے انھوں نے
بانت سعاد لکھ رکھا تھا جسے انھوں نے حضور علیہ
پڑھتے جب وہ اس شعر پر پہنچے۔

لسیضا به
هند مسلول

۔ان کے اس شعر کا ترجمہ یوں تھا۔
اتی ہے اور وہ بے نیام ہندی تلواروں کی طرح
ممتاز شاعر تھے۔ ان کے والد زہیر بن ابی سلمی
نے کعب کے جاہلی ادب کے دور میں اس کے
ر معافی اور امان طلب کی تو پیکرِ عفو و درگزر نے
ہیر نے ''قصیدہ بانت سعادُ'' سنایا۔ حضور علیہ
ماعت فرما رہے تھے۔ جب وہ مذکورہ بالا شعر
اصلاح فرمائی ''سیوف الہند'' کی جگہ ''سیوف
انی ہی بدل گئے۔ شاعر و شعر دونوں کو ہی ابدی
ب، برِاعظم اور ہر دور کے لیے راہنمائی کا پیغام

لائے تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارہ پاتے ہی اس شعر کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اصلاح کے ساتھ دہرایا۔

یعنی ''رسول اللہ ﷺ وہ نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ آپ اللہ کی تلواروں میں سے ایک کھنچی ہوئی تلوار ہیں۔ اس قصیدہ کے ۵۸ اشعار میں سے ایک شعر نعت کا ہے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہِ کرم کی بدولت یہ قصیدہ اس عہد کی قصیدہ نگاری کی مستند ترین مثال بن گیا۔ سرکار عالی مرتبت ﷺ نے خوش ہو کر اپنے دوش مبارک سے اپنی دھاری دار چادر اتاری اور جناب کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انعام میں عطا کر دی اس طور اس قصیدہ کا دوسرا نام قصیدہ بردہ شریف مشہور ہوا سچ ہے:

تری نگاہ جسے آشنائے راز کرے
وہ بندہ اپنے مقدر پہ کیوں نہ ناز کرے

چھوٹے چھوٹے شعرا تنقید سے بدکتے اور اپنی توہین سمجھتے ہیں جب کہ بڑے لوگ تنقید کے ہر جملے کو موتی سمجھ کر قبول کرتے ہیں تنقید کو قبول کرنے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ اپنے سے بڑے کی بڑائی کو تسلیم کرنا۔ حالاں کہ وہ بڑائی کا پہلو نہ بھی اختیار کر رہا ہو تو بھی اس کی عظمت وفضیلت کے آگے سر جھکا دینا۔ امام احمد رضا کا قصیدہ معراج کئی حوالوں سے قصائد میں اپنی مثال آپ، جدت طبع، وسعت مضامین، آداب شریعت کی پاسداری، شعریت کے حسن نے اسے غضب کی لطافت و پاکیزگی عطا کر دی ہے۔ عظیم شاعر محسنؔ کاکوروی جہاں شعر و ادب میں بلند مقام رکھتے تھے وہاں وہ امام احمد رضا خاں کی علمی فضیلت کے دل و جان سے قائل تھے۔ کئی بار حاضر ہوتے اشعار سناتے اور سنتے وہ احمد رضا خاں محدث بریلوی سے روحانی نیازمندی بھی رکھتے تھے۔ ایک بار وہ محدث بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے مشہور قصیدہ:

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

کی دھوم مچی تھی۔ محدث بریلوی کو سنانے اور داد پانے کے لیے بریلی شریف چلے آئے اور قصیدہ سنانا چاہا تو وقفے میں احمد رضا خاں نے اپنا معراجیہ قصیدہ لکھ لیا:

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

ادھر سے پیہم تقاضے آنا ادھر سے مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے

محسن کاکوری اپنا قصیدہ سنانے بریلی پہنچے تو دونوں بزرگوں کے درمیان طے ہوا کہ محسن کاکوروی کا پورا قصیدہ عصر کی نماز کے بعد سنا جائے گا۔ نماز عصر کے بعد جب دونوں بزرگ جمع ہوئے تو مولانا نے محسن کاکوروی سے فرمایا کہ پہلے آپ میرا قصیدہ سنیے۔ محسن کاکوروی نے جب مولانا کا قصیدہ سنا تو اپنا قصیدہ لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا اور کہا۔ ''مولانا آپ کے قصیدے کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا۔ یہ قصیدہ ہے کہ عشق و عقیدت حضور ﷺ کی بہار اُتری ہوئی ہے۔''

اس کا یہ مطلب نہیں کہ محسن کاکوروی کا قصیدہ کم حیثیت کا حامل تھا۔ یہ عظیم شاعر کی طرف سے اپنے سے بڑے شاعر کو خراجِ تحسین تھا۔ ورنہ آج کل کے اصاغر تو اکابر کے منہ آتے ہیں اور اگر کوئی بڑی شخصیت انھیں پیار سے کچھ سمجھا دے تو عمل کرنا تو دور کی بات سننے کے روادار بھی نہیں ہوتے۔ اس طرح تنقید کا قافلہ کیسے آگے بڑھے گا جب ہر شاعر کے لبوں پر انا ولاغیری کا نعرہ ہوگا اور وہ مناسب تنقید کے جواب میں اپنے بزرگوں اور اکابر کی شاعری کے پرخچے اڑانے پر تل جائے گا۔ تنقید نگار جہاں حوصلے اور حمیت سے لکھتا ہے وہاں جس کے بارے میں لکھ رہا ہے اس میں بھی تحمل، بردباری اور قوتِ برداشت کا جذبہ ہونا چاہیے۔

اسی طرح مولانا احمد رضا خاں کے زمانے میں اطہر ہاپوڑی معروف شاعر تھے جو کبھی تو اپنا کلام سنانے کے لیے خود آجاتے اور کبھی ڈاک سے بھیج دیتے۔ نہایت بلند پایہ شاعر تھے۔ انھوں نے ایک مرتبہ ایک نعت لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیجی جس کا مطلع تھا:

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

مولانا احمد رضا خان نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ دوسرا مصرعہ مقامِ نبوت کے لائق نہیں ہے۔ آپ نے قلم برداشتہ اصلاح فرمائی:

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرشِ معلیٰ کے سامنے

سے مشکل قدم بڑھانا
ں و رحمت ابھارتے تھے

وں کے درمیان طے ہوا کہ محسن کاکوروی کا پورا
عد جب دونوں بزرگ جمع ہوئے تو مولانا نے
سن کاکوروی نے جب مولانا کا قصیدہ سنا تو اپنا
ا آپ کے قصیدے کے بعد میں اپنا قصیدہ
ں بہار اُتری ہوئی ہے۔''

ک کا حامل تھا۔ یہ عظیم شاعر کی طرف سے اپنے
ساغر تو اکابر کے منھ آتے ہیں اور اگر کوئی بڑی
کی بات سننے کے روادار بھی نہیں ہوتے۔ اس
کے لبوں پر انا ولاغیری کا نعرہ ہوگا اور وہ
ں شاعری کے پرخچے اڑانے پر تل جائے گا۔
ں کے بارے میں لکھ رہا ہے اس میں بھی تحمل،

ری معروف شاعر تھے جو کبھی تو اپنا کلام سنانے
یت بلند پایہ شاعر تھے۔ انھوں نے ایک مرتبہ

ِ والا کے سامنے
و لیلیٰ کے سامنے

ہ دوسرا مصرعہ مقامِ نبوت کے لائق نہیں ہے۔

ِ والا کے سامنے
معلی کے سامنے

فاضل بریلوی کی اس اصلاح سے اطہر ہاپوڑی کی نعت کی مضمون آفرینی اور حقیقت تخیل کو چار چاند لگ گئے۔

عصرِ حاضر کے نعت گوؤں کی ضیافتِ فکر کے لیے ایک اور مثال پیشِ نظر ہے ایک صاحب نے مولانا احمد رضا خاں کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اپنے اشعار سنانے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا میں اپنے چھوٹے بھائی حسن میاں (حسن رضا خان شاگرد داغ) یا حضرت کافی مرادآبادی کا کلام سنتا ہوں۔ اس لیے کہ ان کا کلام میزانِ شریعت پر تلا ہوا ہوتا ہے۔ پھر ان صاحب کے اصرار پر آپ نے نعت سنانے کی اجازت عطا کردی۔ ان کا ایک مصرع یوں تھا:

شانِ یوسف جو گھٹی ہے تو اسی در سے گھٹی

آپ نے فوراً اس شاعر کو ٹوک دیا اور فرمایا:

حضور اکرم ﷺ کسی نبی کی شان کو گھٹانے کے لیے نہیں بلکہ انبیائے کرام علیہم السلام کی شان و شوکت کو سربلند سے سربلند کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ مصرع یوں بدل دیا جائے:

شانِ یوسف جو بڑھی ہے تو اسی در سے بڑھی

وہ کیسا عظیم دور تھا کہ نہ اصلاح و تنقید فرمانے والے کو کوئی خوف تھا اور نہ اصلاح کروانے والے کے دل میں غم و غصہ تھا۔ دونوں اپنی جگہ شاداں و فرحاں تھے۔ مگر زمانے نے ایک کروٹ بدلی تو ایک ایک شاعر کے درجنوں شعری مجموعے آنے لگے۔ نہ کسی استاد کو سنانے کی خواہش، نہ تنقید کا خوف۔ اگر کوئی کسر رہ جائے گی تو اپنی شان میں تعارفی تقریب کا انعقاد کرکے پوری کرلیں گے اور اس میں وہی ناقدین مدعو کیے جائیں گے جن کے متعلق سو فی صد یقین ہوگا کہ وہ صرف خوبیاں ہی بیان کریں گے بلکہ شاعر موصوف کو بھی علم نہیں جن خوبیوں کا وہ سراغ لگائیں گے۔ اس دورِ ناپرساں میں وہ ناقدین لائقِ صد تحسین ہیں کہ ستائش کی تمنا اور صلے کی ہوس سے بے نیاز ہوکر اپنا کام کیے جارہے ہیں۔

غرض اس طرح کی درجنوں مثالیں ہیں جو شعر و ادب کی دنیا سے نکل کر ہمیں متاثر کررہی ہیں۔ کہیں تو شعرائے کرام نے تنقید کو خوش دلی سے برداشت کرلیا اور تنقید کرنے والے کے خلوصِ نیت کو دیکھ کر خوشنودئ رسول ﷺ کا راستہ تجویز کرلیا۔ نعت تقاضا کرتی ہے کہ جہاں نعت کے مصرعوں، اشعار یا

معانی میں ذومعنویت پیدا ہو جائے یا کئی معانی پیدا ہوں تو ایسے شعر کو چھوڑ دینا چاہیے۔ نعت کا شعر وہی برحق ہے جس کے معانی اوّل و آخر یا جس کی تراکیب اول و آخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اشار کر رہی ہوں اور معنوں کی سچائی کسی صورت بھی متاثر نہ ہوتی ہو۔ مضمون غلو سے پاک ہو۔
آج سے پچیس سال پہلے جناب راجا رشید محمود صاحب حضور داتا گنج بخش لاہور کے قریب واقع ایک ہائی اسکول میں ماہانہ مشاعرہ کروایا کرتے تھے اب وہ اسکول حضور داتا علیہ الرحمۃ کی نورانی عمارت کا حصہ بن چکا ہے۔ اس تقریب میں، میں (محمد اکرم رضا) مہمانِ خصوصی تھا جب کہ کراچی کے ریاض الدین سہروردی اس مشاعرہ کے صدر تھے۔ میری نعت کا مقطع تھا:

سلگتے جسم پہ میرے گلوں کے سائے ہیں
یہ کہہ رہا ہے میرا دل حضور آئے ہیں

صدر مشاعرہ حضرت ریاض الدین سہروردی نے چپکے سے میرے کان میں کہا، ''سوچ سمجھ کر جواب دیجیے کیا واقعی اس وقت حضور ﷺ آپ کے پاس تشریف فرما ہیں؟'' میں کیا جواب دیتا۔ احساس ندامت سے پانی پانی ہوگیا وہ بار بار داد دیتے رہے میں مطلع کو دُہراتا رہا۔ اچانک سرکار ﷺ کے کرم نے یاوری کی اور میں نے بے ساختہ کہہ دیا:

سلگتے جسم پہ میرے گلوں کے سائے ہیں
حضور جب سے تصور میں میرے آئے ہیں

حضرت ریاض سہروردی نے فوراً ہی سبحان اللہ کہتے ہوئے مری پیشانی چوم لی اور فرمانے لگے کہ اب مضمون ٹھیک ہے کیوں کہ مومن کے دل کے تصورات میں سرکار دوعالم ﷺ ہمیشہ ہی ہوتے ہیں۔ لیکن حضور کا ''بوُجُودِہٖ'' موجود ہونا محلِ نظر ہے۔ یہ نعت پہلے والے مصرع کے ساتھ پہلے شائع ہو چکی تھی۔ بڑے بڑے ثقہ دوستوں نے کہا کہ پہلے والا مطلع زور دار ہے۔ میں نے عرض کیا بات زور کی نہیں بلکہ مضمون آفرینی میں غلو سے باز رہنے کی ہے۔ یہ نعت دونوں طرح چھپتی رہی۔ مگر میں نے خود جب بھی چھپوائی ترمیم شدہ مطلع کے ساتھ چھپوائی کہ میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کا کس طرح اتنے زورشور سے دعویٰ کر سکتا ہوں۔ جب نعت خوشنودئ حضور ﷺ کے لیے ہے تو پھر اس میں ذومعنویت کیوں ہو۔ واہ واہ کے جوش میں عاقبت کا بچانا ہی مشکل ہو جائے اس وقت سے لے کر

ں تو ایسے شعر کو چھوڑ دینا چاہیے۔ نعت کا شعر
ا کیب اول و آخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی
ی متاثر نہ ہوتی ہو۔ مضمون غلو سے پاک ہو۔
حضور داتا گنج بخش لاہور کے قریب واقع ایک
ل حضور داتا علیہ الرحمۃ کی نورانی عمارت کا حصہ
انِ خصوصی تھا جب کہ کراچی کے ریاض الدین
تھا:

ں کے سائے ہیں
حضور آئے ہیں

سے میرے کان میں کہا، ''سوچ سمجھ کر جواب
یف فرما ہیں؟'' میں کیا جواب دیتا۔ احساس
ں مطلع کو دُہراتا رہا۔ اچانک سرکار ﷺ کے کرم

ں کے سائے ہیں
ں میرے آئے ہیں

ئے مری پیشانی چوم لی اور فرمانے لگے کہ اب
ں میں سرکار دوعالم ﷺ ہمیشہ ہی ہوتے ہیں۔
نعت پہلے والے مصرع کے ساتھ پہلے شائع
والا مطلع زور دار ہے۔ میں نے عرض کیا بات
ہے۔ یہ نعت دونوں طرح چھپتی رہی۔ مگر میں
ائی کہ میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کا کس
وشنودیٔ حضور ﷺ کے لیے ہے تو پھر اس میں
چانا ہی مشکل ہو جائے اس وقت سے لے کر

میں تنقیدِ نعت کے بارے میں کسی قسم کی پریشانی سے بے نیاز ہو گیا ہوں۔ جب خدا کے محبوب کی رضا ڈھونڈنی ہے تو دنیا والوں سے کیا حجاب اور کیا خوف؟

اسی دوران میں نے اخباری سطح پر ایک مشہور شاعر کی نعت کا مطلع پڑھا تو حیران رہ گیا۔ مطلع یوں تھا:

پرندے راستہ بھولے ہوئے ہیں
مرے مولا یہ کیا بھولے ہوئے ہیں

سب نعت گو اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ نعت اسے کہتے ہیں جس کا شعر محمدیت یا سرکارِ دوعالم ﷺ سے متعلقات کی طرف اشارا کر رہا ہوں۔ یہ شعر غزل میں خوب خوب سج رہا ہے۔ اگر شاعر ہی اپنے ہمنواؤں کے ساتھ مصر ہو جائے کہ یہ نعت کا مطلع اور راستہ بھولے ہوئے پرندوں سے میری مراد بھٹکے ہوئے مسلمان ہیں تو پھر ہم کیا عرض کر سکتے ہیں۔ یہاں مطلع تو خاموش مگر شاعر اس کی تشریح کر رہا ہے۔ اسے تنقید کہیے یا فہمائش کیا نعت یوں ہوتی ہے، نعت تو یوں واشگاف انداز سے وجود کا اعلان کرتی ہے۔

لب پہ ورق ورق کے درود و سلام ہے — لاریب لفظ لفظ خدا کا کلام ہے
ہر سمت ہے مجاہد سرکار کی دھنک — قرآن ایک نعتِ مسلسل کا نام ہے

اس دوران میں ہمارے بعض انتہائی محترم اصحاب نے اس رائے کا اظہار کر دیا کہ غزل کے جن اشعار میں عقیدت کا اظہار نظر آتا ہے وہ اشعار نعت کے لگتے ہیں۔ اس مقصد کی خاطر اس شعر کے خلوصِ فکر، اور عقیدت مندانہ اظہار کو اس کی بنیاد بنا گیا ہے۔

اس میں ڈاکٹر ابوالخیر کشفی مرحوم نے کئی مثالیں دیں مثلاً:

ہوائیں ماری ماری پھر رہی ہیں
ترا نقشِ کفِ پا ڈھونڈنے کو

شاعر بے چارہ تو اپنے محبوب کی تلاش میں ہواؤں کو وسیلہ اظہار بنا رہا ہے مگر ہم اس کی تلاش کا رخ گنبدِ خضریٰ کی جانب موڑ رہے ہیں شاعر نے اس کے نعتیہ شعر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا مگر کس مقصد کے حصول کے لیے اس کی غزل کو پاکیزگیٔ فکر کی علامت قرار دے رہے ہیں۔ اسی طرح غالبؔ نے کہا ہے

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

غالبؔ تو اپنے محبوب کی محبت میں صحرا نوردی کر رہا ہے مگر ہم اس صحرانوردی کو بھی تلاش کوچۂ رسول ﷺ کی جانب لے جا رہے ہیں اور غالب کی فکر سے غلط روشنی لے کر ہم مجازی محبوب کے نقوش قدم کو جنت سے تعبیر کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں احمد صغیر صدیقی کا مضمون غزل میں نعت کی جلوہ گری روشنی کی علامت ہے۔ احمد صغیر صدیقی لکھتے ہیں:

> جناب کشفی نے غالب کا ایک شعر لکھا ہے جو غالب نے تجمل حسین خاں کے لیے اپنی مدحیہ غزل میں کہا تھا۔ یہ جاننے کے بعد کے شاعر نے اسے ایک عام آدمی کی شان میں خوشامدانہ انداز میں پیش کیا تھا مجھ سے یہ جرات سرزد نہیں ہوسکتی کہ میں اسے رشک بشر، کی ذاتِ گرامی سے منسوب کروں۔ میں تو اسے غالب کی بدنصیبی کہوں گا کہ اس سے ایک اتنا اچھا (نعتیہ) شعر سرزد ہوا جسے اس نے بالکل غلط جگہ پیش کر کے بہت کچھ کھو دیا۔ یہ جیسا بھی ہو یہ تھا ایک عام آدمی کے لیے اور کسی صاحبِ علم کو اسے سیّد عالم ﷺ کی بارگاہِ عالم میں پیش کرنے سے دُور بھاگنا چاہیے۔ غالب تو تجمل حسین خاں سے انعام پانا چاہتا ہے۔
>
> بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے

(''نعت رنگ''۱۱ احمد صغیر صدیقی، غزل میں نعت کی جلوہ گری، ص۱۵۱)

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کے خیالات میں المیہ یہ ہے کہ شاعر خود بہانگ دہل اپنے اشعار کو غزل غزل کہہ کر پکار رہا ہے مگر یہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں کہ شاعر سادہ تھا، نادان تھا، اَن جان تھا۔ بہتر یہی تھا کہ فیصلہ اپنے قارئین پر چھوڑ دیتا کہ وہ اسے غزل سمجھیں یا نعت مگر جنھوں نے محبوبانِ مجازی کے تن من دھن وار رکھے ہوں وہ محبوب حقیقی کی طرف کیوں دیکھیں؟ اے کاش غالب اور اس نوعیت کے دوسرے شعرا نے غریب و خستہ حال بہادر شاہ ظفر اور اس دور کے نوابوں کے قصائد کہنے کے بجائے سلطان دو عالم ﷺ کے قصائد کہے ہوتے۔ اپنی غزلوں میں اعلانیہ نعت نگاری کی ہوتی تو شاید ان کے

دیکھتے ہیں
دیکھتے ہیں
ہے مگر ہم اس صحرانوردی کو بھی تلاش کوچۂ
سے غلط روشنی لے کر ہم مجازی محبوب کے نقوش
بر صدیقی کا مضمون غزل میں نعت کی جلوہ گری

ہے جو غالب نے تجمل حسین خاں
جاننے کے بعد کے شاعر نے
مدانہ انداز میں پیش کیا تھا مجھ
سے رشک بشر، کی ذاتِ گرامی
کی بدنصیبی کہوں گا کہ اس سے
ے اس نے بالکل غلط جگہ پیش
و یہ تھا ایک عام آدمی کے لیے
کی بارگاہِ عالم میں پیش کرنے
ں خاں سے انعام پانا چاہتا ہے۔
غاں کے لیے

ا احمد صغیر صدیقی، غزل میں نعت کی جلوہ گری، ص ۱۵۱)

خود بانگ دہل اپنے اشعار کو غزل غزل کہہ کر
ر سادہ تھا، نادان تھا، اَن جان تھا۔ بہتر یہی تھا
ہیں یا نعت مگر جنھوں نے محبوبانِ مجازی کے تن
دیکھیں؟ اے کاش غالب اور اس نوعیت کے
س دور کے نوابوں کے قصائد کہنے کے بجائے
میں اعلانیہ نعت نگاری کی ہوتی تو شاید ان کے

معاشی حالات میں حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو جاتا۔ ان سے اچھے تو مرزا انیس اور مرزا دبیر تھے جو لکھنؤ کے انتہائی دورِ انحطاط میں اہلِ بیت عظام اور شہدائے کربلا کی شان میں مرثیہ نگاری کرتے رہے۔ اگرچہ بہت سے انتہائی پسندیدہ اشعار پر نعت کا رنگ نظر آتا ہے مگر ہم ان کو کسی صورت بھی نعت کا شعر نہیں کہہ سکتے۔ البتہ جتنا بلند اور معیاری شعر ہوگا اتنا ہی شاعر کے مقدر پر رونا آئے گا اے محبوبانِ مجازی کی خاطر کائنات کے پاکیزہ ترین الفاظ استعمال کرنے والو کاش تم نے محبوب خدا ﷺ کی جمال آرائی کا تصور بھی کیا ہوتا۔

ہمیں بہر طور یہی مدنظر رکھنا چاہیے کہ ہمیں شاعر کے مفہوم سے غداری کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جو چیز شاعر کے تخیل کے کسی کونے کھدرے میں بھی نہیں ہم محض اپنی ادب شناسی کا نعرہ بلند کرنے کے لیے ان اشعار کو نعت سے منسوب کر رہے ہیں۔ یاد رکھیئے نعت غزل کے پیرائے اور قافیہ ردیف میں تو ہوتی ہے مگر غزل نہیں ہوتی کہ اس کا ایک آدھ شعر علاحدہ کر لیا جائے۔ نعت کسی بھی ہیئت میں ہو نظم مسلسل کی طرح ہوتی ہے۔ اس کا ہر شعر سرکارِ دو عالم ﷺ کی مدحت کا علمبردار ہوتا ہے۔ ہر شعر خود بولتا ہے کہ میں نعت ہوں۔ مجھے محبوب کائنات ﷺ سے نسبت ہے۔ میرا تعلق مدینہ منورہ مکہ مکرمہ وادیٔ قبا سے ہے۔ میں نے غارحرا میں اپنا وجود دیکھا ہے۔ مجھے غار ثور میں محبوب دو عالم ﷺ کی فدا کاری کا جذبہ ودیعت ہوا ہے میں نے طائف میں سرکارِ دو عالم ﷺ پر برسنے والے پتھروں سے رنگ لیا ہے۔ میں مدینہ طیبہ کے استقبالی نغموں کی صدائے بازگشت ہوں۔ میں حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذبوں کی امانت ہوں۔ زہیر نے عرفی، قدسی، جامی، رومی نے اپنی فکری تگ وتاز کے گلاب بخشے ہیں۔ میں نے احمد رضا خان، علامہ اقبال، امیر مینائی، محسن کاکوروی اور کرامت علی شہیدی اور غلام امام شہید کے خونِ جگر سے اپنا رنگ روپ نکھارا ہے۔ میں ماضی کا اسلامی جلال اور عہدِ حال کا فکری کمال ہوں۔ ملتِ اسلامیہ کا مستقبل مجھ سے ہی وابستہ ہے سن لو سن لو! میں نعت اور حمد و نعت ہوں۔ میرا ہر شعر ہر زاویہ ہر آہنگ اور ہر لہجہ مجھے رسولِ خدا ﷺ کی بارگاہ اور اس میں سعادت کے گل و لالہ پیش کرنے کی سعادت بخشتا ہے۔ غزل والوں کو ان کی دنیا آباد کرنے دو۔ ان کے مجاز و حسن سے میرے حقیقی حسن کو آلودہ نہ کرو۔ تم عالم و فاضل ہو، ادیب شہیر ہو، قرطاس و قلم کو تم پر ناز ہے یہ سب کچھ میرے آقا کی عطا ہے۔ کیا تم ان

لوگوں کو مجھ سے ملانے پر تلے ہوئے ہو جن کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے:

> شاعری کی پیروی گم راہ لوگ کرتے ہیں۔ یہ شاعر وادی میں برگشتہ پھرتے ہیں اور زبان سے وہ کہتے ہیں جس پر عمل نہیں کرتے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور صالح عمل کرتے ہیں اور اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ (سورۃ الشعراء: ۲۶، ۲۲۴ تا ۲۲۷)

تقاضائے محبت ہے انھی کی آرزو کرنا انھی کی گفتگو کرنا انھی کی جستجو کرنا
شہِ لولاک کی مدحت سرائی اک عبادت ہے مگر اس کے لیے لازم ہے اشکوں سے وضو کرنا

تنقیدی ادب میں نئی کاوشیں

بحمد اللہ! نعت کے قافلے کو منزل کی جانب بڑھتے ہوئے تنقید کی آوازیں تیزی اور شدت سے سنائی دے رہی ہیں ان کاوشوں کا مثبت ردِ عمل سامنے آیا ہے۔ وہ نازک مزاج شاعر جو نعت کے معاملہ میں تنقید کو گناہ سے تعبیر کرتے تھے یا اسے بے حد ناگوارِ خاطر سمجھتے تھے کہ بھلا نعت کی خوش گوار وادیوں میں دل کے دل خراش رویئے کا کیا کام؟ اس ضمن میں دوسرے نعتیہ جرائد کے ساتھ ساتھ ''نعت رنگ'' کا کردار سب سے جاندار ہے کہ اس کے شمارۂ اوّل میں تنقید نعت کا آغاز ہو گیا تھا۔ شروع شروع میں ردِ عمل سختی سے شروع ہوا۔ اور غالباً ''نعت رنگ'' کے مدیر کا بھی یہی مدعا تھا ایک بڑے گلیشیر کو اپنی جگہ سے ہٹانا تھا یا پگھلانا تھا۔ آہستہ آہستہ تنقیدی آوازیں قلم کاروں اور نعت نگاروں کے دلوں میں اترنے لگیں اور انھوں نے تسلیم کرنا شروع کر دیا کہ تنقید کوئی نئی چیز نہیں بلکہ صدیوں سے وہ رہ نوردانِ نعت کی راہنمائی کرتی رہی ہے۔ آغاز میں دونوں طرف سے بداعتدالیاں ہوئیں۔ کئی تنقید نگار تنقید کے قلم سے تیشے کا کام لے کر تنقیص پر اتر آئے تو جواب میں تنقید کا شکار بننے والوں نے سخت ردِ عمل کا مظاہرہ کیا جو کسی طور نعت نگاروں کی شایانِ شان نہیں تھا اور انھیں احساس ہونے لگا کہ یہ امر مستحسن تو عہدِ نبوی ﷺ کے دور سے مروّج رہا ہے۔ یہی کام کبھی ماہ نامہ ''شام و سحر'' اور کبھی ماہ نامہ ''نعت'' بھی انجام دیتے رہے ہیں۔ اس اعتدال کی فضا نے اپنے کام کر دکھایا اور مستقل تنقید نگاروں کا ایک گروہ ''نعت رنگ'' کو میسر آ گیا۔ اب یوں لگتا ہے کہ مزاجِ دہر اعتدال پر آ گیا ہے اور تنقید نگاروں کی فہرست میں نئے نئے نام سامنے آ رہے ہیں۔

کہتے ہیں، ''ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔'' جب نعتوں کے مجموعوں کی تعداد بڑھی تو تنقید نگاروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ پروفیسر شفقت رضوی نے ایک عرصہ قبل ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۰، مطبوعہ ۲۰۰۰ء میں تنقیدِ نعت کے میسر مجموعوں کو سامنے رکھ کر بڑا خوب صورت تنقیدی جائزہ پیش کیا تھا۔ آج کتبِ تنقید کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو چکا ہے۔ اس لیے ہم محترم پروفیسر شفقت رضوی کے کام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ تنقید کے لیے میسر آنے والی کتب کا ہم پہلے ہی تعارفی خاکہ پیش کر چکے ہیں اب ہم اسی کے مطابق ان کے کام کا جائزہ لے رہے ہیں۔ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ ہم نے نعتیہ انتخاب شامل نہیں کیے حالاں کہ ان میں سے بعض کے دیباچے اپنی جگہ مستقل حیثیت کے حامل تھے۔ یقیناً کئی کتب تنقید ہم سے رہ بھی گئی ہوں گی۔ اگر وہ میسر آئیں تو ہم ان پر الگ سے تبصرہ کر لیں گے۔ حسبِ فہرست ہم تنقیدِ نعت کے حوالے سے منتخب کتب کا تعارف کرواتے ہیں۔

''اردو کی نعتیہ شاعری'' از ڈاکٹر طلحہ رضوی برق

ڈاکٹر طلحہ رضوی کی یہ کتاب جنوری ۱۹۷۴ء میں اشاعت پزیر ہوئی۔ یہ کتاب صرف ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ مصنف کی تحریر کے مطابق تقریباً چھ سال ہوئے حضرت علامہ ارشد القادری صاحب مدظلہ نے اپنے رسالہ ''جام نور'' کے لیے مجھے اردو کی نعتیہ شاعری پر ایک مضمون لکھنے کے لیے کہا۔ تعمیلِ ارشاد میں بہ عجلت ایک سرسری مضمون لکھ کر روانہ کر دیا جو شائع بھی ہو گیا مگر اس مضمون کی تشنگی کا احساس برابر ہوتا رہا۔ فرصت ملی تو اس مضمون کو کچھ بسط دینے کی کوشش کی۔ جوں جوں لکھتا رہا اس قلزم ذخار اور بحرِ ناپیدا کنار کی وسعت کا اندازہ ہوا... اب یہ سرمایہ کتابی صورت میں پیش ناظرین ہے

(ڈاکٹر طلحہ رضوی برق: حوالہ مذکورہ)

پروفیسر شفقت رضوی لکھتے ہیں کہ کتاب کیا ہے ایک مضمون کی تفصیلی شکل ہے.. ڈاکٹر طلحہ رضوی کی شخصیت کو متعارف کروانے کی یا تو کوشش ہی نہیں کی گئی یا کم از کم میرے علم میں نہیں۔ میں اپنی اس کتاب کے ذریعہ پہچان پایا ہوں۔

پروفیسر صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں ''ڈاکٹر طلحہ رضوی برق'' اس کتاب کے ذریعہ محقق اور مبصر کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق عربی میں پہلا قصیدہ میمون بن قیس سے منسوب ہے اور عربی زبان کا شعری ادب نعتیہ شہ پاروں سے بھرا ہوا ہے۔ (ص ۷) انھوں نے مثنویوں کے بعد

معراج ناموں پر روشنی ڈالی ہے۔معراج نامہ کی مقبولیت نے اسے الگ سے ایک صنفی حیثیت عطا کردی ہے۔ یہاں تک کہ سیرت و اخلاقِ رسول ﷺ کے بیان میں نور نامے، مولود نامے اور وفات نامے نظم ہونے لگے (ص۳۴)

ڈاکٹر طلحہ رضوی برق نے دورِ جدید کی نعت گوئی کا احاطہ موجودہ صدی کے اوّل تک کیا ہے۔اس میں اختر شیرانی کی نعتوں کو ان کی عشقیہ شاعری سے زیادہ وقیع مانتے ہیں (ص۷۵) معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ عہدِ حاضر کے شعرا میں بھی عبدالعزیز خالد کی نعت گوئی بلکہ ان کی علمیت اور قوتِ اظہار سے زیادہ متاثر ہیں۔

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کہتے ہیں:

> اردو کی نعتیہ شاعری پر تنقیدی و تحقیقی حوالے سے اردو نعت کا یہ معتبر مطالعہ ہے اور اختصار کے ساتھ جامعیت رکھتا ہے۔

(اردو میں مطالعاتِ نعت: اوجِ نعت نمبر، جلد۲،ص۷۰۷)

حسبِ روایت نعتیہ کلام میں کبھی کبھی ایسے اشعار بھی آجاتے ہیں کہ ان کو نعت سے الگ کر کے پڑھا جائے تو وہ عام غزل کے معلوم ہوتے ہیں۔اگرچہ یہ عیب نہیں مگر احتیاط کا تقاضا ہے کہ ایسا نہ ہو تو اچھا ہے۔ ڈاکٹر طلحہ نے ان اشعار کو توصیف کے ساتھ جگہ دی ہے۔ یہ امر نعت کے شایان شانِ محسوس نہیں ہوتا۔اسی طرح نمونہ کلام میں ایسے اشعار توصیفی انداز میں نقل ہوئے ہیں جو اقدارِ اسلامی کے خلاف ہیں۔ ہر شعر کو بغیر احتساب کے تعریف کے لائق قرار دینا ایک بڑے شاعر تو کجا ایک عام شاعر کے شایانِ شان بھی نہیں۔ہم اس کتاب کو نعت کا انتہائی تفصیلی مطالعہ تو قرار نہیں دے سکتے۔ لیکن زیرِ تبصرہ کتاب کی اوّلیت کے پیشِ نظر اسے بلند مقام ضرور عطا کیا جاسکتا ہے۔

''اردو میں نعتیہ شاعری'' از پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کا مقالہ ۱۹۷۶ء میں کراچی سے طبع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب اسلامی اقدار پر کاربند شخصیت ہیں۔فارسی اور عربی پر گہرا عبور رکھتے ہیں جب کہ قرآن و حدیث بھی ان کے دائرۂ علم میں داخل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے دنیاوی تعلیم کے اداروں کے ساتھ ساتھ دینی علوم کے اداروں سے بھی بھرپور اکتسابِ فیض کیا۔ان کا مقالہ ۶۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔طویل فہرست مشمولات اور

ست نے اسے الگ سے ایک صنفی حیثیت عطا
کے بیان میں نور نامے، مولود نامے اور وفات

ہ موجودہ صدی کے اوّل تک کیا ہے۔اس میں
قیع مانتے ہیں (ص۵۷) معلوم ایسا ہوتا ہے
ت گوئی بلکہ ان کی علمیت اور قوتِ اظہار سے

والے سے اردو نعت کا یہ معتبر
ت رکھتا ہے۔

دو میں مطالعاتِ نعت: اوجِ نعت نمبر، جلد۲، ص۷۰۷)

آجاتے ہیں کہ ان کو نعت سے الگ کر کے
ہ یہ عیب نہیں مگر احتیاط کا تقاضا ہے کہ ایسا نہ ہو
اتھ جگہ دی ہے۔ یہ امر نعت کے شایان شانِ
صفی انداز میں نقل ہوئے ہیں جو اقدارِ اسلامی
لائق قرار دینا ایک بڑے شاعر تو کجا ایک عام
کا انتہائی تفصیلی مطالعہ تو قرار نہیں دے سکتے۔
ام ضرور عطا کیا جا سکتا ہے۔

فیسر ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق

سے طبع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب اسلامی اقدار پر
ں جب کہ قرآن و حدیث بھی ان کے دائرہ علم
داروں کے ساتھ ساتھ دینی علوم کے اداروں
ت پر مشتمل ہے۔ طویل فہرست مشمولات اور

اس موضوع پر پہلا مقالہ ہونے کی بنا پر اہلِ فکر کا موضوعِ سخن بن گیا۔ مقالہ کے بابِ اوّل میں بنیادی نوعیت کے مباحث ہیں جن میں تعریف شامل ہے۔اس کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل و محاسن بیان کیے گئے ہیں۔

مقالہ نگار نے نعت کی قسمیں کچھ اس طرح بیان کی ہیں:

رسمی نعت (ص۶۰)

مقصدی نعت (ص۶۰ تا ۶۴)

اصلاحی نعت (ص۶۴ تا ۶۵)

دوسرے باب کا عنوان ہے ''اردو شاعری کے مآخذ'' جس سے مقالہ نگار کی مراد عربی فارسی اور ہندی اثرات کو شاعری میں تلاش کرنا ہے۔ زمانۂ رسالت کے شاعروں میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا ذکر ذرا طوالت سے ہے۔ جو اشعار حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصالِ رسول ﷺ کے بعد کہے مقالہ نگار نے انھیں مرثیہ میں شامل کیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں:

> یہ قصائد تاریخ مدحِ رسول ﷺ میں نہایت اہم ہیں۔ وہ مرثیے جن میں حزن، ملال اور بکا کے مضامین پائے جاتے ہیں حقیقت میں ثنائے رسول ﷺ ہی میں داخل ہیں۔ اور عام مرثیوں سے اس طور مختلف ہیں کہ ان میں غمِ فراق کے اظہار کے ساتھ ساتھ ''لقاء رسول فی الخلد'' کی تمنا پائی جاتی ہے۔ (ص۷۳)

فارسی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے مقالہ نگار نے نعتیہ شاعری کو عہدِ سلمانی سے منسوب کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں وضاحت کی ہے:

> فارس کے جن نعت گو شعرا کا ذکر کیا گیا (اوپر بہت سے نام گنوائے گئے ہیں) ان کا کلام ہندوستان میں فارسی نصاب کا ہمیشہ جزو بنا رہا۔ اور فارسی کا ہندوستان میں جو مقام رہا ہے وہ بھی ظاہر ہے یہی وجہ ہے کہ فارسی ادب کے اثرات اردو ادب پر نہایت گہرے ہیں۔ نعتیہ شاعری اس سے مستثنیٰ نہیں۔ (ص۹۰)

اس باب میں مقالہ نگار نے محسن کاکوروی کے قصیدہ لامیہ کے ہندوانہ اور ہندو مزاج کی وکالت کی ہے۔ اگر خاص طور پر دیکھا جائے تو اس قصیدہ لامیہ میں کفر سے اسلام کی طرف رجوع کرنے کا جذبہ غالب نہیں آتا۔ اس کی تلمیحات، استعارے اور اشارے مسلمانوں کے مخصوص طبقہ ہی میں سمجھے جاسکتے ہیں۔

فاضل مقالہ نگار نے اپنے مقالہ کے تیسرے باب میں اردو نعت گوئی کا جائزہ تاریخی ادوار کے لحاظ سے لیا ہے قدیم دکنی دور سے آغاز کیا ہے اور پھر آہستہ آہستہ مختلف ادوارِ نعت گوئی سے گزرتے ہوئے عصرِ حاضر میں آگئے ہیں۔ انھوں نے مولود ناموں، معراج ناموں، نورناموں، وفات ناموں، شمائل ناموں، تولد ناموں کا بطور خاص ذکر کرتے ہوئے منظومات نگاری کو شامل اشاعت کیا ہے۔

باب چہارم کو قدما کا دور ظاہر کیا ہے۔ انھوں نے اس دور کے شعرا کا بغائر مطالعہ کیا ہے اور ان کی تخلیقات پر گہری نظر رکھی ہے۔ لکھتے ہیں:

> یہ دور مثنوی اور قصیدے کے لیے مشہور ہے۔ نعتیہ مضامین کے لیے بھی شعرا نے انھی اصناف سخن کو اختیار کیا ہے۔ چناں چہ سودا کے ہاں ہم قصیدہ اور نوازش کے یہاں قصیدہ اور مثنوی پاتے ہیں۔ اس عہد کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ شعرا نے حضور اکرم ﷺ کی سیرت پاک کو بالتفصیل احادیث صحیحہ کی روشنی میں نظم کیا اور اسوۂ حسنہ کے وہ پہلو پیش کیے جن سے اصلاحِ امت کی صورتیں پیدا ہوسکتی ہیں۔ (ص ۱۷۸)

باب پنجم انتہائی مختصر ہے جو صرف چار صفحات پر محیط ہے۔ اس میں ایک ہی شاعر نظیر اکبر آبادی کا ذکر ہے۔

مقالہ نگار نے نظیر کے اس لگاؤ کا ذکر کیا ہے جو انھیں اقدارِ اسلامی اور ذات محمد ﷺ سے تھا۔ ان کے نعتیہ شعر میں شروع سے آخر تک رسولِ کریم ﷺ کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ اس میں عقیدت مندانہ بے اعتدالی نہیں۔

باب ششم کو مقالہ نگار نے متوسطین کا دور قرار دیا ہے جس میں کرامت علی شہیدی، مومن خاں مومن، غلام امام شہید جیسے شعرا کا ذکر ہے ڈاکٹر اشفاق کے نزدیک جو اثر انگیزی اس زمانہ میں نعتیہ کلام کو

میہ کے ہندوانہ اور ہندو مزاج کی وکالت کی
کفر سے اسلام کی طرف رجوع کرنے کا جذبہ
رے مسلمانوں کے مخصوص طبقہ ہی میں سمجھے

اردو نعت گوئی کا جائزہ تاریخی ادوار کے لحاظ
آہستہ مختلف ادوارِ نعت گوئی سے گزرتے ہوئے
عراج ناموں، نورناموں، وفات ناموں ،شمائل
ت نگاری کو شامل اشاعت کیا ہے۔
دور کے شعرا کا بغائر مطالعہ کیا ہے اور ان کی

ہے۔نعتیہ مضامین کے لیے بھی
ہے۔ چناں چہ سودا کے ہاں ہم
نوی پاتے ہیں۔اس عہد کا ایک
ﷺ کی سیرت پاک کو بالتفصیل
ۂ حسنہ کے وہ پہلو پیش کیے جن
ں ہیں۔ (ص۱۷۸)
ے۔اس میں ایک ہی شاعر نظیر اکبر آبادی کا ذکر

ذارِ اسلامی اور ذات محمد ﷺ سے تھا۔ان کے
اوصاف پائے جاتے ہیں۔اس میں عقیدت

س میں کرامت علی شہیدی، مومن خاں مومن،
زدیک جو اثر انگیزی اس زمانہ میں نعتیہ کلام کو

حاصل ہوئی وہ اس سے پہلے کہیں نظر نہیں آتی۔ مقالہ نگار نے اس دور کی خصوصیات حسبِ ذیل بیان کی ہیں۔ زبان صاف اور شستہ ہے۔ تلمیحات اور استعارات کی قدرت اور رنگینی ہر دور کی نسبت زیادہ ہے۔ حالاں کہ یہ ڈاکٹر اشفاق کی ذاتی رائے ہے اس سے قبل کے اردو کے کئی شعرا ان سے زیادہ زبان کی شستگی سلاست اور بے ساختگی کا نمونہ تھے۔کرامت علی شہیدی اور غلام امام شہید واقعی شہدائے فکروفن تھے مگر اور بھی تو تھے جنھوں نے اپنی زندگیاں محبتِ رسول ﷺ پر نچھاور کر دیں۔ اس باب میں انھوں نے زیر بحث شعرا کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔

باب ہفتم متاخرین پر مشتمل ہے جس کے دو اہم ترین نام امیر مینائی اور محسن کاکوروی ہیں، لکھتے ہیں:

> یہ دور اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ یہاں نعت گو شعرا کا وہ طبقہ فروغ پاتا ہے جس نے حبِ رسول ﷺ کے والہانہ اظہار میں مناسب اور نامناسب کے امتیاز کو نظر انداز کر دیا۔ اب داخلی جذبات کے اظہار میں وہ مضامین بھی جگہ پانے لگے جن کی تشریح تصوف کی زبان میں ہوسکتی ہے۔ ان کا جواز شریعت میں کہیں نہیں ملتا۔

افسوس تو یہ ہے کہ ان شعرا کا تذکرہ کرتے ہوئے مقالہ نگار نے امیر مینائی اور محسن کاکوروی کا صحیح معنوں میں تفصیلی مطالعہ نہیں کیا۔

آٹھواں باب پچاس صفحات سے زیادہ پھیلاؤ رکھتا ہے۔ اس میں مقالہ نگار نے بطور خاص دورِ جدید کے شعرا کو سامنے رکھا ہے۔ اس میں حالی، شبلی اور نظم طباطبائی کو شامل کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر اشفاق نے حالی کی نعت گوئی کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ حالی کی پہلی شاعری میں اسوۂ حسنہ کا ذکر ہے لیکن یہ محض روایت کی پابندی نہیں۔ حالی کی شاعری کا تذکرہ ان پر مدلل تبصرہ ہے۔ حالی کے متعلق کہتے ہیں۔

> اس میں اسلوب بیان کی ندرت اور مضامین کی صداقت اپنے حسنِ انداز میں ہر جگہ جلوہ گر ہے۔ اور نعتیہ ادب میں اس حسن خوبی میں کم ملتی ہے۔ ساتھ میں مسدس کے نعتیہ بند اپنی سادگی اور پرکاری کی وجہ سے امتیازی خصوصیت رکھتے ہیں۔ (ص۳۶۵)

شبلی میں تخلص نام کو نہیں ملتا ان کا رنگ شاعری اصلاحی ہے۔ شبلی کا نعتیہ کلام کم ہے لیکن مقصدی ہے۔

اس دور کے جید عالم احمد رضا خاں بریلوی گزرے ہیں جو اپنے تبحر علمی کی وجہ سے زیادہ مشہور ہیں شاعر کی حیثیت سے کم مشہور ہیں۔ایک ہزار کتابوں کے مصنف تھے۔اردو کی طرح عربی اور فارسی پر بھی گہرا عبور تھا۔نعتیہ کلام میں ان کا دیوان ''حدائقِ بخشش'' غیر معمولی شہرت رکھتا ہے۔جس میں مختلف اصناف پر طبع آزمائی کی ہے۔اتنے بڑے عالم کی نعتیہ شاعری نے زمانے بھر کو ورطہ حیرت میں ڈال رکھا ہے کہ اس قدر مشہور اور معتبر محدثِ کامل نعت کے لیے وقت کیسے نکالتا ہوگا اور پھر نعت بھی وہ جو زمانے کو نہیں بلکہ زمانوں کو متاثر کر رہی ہے۔ڈاکٹر اشفاق نے پاس ادب کے ساتھ حضرت مولانا کا ذکر کیا ہے۔نظم طباطبائی کو انھوں نے استاد شاعر کا درجہ دیا ہے جس کا شہرہ چار سو پھیلا ہوا تھا۔ڈاکٹر اشفاق لکھتے ہیں:

> دورِ حاضر نعتیہ شاعری کے لیے انتہائی عروج کا زمانہ ہے جس نے اقبال، عزیز لکھنوی، امجد حیدر آبادی، حفیظ جالندھری اور ماہر القادری جیسے نام ور شعرا پیدا کیے۔ ان اصحاب نے حضورﷺ کی سیرت کو مصلحانہ، حکیمانہ اور استادانہ رنگ میں پیش کیا۔اور نعتیہ ادب کو شعری دل آویزیوں سے مالامال کر دیا۔(ص۶۷۴)

ڈاکٹر اقبال کے نعتیہ محاسن کا دل کھول کر جائزہ لیتے ہیں۔ظفر علی خاں کو بھی فراموش نہیں کرتے اور باور کراتے ہیں کہ یہ وہ انقلابی شعرا تھے جنھوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے سوئے ہوئے مقدر کو اپنی شاعری سے بیدار کر دیا۔اسی طرح وہ اس دور کے نام ور ہندو شعرا کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔جو مسلمان تو نہیں ہوئے مگر ان کی نعتیہ شاعری فکر و فن کے لحاظ سے کتنے ہی مسلم شعرا سے آگے ہے۔

ہم ڈاکٹر اشفاق کے مقالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے آخر میں ڈاکٹر نجم الاسلام کی رائے پیش کرتے ہیں:

> بہرکیف بعض اہم شعرا کے نعتیہ کلام پر تبصرہ کے ضمن میں نعتیہ شاعری کے میلانات و رجحانات کے متعلق خاصے مفید نکات پیش کیے گئے ہیں۔ مصنف کا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ دورِ جدید کے نعتیہ کلام میں حکیمانہ بصیرت، مصلحانہ تقدس، مجتہدانہ انداز اور شاعرانہ دل آویزیوں نے چار چاند لگا دیے ہیں۔ مختصر یہ کہ ایراد و ایزاد کی گنجائشوں کے

ں جواپنے تبحر علمی کی وجہ سے زیادہ مشہور ہیں
ے مصنف تھے۔اردو کی طرح عربی اور فارسی پر
بخشش' غیر معمولی شہرت رکھتا ہے۔جس میں
ں کی نعتیہ شاعری نے زمانے بھر کو ورطۂ حیرت
نعت کے لیے وقت کیسے نکالتا ہوگا اور پھر نعت
۔ڈاکٹر اشفاق نے پاس ادب کے ساتھ حضرت
اعر کا درجہ دیا ہے جس کا شہرہ چار سو پھیلا ہوا

ں عروج کا زمانہ ہے جس نے
فیظ جالندھری اور ماہر القادری
ب نے حضور ﷺ کی سیرت کو
پیش کیا۔اور نعتیہ ادب کو شعری
(٦٧

ں۔ظفر علی خاں کو بھی فراموش نہیں کرتے اور
غیر کے مسلمانوں کے سوئے ہوئے مقدر کو اپنی
ہندو شعرا کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔جو مسلمان
ے کتنے ہی مسلم شعرا سے آگے ہے۔
ں ڈاکٹر نجم الاسلام کی رائے پیش کرتے ہیں:
تبصرہ کے ضمن میں نعتیہ شاعری
صے مفید نکات پیش کیے گئے
لہ دورِ جدید کے نعتیہ کلام میں
انداز اور شاعرانہ دل آویزیوں
ر ایراد و ایزاد کی گنجائشوں کے

باوجود یہ ایک اہم تحقیقی مقالہ ہے جو مفید معلومات اور مباحث سے پُر ہے اور اس موضوع پر تقدم بھی رکھتا ہے۔

(صریر خامہ، حوالہ مذکورہ ص ۱۳۷، اردو میں نعت گوئی، پروفیسر شفقت رضوی)

''اردو نعت، تاریخ و ارتقا'' از سیّد افضال حسین فتح پوری

یہ کتاب دو صد صفحات پر مشتمل ہے اور مصنف اس امر کا اظہار کیا ہے کہ یہ خاصا وقت طلب کام تھا فضل فتح پوری نے ڈاکٹر فرمان فتح پوری کو اپنی کتاب کا محرک قرار دیا ہے تو ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اس کتاب کو جامع تاریخ بتلا کر جواب آں غزل کا حق ادا کر دیا ہے۔ کتاب کیا ہے؟ مضمون کم اور الفاظ کی بہتات زیادہ ہے۔اُردو فارسی سمیت تمام شعرا کا کہنا ہے کہ ہر مصرع یا ہر فقرہ جس میں رسول پاک ﷺ کا ذکر ہے وہ نعت ہے، لیکن فضل فتح پوری کا کہنا ہے:

> آں حضرت ﷺ کی زندگی کے واقعات ان کی سیرت کی تاریخی منظومات صرف اس لیے نعت کہے جاسکتے ہیں کہ ان میں آں حضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کا ذکر ہے لیکن جذب و انجذاب کی کمی طالب و مطلوب کے رشتے کی غیر موجودگی، حسنِ عقیدت کی چھاپ کی نایابی انھیں صحیح معنوں میں نعت کہے جانے کی سزاوار نہیں ٹھہراتی۔(ص ۳۲)

اس کتاب کا تعارف سیّد محمد رضا نے لکھا ہے جب کہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے پیش لفظ تحریر کیا ہے۔حضور ﷺ سے اظہار عقیدت و محبت جو جذب دروں کے ساتھ ہو وہی مصنف کی نظر میں نعت ہے۔ دیگر نوعیت کا کلام ''خالص نعت'' نہیں ہے۔ وہ منقبت و مدحتِ خیر البشر تو ہیں، نعت نہیں ہیں۔ آخر اس قسم کی رائے دینے کا اختیار مقالہ نگار کو کس نے دیا۔ پروفیسر شفقت رضوی مجبور ہو کر کہتے ہیں۔ ہماری نظر میں یہ کتاب اردو نعت گوئی کی تاریخ ہے نہ ارتقا کا حال ادوار کے ساتھ پیش کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ زیادہ سے زیادہ تذکرۂ نعت گو شعرا کہا جاسکتا ہے جس میں چند سطریں شاعر کے احوال اور اس کی خصوصیاتِ کلام کے لیے وقف ہیں۔

متعدد اصنافِ سخن کے بارے میں ان کا فیصلہ کن لہجہ بھی نا قابلِ قبول ہے، ملاحظہ کیجیے:
قصیدہ کی مدحت و ثنا تعریف و توصیف کا اور انداز ہے اس کے لفظوں کی گھن گرج اور زور دار آہنگ

میں درباری مدحت کا سا سما ہوتا ہے۔(ص۳۴) گویا عربی میں قصیدہ نگار سے جس سے نعت گوئی کی ابتدا ہوئی اور اس کے تتبع میں فارسی اور اُردو میں جو قصائد کہے گئے انھیں ادبیات سے خارج کر دیا جائے کیوں کہ ایک فاضل ہستی اسے نعت تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔

فضل فتح پوری کو امیر مینائی بہت عزیز ہیں۔ امیر مینائی کا تاریخِ ادب و شاعری میں بہت بلند مقام ہے۔ مگر یہ بھی نہیں کہ ہر شاعر کو ان کے انداز کا اسیر بنا دیا جائے۔ ان کے خیال میں امیر مینائی نے صحیح معنوں میں جذب و انجذ اب سے پر نعت گوئی کی ہے۔ غالباً انھوں نے شہیدی اور امام احمد رضا خاں جیسے بلند فکر شعرا کو دل لگا کر نہیں پڑھا۔ جس طرح انھوں نے ہر شاعر کو امیر مینائی سے متاثر ثابت کیا ہے اس سے امیر مینائی کی روح بھی شرمندہ ہوتی ہوگی۔ امیر مینائی بہت اچھے شاعر ہیں مگر اپنے زمانے میں اور بعد میں بھی حرفِ آخر نہیں۔ مولانا احمد رضا خاں ہوں یا حمید صدیقی لکھنوی، مظفر وارثی ہوں یا اعظم چشتی، حنیف اسعدی ہوں یا مظہر عرفانی، کشن پرشاد ہوں یا دورِ حاضر کے شعرا انھیں سب پر امیر مینائی کی چھاپ نظر آتی ہے۔ اس تذکرہ میں قدما کا حال نہیں۔ متوسطین اور متاخرین کے ادوار میں بھی انھوں نے اپنے پسندیدہ شاعروں کو جگہ عطا فرمائی ہے۔ البتہ مضمون کے آخری حصے میں وسیع پیمانے پر نعتیں درج کر دی گئی ہیں جو آنے والے دور میں نعت پر کام کرنے والوں کی راہنمائی کر سکیں گی۔

''کاروانِ نعت کے حدی خواں'' از راقم

یہ کتاب ۱۹۸۹ء میں علم و فن اکادمی گوجرانوالہ نے شائع کی۔ یہ راقم (محمد اکرم رضا) کی نگارشات پر مبنی کتاب ہے۔ معلوم نہیں محققین اور ناقدوں کے ذوقِ تنقید سے کیسے محفوظ رہی حتیٰ کہ پروفیسر شفقت رضوی جیسا چاروں طرف گہری نظر رکھنے والا ناقد بھی ناشناس رہا۔ ہمارے خیال میں اس کی اصل وجہ پنجاب اور کراچی کے درمیان فاصلے ہیں اپنی حد تک میں نے فاصلے پاٹنے کی کوشش کی۔ پنجاب تو خیر تھا ہی اپنا کراچی سے نکلنے والے جس رسالہ کا بھی حکم نامہ جاری ہوا اس کے لیے لکھنا شروع کر دیا۔ یہ پرانی داستان ہے۔ رسالے بند ہوتے گئے مگر راقم کے ہاتھ میں اسی محبت سے قلم تھما رہا۔ ماہ نامہ ''شام سحر'' لاہور نے اتنا بڑا کام کیا اور میں نے غالباً اس کے لیے سب سے زیادہ لکھا مگر کراچی والے بے خبر رہے اس لیے اس کے نعت نمبروں میں کراچی کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر نظر

ربی میں قصیدہ نگار سے جس سے نعت گوئی کی
صائد کہے گئے انھیں ادبیات سے خارج کردیا
سے انکاری ہے۔

ں کا تاریخِ ادب و شاعری میں بہت بلند مقام
دیا جائے۔ ان کے خیال میں امیر مینائی نے صحیح
۔ غالباً انھوں نے شہیدی اور امام احمد رضا خاں
وں نے ہر شاعر کو امیر مینائی سے متاثر ثابت کیا
رگی۔ امیر مینائی بہت اچھے شاعر ہیں مگر اپنے
ضا خاں ہوں یا حمید صدیقی لکھنوی، مظفر وارثی
ن پرشاد ہوں یا دورِ حاضر کے شعرا انھیں سب
ا کا حال نہیں۔ متوسطین اور متاخرین کے ادوار
ائی ہے۔ البتہ مضمون کے آخری حصے میں وسیع
ور میں نعت پر کام کرنے والوں کی راہنمائی

دی خواں'' از راقم

ح کی۔ یہ راقم (محمد اکرم رضا) کی نگارشات پر
تنقید سے کیسے محفوظ رہی حتیٰ کہ پروفیسر شفقت
ناشناس رہا۔ ہمارے خیال میں اس کی اصل
ب میں نے فاصلے پاٹنے کی کوشش کی۔ پنجاب
ی حکم نامہ جاری ہوا اس کے لیے لکھنا شروع
مگر راقم کے ہاتھ میں اسی محبت سے قلم تھما رہا۔
نے غالباً اس کے لیے سب سے زیادہ لکھا مگر
ں میں کراچی کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر نظر

آتی ہے۔

یہ تو کمال ہے سیّد صبیح الدین رحمانی کا ''نعت رنگ'' شائع کیا اور چند شماروں کے بعد ہی پنجاب، کراچی اور ہندوستان کی مشترکہ ادبی فوج تیار کرڈالی۔ اب معلوم ہونے لگا ہے کہ کون کہاں ہے۔ صبیح رحمانی نے تو کراچی کے سنگ وخشت بھی متعارف کروا دیے۔ اس لیے جب انھوں نے درج ذیل کتاب مجھ سے منگوا کر وہاں تقسیم کی تو حجابات اٹھتے گئے۔ اب شفقت رضوی، یحییٰ نشیط، کوکب نورانی، عزیز احسن، کشفی، ابوسفیان اصلاحی، سیّد محمد قاسم، شہزاد احمد، محمد طاہر حسین سلطانی، رشید وارثی، آفتاب کریمی، اسماعیل آزاد، غوث میاں، قیصر نجفی کتنے قریب نظر آتے ہیں۔ بات ہورہی تھی کاروانِ نعت کے حدی خوان کی۔ اس میں بطورِ خاص علامہ ضیاء القادری، حضرت اختر القادری، ریاض حسین چودھری، صوفی غیرت قادری اور حافظ لدھیانوی کا ذکر ہے۔ دوسری شخصیات سے قطعِ نظر ان شخصیات پر تفصیلی تذکرہ کہیں بھی نہیں ملتا تھا۔ اب تو ان پر مضامین کی قطار لگی ہوئی ہے۔ حضرت صوفی محمد شریف غیرت قادری کو سب سے پہلے ماہ نامہ ''شام وسحر'' میں راقم نے متعارف کروایا اور بعد میں اس کتاب میں شامل کرلیا۔

صوفی محمد شریف غیرت قادری کا تعلق گوجرانوالہ کے ایک روحانی خانوادے سے تھا۔ انھوں نے حفیظ جالندھری کے ''شاہ نامۂ اسلام'' کی طرز پر شہنشاہ نامہ لکھا۔ رنگ حفیظ ہی کا ہے۔ جس طرح سر عبدالقادر نے حفیظ جالندھری کے ''شاہ نامۂ اسلام'' کا دیباچہ تحریر کیا تھا۔ اسی طرح اس کتاب کا دیباچہ بھی سر عبدالقادر نے لکھا۔ اس کتاب کا ایک حصہ شائع ہوچکا تھا کہ باقی مسودہ گم ہوگیا اور پھر صوفی صاحب بھی وصال فرما گئے۔ راقم نے شدید جدوجہد کے بعد بکھرے ہوئے اوراق کو اکٹھا کیا اور پھر یہ مقالہ کی صورت میں شام وسحر نعت نمبر۶ میں شائع ہوا بعد میں ''کاروانِ نعت کے حدی خواں'' کی زینت بنا۔ مشہور محقق شفقت رضوی اس کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> مضمون نگار نے مثنوی کی جزئیات پر نظر رکھتے ہوئے اس کی صفات بیان کی ہیں۔ ان کے لیے توصیفی کلمات بیان کیے ہیں ان کا لکھا ہوا مضمون ان کے شوق کی غمازی کرتا ہے۔

(سالہ ''شام وسحر'' کے نعت نمبروں کا تجزیاتی اور فنی جائزہ مطبوعہ ''نعت رنگ'' ۱۵)

اسی طرح معروف نعت گو شاعر سیّد محمد مرغوب اختر الحامدی پر راقم کے لکھے ہوئے مضمون پر پروفیسر شفقت رضوی تبصرہ کرتے ہیں:

> مضمون نگار کو عبارت آرائی کا جوشوق ہے۔ مطالب کی ادائی کے ساتھ ان کی تحریر کو وہ لائق مطالعہ بنا دیتی ہے حسن کاری کی نمود اس مضمون میں بھی موجود ہے۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ مطالب کی داد دی جائے یا اسلوب بیان کی۔ وہ اشعار کا انتخاب کرنے میں اپنے ذوق سے پورا کام لیتے ہیں۔ (پروفیسر شفقت رضوی، ''نعت رنگ'' ۱۵، ص ۲۶)

ریاض حسین چودھری جدید لہجے کے انتہائی نمائندہ شاعر ہیں۔ راقم کا ان پر لکھا ہوا مضمون ''شام وسحر'' ۶ میں شائع ہوا بعد میں کتاب میں شامل ہوا۔ پروفیسر صاحب رقم طراز ہیں:

> محمد اکرم رضا نے ریاض حسین چودھری کی نعت گوئی کے نفس کو پہچان لیا ہے اور اس کی تائید ان کے اشعار سے کی ہے۔

(پروفیسر شفقت رضوی ''نعت رنگ'' ۱۵، ص ۲۶۲)

حضرت علامہ ضیاء القادری بدایونی حمد و نعت، منقبت اس تیزی سے لکھتے تھے کہ حیرت ہوتی ہے۔ راقم نے بڑی مشکل سے ان کے بارے میں مواد اکٹھا کیا۔ آج باتیں کرنا آسان ہے۔ اس دور میں کتنے تھے جو ان کا کلام اور ان کے بارے میں معلومات مہیا کر سکتے تھے۔ پروفیسر شفقت رضوی نے تفصیل سے اس مضمون کا جائزہ لیا ہے۔ یہ کسی نے نہیں سوچا کہ کراچی والوں نے ان کے لیے کیا کیا۔ پروفیسر صاحب کو مبارک ہو کہ انھیں صبیح رحمانی مل گئے جو کسی سے مرتے مرتے بھی جو چاہتے ہیں لکھوا لیتے ہیں۔

اپنی رائے کے اختتام پر موصوف رقم طراز ہیں:

> ''مضمون نگار'' نے اپنے طویل مضمون میں ان کی نعتوں کی تمام خصوصیات کا احاطہ کیا ہے اور ہر خصوصیت کے ساتھ مناسب اشعار کے حوالے دیے ہیں۔ (''نعت رنگ'' ۱۵ کراچی، ص ۳۶۰)

اسی طرح حافظ لدھیانوی کے بارے میں بھی مضمون شامل کتاب ہے۔ حافظ لدھیانوی طبع زاد اور

ھدی پر راقم کے لکھے ہوئے مضمون پر پروفیسر

ہے۔مطالب کی ادائی کے ساتھ
ے حسن کاری کی نمود اس مضمون
ہوجاتا ہے کہ مطالب کی داد دی
انتخاب کرنے میں اپنے ذوق

قت رضوی، ''نعت رنگ'' ۱۵، ص ۲۶)

ر ہیں۔ راقم کا ان پر لکھا ہوا مضمون ''شام وسحر''
حب رقم طراز ہیں:

ی نعت گوئی کے نفس کو پہچان لیا
ا ہے۔

(پروفیسر شفقت رضوی ''نعت رنگ'' ۱۵، ص ۲۶۲)

ں تیزی سے لکھتے تھے کہ حیرت ہوتی ہے۔ راقم
آج باتیں کرنا آسان ہے۔ اس دور میں کتنے
کر سکتے تھے۔ پروفیسر شفقت رضوی نے تفصیل
یا کہ کراچی والوں نے ان کے لیے کیا کیا۔
جو کسی سے مرتے مرتے بھی جو چاہتے ہیں لکھوا

ن میں ان کی نعتوں کی تمام
یت کے ساتھ مناسب اشعار

(''نعت رنگ'' ۱۵ کراچی، ص ۳۶۰)

شامل کتاب ہے۔ حافظ لدھیانوی طبع زاد اور

بدیہہ گو شاعر تھے۔ بہت تیزی سے لکھتے تھے۔ خوب صورت نعت کہتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ راقم سے جب ملتے یہی فرماتے تمھیں معلوم ہے کہ میرا کون سا مجموعہ چھپ کر آیا ہے۔ ارے بھائی گنتی رکھا کرو۔ کیا خبر ایک اور مضمون لکھنا پڑے۔ پروفیسر شفقت رضوی نے کتاب کے اس مقالہ پر تبصرہ کیا اور خوب کیا ہے۔ آخر میں آپ کا ''فرمان عالی شان'' ہے:

> مضمون نگار نے حافظ لدھیانوی کے کلام کا غائر مطالعہ کیا ہے۔ اس کی ایک ایک خصوصیت کو جانچا اور پرکھا ہے۔ مضمون نگار کا اندازِ بیان نیم شاعرانہ ہے۔ وہ نثر میں شاعری کا حسن پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ ان کی تحریر میں بلا کی جاذبیت ہے۔ تاثر کی بھی کمی نہیں۔
>
> (''نعت رنگ'' ۱۵)

پروفیسر صاحب نے جسے شاعرانہ رنگ فرمایا ہے وہ جان بوجھ کر وارد نہیں کیا جاتا بلکہ از خود نازل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سیّد محمد عبداللہ، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، مولوی عبدالحق، رشید احمد صدیقی کے ہاں بھی حسنِ بیان کی خوب خوب جلوہ گری ہے۔ بحث مقصود نہیں خود پروفیسر شفقت رضوی کے ہاں بھی نقطہ ونظر کے بعض ایسے نمونے ملتے ہیں کہ دلآویز شاعری کا گمان ہوتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ رب کریم ان کے اس ذوق کو جلا بخشے تنقید کا حسن اور نثر لطیف کا امتزاج بڑے بڑے کام کروا جاتا ہے۔

نعیم شہزاد ماہ نامہ ''حمایتِ اسلام'' لاہور میں اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> نبی کریم ﷺ کی تعریف و توصیف تمام غلامانِ رسول ﷺ کے لیے وسیلۂ بخشش و نجات ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا کا شمار جہاں وطنِ عزیز کے نامور نعت گو شعرا میں ہوتا ہے وہاں انھیں یہ اعزاز و امتیاز حاصل ہے کہ ان کا قلم مدحت و توصیف رسول ﷺ کے حوالے سے تنقیدی مقالات بھی تیزی سے رقم کر رہا ہے۔ زیرِ نظر تصنیف میں متعدد شعرا کی شخصیت اور کام پر بحث کی گئی ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا کا طرزِ تحریر دل کش اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی خوش بو لیے ہوئے ہے۔ وہ بلاشبہ سمجھتے ہیں کہ اس کوچہ میں محبتِ رسول ﷺ ہی وہ واحد ارمغان ہے جو خدا اور

رسول خدا ﷺ کی بارگاہ میں یکساں مقبول ٹھہرتا ہے۔

(تبصرہ محمد نعیم شہزاد، ماہ نامہ ''حمایتِ اسلام'' لاہور، اپریل ۱۹۹۰)

محمد اقبال نجمی اس کتاب کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں:

کاروانِ نعت کے حدی خوان'' ایک دل آویز شہہ پارۂ عشقِ رسول ﷺ ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا کا یہ کارنامہ ان کی نعت سے وابستگی محبت اور عقیدت کا کھلا اظہار ہے پروفیسر محمد اکرم رضا نے اس کتاب میں شامل مقالات جب تحریر کیے تو اس وقت نعت اور نعت گوؤں کی طرف توجہ بہت کم ہوتی تھی۔ جنابِ رضا کا یہ کام اپنی نوعیت کے لحاظ سے نعت کے اولین کاموں میں شمار ہوتا ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا گزشتہ چالیس سال سے نعت اور نعت گوؤں پر لکھنے میں مصروف ہیں۔ ان کی یہ کتاب ان کے بہت بڑے کام کا ایک لحاظ سے دیباچہ ہے۔

(محمد اقبال نجمی، بحوالہ مجلّہ فیض، گوجرانوالہ، دسمبر ۱۹۸۶)

''اُردو میں نعت گوئی'' از ڈاکٹر ریاض مجید

ڈاکٹر ریاض مجید کا شمار ملک کے نامور محققین نعت میں ہوتا ہے۔ خوب صورت شاعر اور ادیب ہیں۔ ان کا زیرنظر ڈاکٹریٹ کا مقالہ ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔ اسے اقبال اکادمی پاکستان نے شائع کیا۔ اس کی ضخامت ۸۱۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے چھ ابواب ہیں جب کہ انھوں نے سات ضمیمے شاملِ اشاعت کیے ہیں۔ اس نعتیہ مقالہ کو صحیح معنوں میں نعتیہ مقالہ کہا جاتا ہے۔ پروفیسر شہرت بخاری اس کے فلیپ میں لکھتے ہیں:

ڈاکٹر ریاض مجید جو خود ایک ممتاز نعت گو شاعر اور اردو کے معلم ہیں، جس کمال انہماک، محنت اور خلوصِ کار کے ساتھ اپنے اس پی ایچ ڈی کے مقالے میں نعت کے موضوع اس فن کی نازک خیالیوں اور نعت کے تاریخی بیان کو سمویا ہے وہ تخلیق کی ایک نادر مثال ہے۔ اس مقالے میں نعت کی پوری تاریخ تمام نعتیہ مجموعوں اور نعت گو شعرا کا تذکرہ اس

ں ٹھہرتا ہے۔
نعیم شہزاد، ماہ نامہ ''حمایتِ اسلام'' لاہور، اپریل ۱۹۹۰)
ے ہیں:
ں آویزشہہ پارۂ عشقِ رسول ﷺ
ن کی نعت سے وابستگی محبت اور
اکرم رضا نے اس کتاب میں
ی نعت اور نعت گوؤں کی طرف
یہ کام اپنی نوعیت کے لحاظ سے
ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا گزشتہ
ر لکھنے میں مصروف ہیں۔ ان کی
لحاظ سے دیباچہ ہے۔
(محمد اقبال نجمی، بحوالہ مجلہ فیض، گوجرانوالہ، دسمبر ۱۹۸۶)

ازڈاکٹر ریاض مجید

ہوتا ہے۔ خوب صورت شاعر اور ادیب ہیں۔
سے اقبال اکادمی پاکستان نے شائع کیا۔ اس کی
ب ہیں جب کہ انھوں نے سات ضمیمے شاملِ
یہ مقالہ کہا جاتا ہے۔ پروفیسر شہرت بخاری اس

گو شاعر اور اردو کے معلم ہیں،
کے ساتھ اپنے اس پی ایچ ڈی
فن کی نازک خیالیوں اور نعت
یک نادر مثال ہے۔ اس مقالے
ں اور نعت گو شعرا کا تذکرہ اس

خوبی سے ہوا ہے کہ یہ مقالہ نعت گوئی کا تذکرہ بن گیا ہے۔

ڈاکٹر ریاض مجید خوش بخت ہیں کہ اپنے مقالہ سے پہلے ڈاکٹر طلحہ برق، ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور ڈاکٹر اشفاق کی کتابیں منظر عام پر آ چکی تھیں یقیناً ڈاکٹر مجید نے اپنے مقالے کے خدوخال سنوارنے کے لیے ان سے استفادہ کیا ہوگا۔ مقالہ کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے صرف ڈاکٹریٹ کے شوق میں یہ مقالہ نہیں لکھا بلکہ نعت پر مباحث کو عوام الناس کے سامنے لانے کے لیے خوب خوب محنت کی ہے۔ ان کا مقالہ اس قدر جاندار ہے کہ قاری کا پی ایچ۔ ڈی کے مقالہ نگاروں پر پھر سے اعتبار قائم ہو گیا ہے۔

شاعر نے حرفِ اوّل کے نام سے تمام ابواب کا تعارف کروایا ہے مگر نعت کے میدان میں اس عاجزی اور منکسر المزاجی کو نہیں چھوڑا جو مسلسل ان کے پیش نظر رہی ہے:

> ایک آخری بات مگر ضروری بات کہ اردو نعت کے موضوع پر یہ مقالہ کسی بھی طور پر نعت کے فکروفن اور اُردو نعت گوشعرا کی مساعی جمیلہ کا پورے طور پر احاطہ نہیں کرتا۔ ابھی اس کے بہت سے پہلو تشنہ ہیں۔ اس باب میں میری کوشش ایک حرف اول کی سی ہے۔

(حرفِ اوّل، ڈاکٹر ریاض مجید (۳) اُردو میں نعت گوئی)

ڈاکٹر ریاض مجید نے پہلے باب میں تمہیدی نوعیت کے مباحث کو چھیڑا۔ ڈاکٹر ریاض مجید یا کوئی اور تحقیق نگار تمہیدی گفتگو لازمی کرتا ہے۔ اس میں انھوں لفظ ''نعت'' پر بحث کرتے ہوئے عربی قواعد اور شاعرانہ انداز سے نعت کا تعین کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے:

> عربی لغات سے لفظ نعت کا مفہوم (وصفِ رسول ﷺ) غائب ہوتا چلا گیا اور تمام تر اعلیٰ حیثیت اور موزوں خصوصیات کا حامل یہ لفظ جو اپنی دلالتِ وصفی اور دیگر معنوی خوبیوں کے سبب وصفِ رسول ﷺ کے بیان کے لیے اپنے دوسرے مترادفات مدح مدیح وغیرہ سے بلیغ اور وقیع تھا مطلق وصف ہی کے معنوں میں کیوں ترویج پاتا رہا اور عربی میں اسے وہ تخصیص اور اصطلاحی درجہ کیوں عطا نہ ہوا جو اسے بہت بعد میں اردو اور

فارسی میں ہوا۔
ڈاکٹر ریاض مجید کا کہنا ہے کہ نعت کا اصل موضوع مسلسل ارتقا پزیر ہے اور ہر دور کے تقاضوں، تمدن و معاشرت، تہذیبی روایات کے مطابق نعت اپنے تقاضوں کی بجا آوری کروالیتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ نعت کہنا آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ مصنف نے ایسی تمام اصناف شاعری کو جن میں توصیف رسول ﷺ کی جلوہ گری نظر آتی ہے نعت میں شمار کیا ہے۔
ڈاکٹر ریاض مجید نے دوسرے باب میں نعت کے محرکات اور اسباب پر بحث کی ہے اور انھوں نے نعت کی مقبولیت کے اسباب کی تلاش پر بھی محنت کی ہے۔ انھوں نے خاص طور سے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے جنھوں نے اپنی کتابوں میں نعت کو ہم تک پہنچانے کی سعی کی۔ مولانا روم، جامی عطار، سنائی، عراقی، خسرو، شاہ عبدالعزیز، امداد اللہ مہاجر مکی، شہباز قلندر، حضرت احمد رضا خاں، حسن بریلوی، پیر مہر علی شاہ، شاہ نیاز بریلوی اور مفتی محمد دیدار علی شاہ کے اسمائے گرامی کا خصوصی طور پر تذکرہ کیا ہے۔ باب دوم کے دوسرے حصے میں نعت کے ماخذات پر بحث کی ہے قرآن حکیم، احادیث مقدسہ کی روشنی میں بتایا کہ حضور ﷺ کی ذات والا صفات ہی وہ مرکز نعت ہے جس کے گرد سارا زمانہ طواف کر رہا ہے۔ اس ضمن میں مختلف ادوار کے شعرا کے نعتیہ نمونوں سے بھی روشناس کرایا ہے۔
انھوں نے تیسرے باب میں دکن میں نعت گوئی کا جائزہ لیا ہے۔ اور جو شاعر میسر آئے ان کے شعری مخطوطوں سے فائدہ اٹھایا ہے انھوں نے یہاں بھی یہی واضح کیا ہے کہ یہاں بھی اولین نعت گو صوفیائے کرام ہی تھے اور مباحث سے ثابت کیا ہے کہ یہاں ہیئت میں مثنوی کو ترجیح دی گئی ہے۔
باب چہارم میں ڈاکٹر ریاض مجید نے شمالی ہند میں نعت کے فروغ کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہاں بھی صوفیائے کرام ہی کا فیض پھیلا ہوا ہے اور یہ بہت بڑی سچائی ہے کہ ان صوفیائے کرام کا اوّل و آخر محبوب ذات مصطفیٰ ﷺ ہی تھی۔ اس لیے انھوں نے غزل کا پیرایہ اختیار کیا یا مثنوی اور مسدس وہ فقط اور فقط توصیف حضور ﷺ میں زندگی بسر کرتے رہے۔
اس ضمن میں انھوں نے بہت سے شعرا اور کتب کا تذکرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول شمالی ہند میں نعت گوئی کے درخشاں باب کا آغاز سودا اور میر سے ہوا، اس سلسلہ میں انھوں نے مومن کا ذکر

بہت اچھے طریق سے کیا ہے اور مومن کے نعتیہ قصیدہ ’’زمزمہ سنجی‘‘ کو بطور خاص موضوع بنایا ہے۔

باب چہارم کے دوسرے حصہ کو ڈاکٹر صاحب نے اردو نعت کا دورِ تشکیل قرار دیا ہے کرامت علی شہیدی، کفایت علی کافی، غلام امام شہید، لطف بریلوی کا خصوصی ذکر کیا ہے۔ شاہ اسماعیل شہید اور ان کی کتاب ’’تقویت الایمان‘‘ پر نعت گو شعرا اور اسلامیانِ ہند کے زبردست ردعمل کا اظہار کیا ہے اور یہ تحریر کیا ہے کہ اس کے ردِعمل میں نعت کے فروغ کے لیے کتابوں مجالس اور روحانی محافل کا انمٹ سلسلہ شروع ہوگیا۔

ڈاکٹر ریاض مجید نے پانچویں باب کو عصرِ جدید کی نعت کے لیے وقف کیا ہے ڈاکٹر صاحب نے ان نعت گوؤں کا بھی ذکر کیا ہے جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اپنی جانیں وار دیں یا دار و رسن کی آزمائش سے گزرتے رہے۔ انھوں نے اس دور کے سیاسی حالات اور جہاد کی تحریک کا بھی جائزہ لیا ہے۔ امام فضل حق خیر آبادی، کفایت علی کافی، مولانا لیاقت علی الہ آبادی، امیر مینائی اور مفتی سیّد احمد خاں کے حالات سے اصحابِ تنقید کو باخبر کیا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد وہ عصرِ حاضر میں داخل ہوئے ہیں اور حالی سے لے کر ظفر علی خاں تک درجنوں شعرا کا ذکر کرتے ہیں۔ حالی کے پہلو بہ پہلو انھوں نے مولانا شبلی کی خدمات کے اظہار سے بھی پہلوتہی نہیں کی۔ عظیم محدث اور نعت گو حضرت الشاہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کو ڈاکٹر ریاض مجید نے زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا۔ فاضل بریلوی کے بارے میں ان کی رائے بلاشبہ سند کا درجہ رکھتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> مولانا اردو نعت کی تاریخ میں واحد شخصیت ہیں جنھوں نے اپنے وسیع مطالعے کو اپنی نعت میں پوری طرح برتا ہے۔ انھوں نے نعتیہ مضامین کے بیان میں قرآن و حدیث سے لے کر منطق ریاضی، ہیئت، نجوم، ہندسہ، مابعد الطبیعات وغیرہ علوم وفنون کی مختلف اصطلاحات کو نہایت سلیقے سے برتا ہے عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ شاعری میں اصطلاحات اور علمی حوالوں کا کثرت سے استعمال، اظہار میں ابہام پیدا کر کے فن پارے کے فطری بہاؤ کو مدھم کر دیتا ہے مگر مولانا کی نعت گوئی میں اظہار ایسی کسی دقت یا مشکل سے دوچار نظر نہیں آتا۔ (ص ۴۰۹)

ں ارتقا پزیر ہے اور ہر دور کے تقاضوں، تمدن و
ں کی بجا آوری کروا لیتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب
اور مشکل بھی۔ مصنف نے ایسی تمام اصناف
تی ہے نعت میں شمار کیا ہے۔
ت اور اسباب پر بحث کی ہے اور انھوں نے
ے۔ انھوں نے خاص طور سے اولیائے عظام اور
اپنی کتابوں میں نعت کو ہم تک پہنچانے کی سعی
ہ عبدالعزیز، امداد اللہ مہاجر مکی، شہباز قلندر،
یاز بریلوی اور مفتی محمد دیدار علی شاہ کے اسمائے
وسرے حصے میں نعت کے ماخذات پر بحث کی
ضور ﷺ کی ذات والا صفات ہی وہ مرکز نعت
میں مختلف ادوار کے شعرا کے نعتیہ نمونوں سے

ہ لیا ہے۔ اور جو شاعر میسر آئے ان کے شعری
ہی واضح کیا ہے کہ یہاں بھی اولین نعت گو
یہاں ہیئت میں مثنوی کو ترجیح دی گئی ہے۔
کے فروغ کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے نزدیک
یہ بہت بڑی سچائی ہے کہ ان صوفیائے کرام کا
نھوں نے غزل کا پیرایہ اختیار کیا یا مثنوی اور
رتے رہے۔
رہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول شمالی ہند
سے ہوا، اس سلسلہ میں انھوں نے مومن کا ذکر

صفحہ ۴۳۶ پر انھوں نے عظیم المرتبت شاعر کی نعت گوئی کو بدرجہ اتم اجاگر کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اگرچہ انھوں نے ''نعت'' کے عنوان سے نعتیں نہیں لکھیں مگر آپ اپنی اُردو اور فارسی شاعری میں محبت رسول ﷺ کا ایسا گراں قدر اور تاریخ ساز سرمایہ چھوڑ گئے جو ہمیشہ ان کی یاد دلائے گا ان کے ہاں فکری اور فنی ہر لحاظ سے اعلیٰ و معیاری نعت کے نمونے ملتے ہیں۔

اس ضمن میں شاعر اسلام حفیظ جالندھری کی لازوال شاعری پر انھوں نے خوب خوب اظہارِ خیال کیا ہے۔ غرض کس کس کا ذکر کیا جائے انھوں نے عہدِ حاضر کے ممتاز اور معروف شعرا پر اپنی رائے کا دل کھول کر اظہار کیا ہے۔

چھٹے باب میں ڈاکٹر ریاض مجید نے ان محترم شعرا کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے اُردو نعت کو اس کی بلندیوں تک لے جانے کی ہر ممکن کوشش کی ان کے نزدیک عصر جدید موجودہ صدی کی آخری چھ سات دہائیوں پر محیط ہے اس میں انھوں نے بہت سے شعرا کا ذکر کیا ہے جس کی تفاصیل سے ہم گریز کر رہے ہیں۔ چھٹے باب کے اختتام پر ڈاکٹر صاحب بات کو سمیٹتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> اُردو نعت کا عصر حاضر دراصل نعت کے روشن مستقبل کا آغاز ہے۔ عصرِ حاضر تک آتے آتے اُردو نعت کو اصنافِ سخن میں جو مقام و مرتبہ حاصل ہوا وہ اس کے کبھی ختم نہ ہونے والے امکانات کا ثبوت ہے۔ آج اردو نعت کے معیار اور فکری و فنی عظمت اور مضامین و موضوعات کی وسعت دیکھ کر یہ بات بلا تردید کہی جاسکتی ہے کہ اردو میں نعت رسول کریم ﷺ کا جو اثاثہ موجود ہے وہ دنیا کی کسی اور زبان میں نہیں۔ عربی و فارسی میں بلاشبہ نعت کے اعلیٰ نمونے تخلیق ہوئے مگر جہاں تک سرمایۂ نعت کا تعلق ہے تو اس کی مقدار اُردو نعت کے برابر نہیں۔ یہ فخر صرف اُردو زبان کو حاصل ہے کہ اس میں چھوٹے بڑے نعتیہ مجموعوں، انتخابوں، گلدستوں اور میلاد ناموں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔''
> ...آج نعت کی وسعت و تنوع، عظمت و رفعت، ندرت و جدت اور مقدار و معیار اُردو زبان و ادب کے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔ بلاشبہ آج

لو بدرجہ اتم اجاگر کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ
ں مگر آپ اپنی اُردو اور فارسی شاعری میں محبت
گئے جو ہمیشہ ان کی یاد دلائے گا ان کے ہاں
ملتے ہیں۔

اعری پر انھوں نے خوب خوب اظہارِ خیال کیا
ر کے ممتاز اور معروف شعرا پر اپنی رائے کا دل

تذکرہ کیا ہے جنھوں نے اُردو نعت کو اس کی
یک عصر جدید موجودہ صدی کی آخری چھ ساتھ
را کا ذکر کیا ہے جس کی تفاصیل سے ہم گریز
ت کو سمیٹتے ہوئے رقم طراز ہیں:

کے روشن مستقبل کا آغاز ہے۔
صنافِ سخن میں جو مقام و مرتبہ
والے امکانات کا ثبوت ہے۔
ظمت اور مضامین و موضوعات
ں جاسکتی ہے کہ اردو میں نعت
دنیا کی کسی اور زبان میں نہیں۔
وتے تخلیق ہوئے مگر جہاں تک
اُردو نعت کے برابر نہیں۔ یہ فخر
ں چھوٹے بڑے نعتیہ مجموعوں،
تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔''
ب و رفعت، ندرت و جدت اور
لیے سرمایۂ افتخار ہے۔ بلاشبہ آج

اُردو نعت ''ورفعنالک ذکرک'' کی صداقت و حقانیت کی گواہی دے رہی ہے۔(ص ۵۳۹،۵۴۰)

''اُردو شاعری میں نعت'' از ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری

''اُردو شاعری میں نعت'' ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری کا پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ ہے۔ ڈاکٹر آزاد کا مقالہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب کا عنوان ہے ''اُردو میں نعت گوئی کا آغاز'' اس باب میں ہندوستان اور عرب کے اسلام کی برصغیر میں آمد سے پہلے کے روابط تلاش کیے گئے ہیں۔ یہ کام نعت پر کام کرنے والے کسی اور مقالہ نگار نے نہیں کیا۔ اس باب میں دکنی شعرا کے صرف نام گنوائے گئے ہیں۔ پروفیسر شفقت رضوی اس مقالہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> پی ایچ۔ ڈی کے لیے تین مقالے بھارت میں اور ایک پاکستان میں لکھا گیا۔ اگر میں عرض کروں کہ پاکستان میں لکھا گیا مقالہ بھارت کے تینوں مقالوں پر بھاری ہے تو اس میں نہ تو جانبداری ہے اور نہ تعصب یہ ایک طالب علمانہ تخمینہ ہے افسوس کہ ڈاکٹر آزاد فتح پوری کو پاکستان میں لکھا گیا مقالہ دستیاب نہ ہوسکا۔ ان کی تحقیقی جستجو کا یہ حال ہے کہ ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی کا مقالہ بھی نہ دیکھ سکے جو ان کی کتاب سے دو سال قبل شائع ہو چکا تھا۔ (اُردو میں نعت گوئی، پروفیسر شفقت رضوی ۱۵۳)

اس کتاب کا دوسرا باب دکنی شعر و ادب میں نعت کی اہمیت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس باب میں ان قدیم شعرا کا ذکر کیا گیا ہے جن کے کلام میں نعت کے اشعار ملتے ہیں۔ لیکن اجمال سے اور کہیں تفصیل سے۔ ڈاکٹر آزاد نے اس مناسب جدت سے کام لیا ہے کہ دورِ قدیم سے حال تک کے دکنی شعرا کا تذکرہ ایک ہی باب میں کردیا ہے۔ دکنی دور کے شعرا کا ذکر انھوں نے تفصیل سے کیا ہے لیکن دلّی کے شعرا، لکھنؤ کے شعرا اور پنجاب کے شعرا کہہ کر الگ الگ تذکرہ نہیں کیا گیا۔ جب کہ شمالی ہند کے شعرا کہہ کر سب علاقائی تفریق کے بغیر ایک جگہ جمع کردیا گیا ہے۔

انھوں نے ''دورِ جدید'' میں علامہ اقبال کے ساتھ ''اختر شیرانی، جگر مراد آبادی، عزیز لکھنوی، حفیظ جالندھری، حسرت موہانی اور عزیز الحسن مجذوب وغیرہم کے نام دیے ہیں۔ عصر حاضر میں فقط دو

درجن شعرا کے نام ہیں۔ انھوں نے عظیم نعت گو یا عام نعت گو کے درمیان تفریق نہیں کی جو تمام عمر نعت لکھتے رہے اور جو دو چار مشاعروں میں جگہ پا گئے یا جن کی تین چار نعتیں نظر آئیں سب کو ایک ہی جگہ جمع کر دیا۔ یہ محققانہ اسلوب اور تنقید کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

پانچویں باب میں انھوں نے غیر مسلم شعرا کا تذکرہ کیا ہے۔ انھوں نے اس ضمن میں تیس شاعروں کا تذکرہ کیا ہے۔ جو نہایت معروف ہیں وہ ایک دو سطروں کے محتاج نہیں بلکہ ان پر ابواب پیش کرنے چاہییں تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے چھٹے باب کا عنوان رکھا ہے ''مختلف اصناف سخن میں نعت'' یہ عنوان خوب صورت، جاذبِ نظر اور تفصیل طلب ہے۔ اس میں انھوں نے مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، غزل، قطعہ، رباعی سمیت بہت سی اصناف کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں موجود نعتیہ حصے بھی شامل مقالہ ہیں۔ مگر اس سے مطالعہ کی وسعت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

ساتویں باب میں انھوں نے ''نعت کی اہمیت اور اُردو ادب میں اس کا مقام'' پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نئے خیالات یا جدید اسلوب تحقیق کے مطابق جدید احساسات اور تصورات پیش کرنے کے بجائے انھوں نے یہی امر آسان سمجھا ہے کہ جو کچھ وہ پہلے لکھ چکے اس کو نئے انداز سے دہرا دیا جائے۔ وہ تحقیق کی دقتوں سے بھی بچ گئے اور مقالہ بھی منظور ہو گیا...ان کے تمام ابواب کے نام خوب صورت ہیں مگر اصل معاملہ تو تحقیق و جستجو کا ہے اور پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنے کے لیے تو بڑے مآخذ کے ساتھ چھوٹے چھوٹے مآخذ کی ضرورت ہوتی۔ ممکن ڈاکٹر آزاد فتح پوری جب بڑے بڑے مآخذ سے دامن بچا گئے تو چھوٹی سطح کی معلومات اور مآخذ کی ان کی نظروں میں کیا حیثیت ہے کاش انھوں نے سمجھا ہوتا کہ میرا اصل مقصد ڈاکٹریٹ نہیں ہے بلکہ میرا مدعا و مقصد تو توصیف نگاری رسول ﷺ ہے۔

''اُردو نعت اور جدید اسالیب'' از عزیز احسن

عزیز احسن کا شمار اُردو ادب کے معروف نعت گو شعرا اور ادیبوں ہوتا ہے۔ آپ ایک نقاد اور محقق کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ''نعت رنگ'' میں ان کے مضامین ہمارے لیے ذریعۂ تعارف بنے ہیں اور اس غائبانہ تعارف نے ہمیں بتلا دیا کہ ان جیسی عدیم الفرصت شخصیت سے لکھوانے والا

م نعت گو کے درمیان تفریق نہیں کی جو تمام عمر
یا جن کی تین چار نعتیں نظر آئیں سب کو ایک
ں کے خلاف ہے۔
ہے۔ انھوں نے اس ضمن میں تیس شاعروں کا
ں کے محتاج نہیں بلکہ ان پر ابواب پیش کرنے

اصناف سخن میں نعت'' یہ عنوان خوب صورت،
ثنوی، قصیدہ، مرثیہ، غزل، قطعہ، رباعی سمیت
صے بھی شامل مقالہ ہیں۔ مگر اس سے مطالعہ کی

دب میں اس کا مقام'' پر اظہارِ خیال کیا ہے۔
ر اسلوب تحقیق کے مطابق جدید احساسات اور
سان سمجھا ہے کہ جو کچھ وہ پہلے لکھ چکے اس کو
ھی بچ گئے اور مقالہ بھی منظور ہوگیا... ان کے
تحقیق و جستجو کا ہے اور پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنے
ر کی ضرورت ہوتی۔ ممکن ڈاکٹر آزاد فتح پوری
کی معلومات اور مآخذ کی ان کی نظروں میں کیا
صد ڈاکٹریٹ نہیں ہے بلکہ میرا مدعا و مقصد تو

الیب'' از عزیز احسن

ور ادیبوں ہوتا ہے۔ آپ ایک نقاد اور محقق کی
ں ان کے مضامین ہمارے لیے ذریعۂ تعارف
یسی   عدیم الفرصت شخصیت سے لکھوانے والا

کوئی اور ہے جس کا قبضہ ہم سمیت معلوم نہیں کس کس پر چلتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب فضلی سنز کراچی کے زیرِ اہتمام ۱۹۹۸ء میں اشاعت پزیر ہوئی۔ ۱۸۴ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا ابتدائیہ خود ہی تحریر کیا۔ لکھتے ہیں:

> نعت کا ذوقِ تخلیق جس قدر بھی بڑھ جائے اس میدان میں نقادوں کی کمی بہر حال محسوس کی جاتی رہے گی۔ ابھی نعت کے نئے افق تلاش کرنے ہیں اور اس صنف کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے شایانِ شان بنانے کے لیے آفاقی بنانا ہے اور یہ کام ناقدین کرام کی توجہ کے بغیر ممکن ہیں۔ (ص ۷)

پھر اپنے ذوق وشوق نعت کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

> میں بچپن ہی سے نعتیہ شاعری پڑھ رہا ہوں لیکن اس راہ کی دشواریوں کا احساس مجھے بہت بعد میں ہوا۔ اب میرا تنقیدی شعور ذرا سا بیدار ہوا ہے تو میں نعت کے مافیہ اور اسلوب کے معاملے میں بہت حساس ہوگیا ہوں اور اقبال کی زبان میں اللہ ربّ العزت سے دعا کر رہا ہوں کہ:
> مرا نورِ بصیرت عام کردے۔ (ص ۷)

اس کتاب کے ۱۳ ابواب باندھے گئے ہیں جن میں ابتدائیہ بھی شامل ہے۔ ان ابواب میں ان کے وہ مضامین بھی شامل ہیں جو انھوں نے نعت گو شعرا پر لکھے۔ حقیقتاً یہ بہت خوب صورت عمل ہے۔ اس سے جہاں محقق کے ذوقِ تحقیق کا اندازہ ہوتا ہے وہاں جن شخصیات کے بارے میں مضامین لکھے گئے اُن کے ادبی قد وقامت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

دوسرے مضمون کا نام ''نعت کے علمی ادبی افق'' ہے۔ اس میں بھی انھوں نے نعت کی عظمت وفضیلت بیان کی ہے اور ہمیں بتایا ہے کہ نعت کا سب سے بڑا مآخذ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ ہیں۔ قرآن پاک یا احادیث مقدسہ ان سب کا مرکز فقط ذاتِ محمد ﷺ ہے۔ حضور ﷺ سے محبت کی کاملیت نے ہی ہمیں نعت کہنا سکھایا۔ انھوں نے ناظرین تک یہ حقیقت پہنچائی ہے ہمیں دامانِ رسول ﷺ سے وابستہ ہوکر بخشش کی آرزو کرنی چاہیے۔ ساتھ ساتھ عزیز احسن نعت کا تذکرہ بھی کرتے گئے

ہیں۔ انھوں نے اس مضمون میں قرآن و احادیث، بزرگانِ دین اور شعرا کے اقوال سے مثالیں دی ہیں۔ انھوں نے یہ بھی بتلایا کہ حضور ﷺ سے کس طرح خطاب کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں عزیز احسن کی فکر ملاحظہ کیجیے:

> نعتیہ شاعری جس قدر مشکل ہے اسی قدر جذبۂ محبت رسول ﷺ کے اظہار میں عامیوں کے دخل نے اس موضوع کو اپنے مرتبے پر نہیں رہنے دیا۔ نوبت بایں جارسید کہ صرف نعت گو شاعر ہونا استعدادِ علمی کی کمی بالفاظ دیگر استنادِ علمی سے دوری کی دلیل ٹھہرتا ہے حالاں کہ نعت گوئی کا شرف حاصل ہو جانا خود لائقِ صد افتخار ہے۔ (ص۲۰)

کتاب کا اگلا مضمون شعر کے فنی لوازمات ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قدیم دور کے شعرا حضور ﷺ کے مقام و مرتبہ کی عظمت کو دیکھ کر ڈرتے تھے کہ گستاخی نہ ہو جائے جب کہ آج کل شعرا کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوا ہے۔ لیکن ان میں سے بیشتر کا کلام عشقِ رسول ﷺ کی جھلک تو دکھاتا ہے مگر بیش تر شعرا کی نعتیہ شاعری میں محنت کا فقدان نظر آتا ہے۔ اسی مضمون میں آگے چل کر عزیز احسن شعر کی تعریف کرتے ہیں کہ شعر حسیاتی صداقتوں کا لفظی اظہار ہے اس لیے اس اظہار میں لطافت کا ایک خاص معیار ہونا چاہیے۔ پھر عزیز احسن مختلف نقادوں کی آرا دیتے ہیں۔ اس میں انھوں نے اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی نقادوں کے حوالے بھی دیے ہیں۔ شعری حوالے اپنی جگہ خوب صورت لگتے ہیں۔ اس مضمون میں عزیز احسن نے ابتدا میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور ناقدین کی طویل فہرست ہے جسے وہ جتنا چاہتے بڑھا سکتے تھے۔

عزیز احسن کا اگلا مضمون ہے ''اُردو نعت اور شاعرانہ رویہ'' وہ کہتے ہیں۔

> کسی خیال کو نظم کرنا ایک محنت طلب امر ہے لیکن خالی نظم کر دینا اس بات کی ضمانت قطعی نہیں ہے کہ اس عمل سے جو نظم وجود میں آئی ہے اس میں شاعرانہ اپیل بھی ہو شاعرانہ اپیل شاعرانہ رویئے کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔ (ص۴۴)

ان کا کہنا ہے کہ شاعری میں آفاقی کشش پیدا کرنے کے لیے بلا لحاظ موضوع شعر کو شعر بنانا ہوگا۔

رگانِ دین اور شعرا کے اقوال سے مثالیں دی
خطاب کرنا چاہیے۔اس سلسلہ میں عزیز احسن

قدر جذبہ محبت رسول ﷺ کے
وضوع کو اپنے مرتبے پر نہیں
عت گو شاعر ہونا استعدادِ علمی کی
ں دلیل ٹھہرتا ہے حالاں کہ نعت
عدِ افتخار ہے۔(ص۲۰)

ا کہنا ہے کہ قدیم دور کے شعرا حضور ﷺ کے
و جائے جب کہ آج کل شعرا کی تعداد میں دن
قِ رسول ﷺ کی جھلک تو دکھاتا ہے مگر بیش تر
سی مضمون میں آگے چل کر عزیز احسن شعر کی
ار ہے اس لیے اس اظہار میں لطافت کا ایک
ں آرا دیتے ہیں۔اس میں انھوں نے اردو کے
ں۔شعری حوالے اپنی جگہ خوب صورت لگتے
ثرات کا اظہار کیا اور ناقدین کی طویل فہرست

یہ" وہ کہتے ہیں۔
مر ہے لیکن خالی نظم کر دینا اس
ں سے جو نظم وجود میں آئی ہے
یل شاعرانہ رویئے کے ذریعے

کے لیے بلا لحاظ موضوع شعر کو شعر بنانا ہوگا۔

ایسی شاعری جو نعت کے بھی جملہ تقاضے پورے کرتی ہو اور شاعرانہ اپیل بھی رکھتی ہو اُردو میں بہت کم ہوئی ہے۔عصر حاضر میں چوں کہ اس خلا کو پر کرنے کے لیے کام ہو رہا ہے اس لیے اچھی نعتیہ شاعری کے کچھ نمونے سامنے آئے ہیں۔انھوں نے غالب اور دوسرے شاعروں کے بعض اشعار کو نعتیہ اشعار کس قدر سادگی سے کہا کہ شاعر تو کہے نہیں نہیں ہرگز نہیں! اور عزیز احسن کہیں ضرور ضرور ہاں ہاں بالضرور!

پانچویں مضمون کا عنوان اُردو نعت میں آفاقی قدروں کی تلاش ہے۔یہ مضمون عزیز احسن کے دوسرے مضامین سے زیادہ اور حسبِ سابق نعت کے اعزاز اور وقار کو لیے ہوئے ہے۔نعت کی بات پر تو کہیں جملے بلکہ پیراگراف بھی آپس میں ٹکرا جاتے ہیں عزیز احسن ہوں یا میں یا ابوالخیر کشفی جب ممدوح ایک ہے۔صنف نعت ایک ہے۔ جب جذبے احساسات ایک ہیں تو پھر خیالات کی یکسانیت بھی آجاتی ہے۔عزیز احسن نے اس خوب صورت مقالہ میں واضح کیا کہ نعت کو مخصوص مضامین کے خلوت کدہ سے نکال کر بلند ترین معیار کے دربار عالی میں جگہ دینی چاہیے۔نعت ایک بہت بڑی صنف ہے اس لیے اس میں کیا کچھ نہیں کہا جاسکتا مقالہ نگار نے مثالیں بھی دیں اور کہا ہے کہ نعت کے مضامین کو ہنگامی اور وقتی سطح سے بلند کر کے حسن دوام کا مرکز بنانا چاہیے۔

مضمون ''نعت اور شعریت'' ہے۔اس میں مصنف کا کہنا ہے کہ نعت ایک روحانی جذبے کا نام ہے یہ کیف ہے، سرور ہے اس میں سلاست کی روانی ہے اور اچھی خطابت کے جوہر بھی ہیں مصنف نے یہ اشعار رحمٰن کیانی کے حوالے کیے۔عبدالعزیز خالد، راجا رشید محمود، رحمٰن کیانی، سلیم گیلانی ، حافظ لدھیانوی، جعفر بلوچ اور عابدہ نظامی کے کلام کے ایسے نمونے دیے ہیں جو شعریت کے حوالے سے اپنا حسن منوا رہے ہیں۔جب کہ عزیز احسن کے اپنے کلام میں شعریت ہے۔ان کی نثر نگاری میں کئی پیراگراف ایسے آجاتے ہیں جنھیں بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔یہ شعریت نہیں ہے تو کیا ہے؟

اگلا عنوان ''اُردو نعت اور جدید اسالیب'' ہے جسے مصنف نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ یہ ایک طویل مقالہ ہے اور کتاب کا عنوان بھی ہے، حصہ اوّل میں انھوں نے عشق و سرمستی سے اپنی بات کو آگے بڑھایا ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے مثال شخصیت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے قارئین کو جدید اسالیب نعت اپنانے کی تلقین کی ہے۔عزیز احسن نے عصر حاضر کے ممتاز و معروف شعرا کے حوالے دیے ہیں۔ انھوں نے بتایا ہے کہ خیال رکھا جائے کہ کون سی بات حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کے شایان شان ہے اور کون سا شعر باعث تنقیص بنتا ہے۔ اس مضمون کے پہلے حصے کا نام اول ہے جب دوسرا حصہ دوم کے نام سے شامل کتاب ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ قدیم نعت کے موضوعات حضور ﷺ جمال صوری سے توانائی پا کر متعین کیے جاتے تھے۔ عہدِ حاضر مسلمانوں پر ابتلا کا دور ہے ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت حسنہ اور کردار کو سامنے رکھنا چاہیے اور یہ امر پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ہمارے آقا و مولا ﷺ سے بڑا انقلاب کسی اور پیغمبر یا مصلح نے پیدا نہیں کیا اس لیے ہمیں بھی آپ کے شایانِ شان شاعری کرنے کے لیے اپنی نعتیہ شاعری کے تصورات کو بلند کرنا چاہیے۔ مصنف نے بڑی تعداد میں مثالیں دے کر آج کے شعرا کی نعت کے ذکر و فکر کو بلند تر کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس میں انھوں نے تمام اصنافِ سخن سے مثالیں پیش کی ہیں کہ ہر صنفِ سخن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تخلیق ہوئی لہذا ہمیں بھی جذبات اور خیالات کی بلندی کو خضرِ راہ بنانا چاہیے۔

آگے کے پانچ مضامین شخصیاتی ہیں عاصی کرنالی، صبیح رحمانی، قمر وارثی، نسیم سحر اور جاذب قریشی کے فکر وفن کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہاں مصنف کے ان شخصیات کے حوالے سے اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی کے متعلق لکھتے ہیں:

> عاصی کرنالی موضوع کے بھرپور ادراک کے ساتھ شاعری کرتے ہیں۔ اسلوب اظہار میں اعلیٰ سنجیدگی کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ان کی شاعرانہ مشق اس حد تک ہے کہ وہ جس بات کو جس انداز سے کہنا چاہیں کہہ سکتے ہیں۔ عاصی کی شاعری میں استعاروں، تشبیہوں اور علامتوں کا ایچ پیچ بھی نہیں ہوتا۔ وہ مروّجہ بلکہ خاصی حد تک کلاسیکی مزاج کی شاعری کرتے ہیں۔ لیکن اپنے انداز نگارش سے بات میں ندرت کے پہلو پیدا کر دیتے ہیں۔ (ص ۱۴۷)

سیّد صبیح رحمانی ایک زمانے کے محسن ہیں کہ انھوں نے ناقدین نعت کو ایک مقام پر اکٹھا کر دیا صبیح کی شاعری میں ترنم ہے، غنائیت ہے، موسیقیت ہے، دلآویزی اور فکری رعنائی ہے۔ کم لکھتے ہیں مگر بہت خوب لکھتے ہیں اور خوب تر پڑھتے ہیں۔ عزیز احسن کا کہنا ہے:

ص بنتا ہے۔اس مضمون کے پہلے حصے کا نام
ب ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ قدیم نعت کے
ں کیے جاتے تھے۔عہدِ حاضر مسلمانوں پر ابتلا کا
ر کردار کو سامنے رکھنا چاہیے اور یہ امر پیش نظر
سی اور پیغمبر یا مصلح نے پیدا نہیں کیا اس لیے
لیے اپنی نعتیہ شاعری کے تصورات کو بلند کرنا
ح کے شعرا کی نعت کے ذکر وفکر کو بلند تر کرنے
سے مثالیں پیش کی ہیں کہ ہر صنفِ سخن حضور
جذبات اور خیالات کی بلندی کو خضرِ راہ بنانا

حمانی، قمر وارثی، نسیم سحر اور جاذب قریشی کے فکر
ی کے حوالے سے اقتباسات پیش کر رہے ہیں

کے ساتھ شاعری کرتے ہیں۔
ن کبھی ہاتھ سے جانے نہیں
ت ہے کہ وہ جس بات کو جس
سی کی شاعری میں استعاروں ،
ں ہوتا۔ وہ مروّجہ بلکہ خاصی حد
ں۔لیکن اپنے انداز نگارش سے
ہیں۔(ص ۱۴۷)
اقدین نعت کو ایک مقام پر اکٹھا کر دیا صبیح کی
یزی اور فکری رعنائی ہے۔کم لکھتے ہیں مگر بہت
نا ہے:

صبیح رحمانی کے شعری آہنگ میں غم ذات بھی جھلک رہا ہے اور غمِ کائنات بھی۔ اپنے عہد کا آشوب بھی نمایاں ہے اور جدید حسیت کا عکس بھی۔ شعریت بھی ہے اور مدحتِ رسول ﷺ کے تقدس کا احساس بھی جلوہ گر ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر مصرعے سے شاعر کا خلوص بھی ٹپکتا ہے اور اس کا احساس تشکر بھی کیوں کہ وہ شہر نعت گویاں میں اپنی فتوحات کو اپنی ذات سے منسوب نہیں کرتا برملا اظہار کرتا ہے:

مرا دیوان ہے ان کی عطا اوّل سے آخر تک (ص ۱۵۹)

قمر وارثی ان شعرا میں ہیں جو شاعری کے لوازمات سے بھی اتنے ہی آگاہ ہیں جتنے موضوع کی نزاکتوں کے عارف ہیں۔ ان کی شاعری بہر حال اُردو نعت کی ثروت ہیں اضافے کا باعث ہے۔(ص ۱۷۵)

ایک تنقیدی مضمون جاذب قریشی کے بارے میں ہے۔ عزیز احسن ان کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

اس وقت جاذب قریشی کی نعتیہ شاعری کے محدود نمونے میرے سامنے ہیں۔ کاش جاذب کا قلم حمد و نعت کی سمت مسلسل چلتا رہے۔ میں یہ تمنا اس احساس کی بنا پر کر رہا ہوں کہ مذہبی شاعری کو جس لہجے کے حوالے سے اور جس اسلوب کے ساتھ جدید ادب کا حصہ بنایا جاسکتا ہے، جاذب اسی لہجے میں اور اسی اسلوب میں بات کر رہے ہیں وہ عصری ادبی رجحانات میں ہونے والی تبدیلیوں کا بھی گہرا شعور رکھتے ہیں۔(ص ۱۸۳)

ہماری دعا ہے کہ عزیز احسن کا قلم زندگی کی حیات پرور ساعتوں میں یوں ہی تنقید و تحقیق کے جواہر تراشتا رہے۔

’’تنقید اور مشکلاتِ تنقید‘‘ از ادیب رائے پوری

زیرِ نظر تنقیدی کتاب مشہور ادیب، ناقد اور شاعر ادیب رائے پوری کی ہے جو ۱۹۹۹ء میں مدحت پبلشرز کراچی کے زیرِ اہتمام طبع ہوئی۔ اس کی ضخامت ۲۷۲ صفحات ہے۔ انھوں نے خود لکھا ہے:

> میں نے ہر مضمون اور ہر عنوان کو اختصار کے کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی لیکن ضرورت وضاحت وحوالہ جات کوزہ توڑ کر نکل آئی۔ پھر بھی یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ جس کی تفصیل کے لیے بے شمار کتابوں کے مطالعہ کی اور ان کے حوالوں کی ضرورت ہے۔ مقالہ کا دوسرا حصہ مشکلاتِ تنقید خود میرے لیے مشکلات کا باعث رہا۔ اس میں دو باتیں تھیں۔ ایک عقیدہ کا اختلاف اور دوسرا نظریہ کا میں نے دونوں پر بحث کی ہے، لیکن دوسرا حصہ طویل ہے۔ جس میں ترقی پسند ادب شامل ہو گیا ہے اور ادب سے بحث کے نتیجہ میں برصغیر کے حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ (ص ۲۴)

ادیب رائے پوری نے زیرِ نظر کتاب میں ۷۱ موضوعات پر بحث کی ہے جو تمام کے تمام تنقید و تحقیق سے تعلق رکھتے ہیں مصنف ان تمام موضوعات پر خوب خوب اظہارِ خیال کیا ہے اور جو کچھ ان کے دل میں تھا اسے مدعائے فکر بنا کر لے آئے ہیں۔

''تنقید کیا ہے'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

> تنقید انسانی فطرت کا جوہر ہے جس کی بدولت وہ اچھائی اور برائی میں تمیز کرتا ہے۔ اپنے گرد و پیش کو تجسس کی نگاہوں سے دیکھنے، ان پر غور و فکر کرنے اور ان کے متعلق جو رائے قائم ہو اسے دوسرے تک پہنچانے کا یہ شرف انسان کو تمام مخلوقات میں افضل کرتا ہے۔ اگر یہ وصف اس میں نہ ہوتا تو انسانوں، درندوں، پرندوں، زور آور جانوروں، ہوائی اور آبی مخلوقات پر قابو نہ پاتا۔ (ص ۳۰۔۳۱)

انھوں نے ابنِ عربی کا حوالہ دیا ہے جس کے مطابق غور و فکر، تحقیق و تلاش کی اس نمو پذیر فطرت کا نتیجہ ہے کہ زندگی زیادہ دل کش ہوتی جا رہی ہے مصنف کے نزدیک تنقید اس غور و فکر سے نئی زندگی پاتی

ب رائے پوری کی ہے جو ۱۹۹۹ء میں مدحت
۲۷۱ صفحات ہے۔انھوں نے خودلکھا ہے:
ر کے کوزے میں بند کرنے کی
ہ جات کوزہ توڑ کر نکل آئی۔ پھر
فصیل کے لیے بے شمار کتابوں
ورت ہے۔ مقالہ کا دوسرا حصہ
ا باعث رہا۔اس میں دو باتیں
نظریہ کا میں نے دونوں پر بحث
جس میں ترقی پسند ادب شامل
یں برصغیر کے حالات پر روشنی

ت پر بحث کی ہے جو تمام کے تمام تنقید و تحقیق
خوب اظہارِ خیال کیا ہے اور جو کچھ ان کے دل

بدولت وہ اچھائی اور برائی میں
نگاہوں سے دیکھنے، ان پر غور و
ئے قائم ہو اسے دوسرے تک
ت میں افضل کرتا ہے۔ اگر یہ
ں، پرندوں، زور آور جانوروں،
ص۳۰-۳۱)

و فکر، تحقیق و تلاش کی اس نمو پزیر فطرت کا نتیجہ
کے نزدیک تنقید اس غور و فکر سے نئی زندگی پاتی

ہے۔آگے انھوں نے تنقید پر مختلف نظریات پیش کیے ہیں۔ پھر ان مباحث کے بعد انھوں نے بات کو نئے سرے سے چھیڑا ہے کہ کیا تنقید کی ضرورت ہے؟ اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> اگر تنقید نہ ہوتی تو ادب نام کی کوئی چیز ضرور ہوتی مگر ادب نہ ہوتی، فن ہوتا مگر معیارِ فن نہ ہوتا، تنقید فن میں جمالیاتی وزن اور زندگی کے آثار تلاش کرتی ہے۔ پھر سنجیدگی سے اس کا تجزیہ کرتی ہے۔ پھر نتیجہ اخذ کرتی ہے اور عوام کے سامنے پیش کرتی ہے۔ اس کے سبب ایک ادبی اور فنی فضا بنتی ہے۔ فن کی قبولیت کے لیے ایک سازگار ماحول بنتا ہے اور فن کار کو بھی فن سے رغبت کے ساتھ ساتھ احتیاط کا شعور ملتا ہے۔
>
> (ص۳۸-۳۹)

اس ضمن میں ادیب رائے پوری طرحی مشاعروں کا ذکر کرتے ہیں کہ نشر و اشاعت کے مواقع نہیں تو ان مشاعروں نے شاعروں کے تنقیدی ذوق کو ہوا دی۔ اس زمانے کے نام ور شعرا اپنے شاگردوں کی اصلاح کرتے تھے۔ ان کی لسانی اور علمی غلطیوں پر گرفت کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں مصنف نے مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ اس ضمن میں مختصر سے الفاظ میں نعت کی یہ تعریف کس قدر دلچسپ ہے۔

> جب رحمت کی کرن آفت رسیدگانِ روزگار پر پڑتی ہے اور غبار و کلفت ڈھل جاتی ہے۔ وہ لطیف ارواح جن کی قوتِ مدرکہ پاکیزہ ہوتی ہے کسی حد تک اس رحمت کا ادراک کر لیتی ہے اور بطورِ سپاس جناب رسالت مآب ﷺ کے حضور مدحت سرا ہو جاتی۔" یہ نعت کی کس قدر مختصر مگر جامع تعریف ہے۔(ص۶۰)

اگلے ابواب میں مصنف نے نعتیہ شاعری اور روایتی غزل کا فرق کے ساتھ ساتھ غزل اور نعت میں مبالغہ آرائی کے عنوانات پر اظہار خیال کیا ہے پھر غزل کے ساتھ مبالغہ کا تذکرہ کرتے ہوئے نعت میں مبالغہ کی طرف آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ کہتے ہیں:

> نعت کی بنیاد عشقِ رسول اللہ علیہ وسلم ہے جس کے بغیر شاعری نمودِ فن ہے۔ نمودِ عجز نہیں، افتخارِ سخن ہے افتخارِ عشق نہیں۔ شکوہِ ادب ہے تو شئہ

آخرت نہیں۔ جذبات کی ابھرتی ہوئی موج ہے، رفعت ادراک نہیں،
غزل رفعتِ ادراک تک رسائی سے محروم، نعت عرش کی رفعتوں پر خندہ زن۔
خود نعت اپنا وصف اس طرح بیان کرتی ہے۔

ہے میرے لفظ لفظ میں گر حسن و دل کشی
اس کا یہ راز ہے مرا معیار آپ ہیں

آگے جا کر مصنف نے جمالیات کو موضوع بنایا ہے جمالیات، مقصد نبوت اور جمالیات۔ پھر رحمتِ عالم ﷺ کے حضور اُمتِ اسلام کی فریاد کا تذکرہ چھیڑا ہے اس کے بعد جمالِ مصطفیٰ بزبانِ مصطفیٰ ان کا موضوع بنتا ہے۔ اور خوب صورت تحریر کے ذریعہ اس شعر کی ترجمانی کر جاتے ہیں:

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

ان تمام ابواب میں انھوں نے قرآن حدیث اور شعرا کی نعتیہ شاعری کی بہت سی مثالیں اپنے موضوع کے حق میں دی ہیں کہ پوری کائنات جمال مصطفیٰ ﷺ کی نورافشانیوں میں سرمست ہے۔

ان ابواب میں انھوں نے ممتاز حسن (دیباچہ نگار ''خیر البشر کے حضور میں'') کی بھی خوب خبر لی ہے۔ تمام زندگی نعت سے دُور رہنے والے سے ایک نعتیہ انتخاب کا دیباچہ لکھوایا جائے تو فکری تضادات لازمی پیدا ہوں گے۔ ادیب رائے پوری نے اس امر پر بھی زور دیا ہے کہ کسی تنقید نگار کی تنقید حرفِ آخر نہیں ہوتی کبھی اس پر بھی تنقید ہوسکتی ہے اور اس تنقید کا فیضان ہے آج بہت سے پوشیدہ حقائق کھل کر سامنے آرہے ہیں۔ دوسرے تنقید نگاروں کی طرح حضرت خواجہ بندہ نواز گیسوؒ دراز کو دکنی شاعری کا پہلا نمونہ قرار دیا ہے۔ پھر ملا وجہی اور ان کے دور کے نعت گوشعرا کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ انھوں نے غیر معتبر روایات کا تعاقب کیا ہے کہ ان کی وجہ سے نعتیہ شاعری خصوصی میلاد ناموں کا روحانی مزاج درہم برہم ہوا۔

آگے ترقی پسند ادب کی بات چھڑتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے دل عشقِ نبی ﷺ سے خالی ہیں یہ نعت کیا لکھیں گے۔ انھوں نے ترقی پسند ادب کا شرح و بسط سے جائزہ لیا ہے مثالیں (ادبی اور شعری) دی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ قافلۂ ترقی پسنداں نعت سے تہی ہے۔ البتہ استثنائی مثالیں ہر جگہ

موج ہے، رفعت ادراک نہیں،
ت عرش کی رفعتوں پر خندہ زن۔

ہے۔

ر حسن و دل کشی

معیار آپ ہیں

الیات، مقصد نبوت اور جمالیات۔ پھر رحمتِ
ہے اس کے بعد جمالِ مصطفیٰ بزبانِ مصطفیٰ ان کا
عر کی ترجمانی کر جاتے ہیں:

آفتاب نہیں

کی تاب نہیں

ں نعتیہ شاعری کی بہت سی مثالیں اپنے موضوع
کی نورافشانیوں میں سرمست ہے۔
بشر کے حضور میں“) کی بھی خوب خبر لی ہے۔
نتخاب کا دیباچہ لکھوایا جائے تو فکری تضادات
پر بھی زور دیا ہے کہ کسی تنقید نگار کی تنقید حرفِ
قید کا فیضان ہے آج بہت سے پوشیدہ حقائق
طرح حضرت خواجہ بندہ نواز گیسوؒ دراز کو دکنی
ے دور کے نعت گو شعرا کا تفصیل سے تذکرہ کیا
ن کی وجہ سے نعتیہ شاعری خصوصی میلاد ناموں

ں کہ ان کے دل عشقِ نبی ﷺ سے خالی ہیں یہ
ح و بسط سے جائزہ لیا ہے مثالیں (ادبی اور
نعت سے تہی ہے۔ البتہ استثنائی مثالیں ہر جگہ

ہو سکتی ہیں۔ ادیب رائے پوری نے مولود ناموں اور معراج ناموں کے لیے بہت صفحات وقف کیے ہیں۔ صحابہ کرام کے ادوار سے لے کر دکنی دور اور آگے تک بہت بڑی تعداد میں ان کا تذکرہ بھی کیا ہے اور ان کی نعتیہ قدر و قیمت سے بھی آگاہ کیا ہے۔ آخری حصہ میں انھوں نے فروغِ نعت کے لیے کام کرنے والے ماہ نامہ ”شام و سحر“ لاہور، ”نعت رنگ“ کراچی کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے کہ ان میں تذکارِ نعت کے انوار بھی بکھر رہے ہیں اور تنقیدی مضامین بھی کثرت سے شامل ہو رہے ہیں۔ خاص طور سے ”نعت رنگ“ کے تنقیدی مقالات کی بھرپور پزیرائی ہو رہی ہے۔ اپنی کتاب کو دقیع تر بنانے کے لیے مصنف ”نعتیہ کلام میں فلسفۂ وحدت الوجود“ کا عنوان بھی لے آئے ہیں۔ یہ حصہ ان کی علمیت اور سخن طرازی کا خوب صورت اعزاز ہے جو عام آدمی اور نعت گو شاعر کی فکر سے ماورا ہے یہ حصہ مکمل طور پر علمی اور مناظرانہ ہے اس پر بہت بحث ہو سکتی ہے اور اس پر ان کی تصنیف لطیف کا اختتام بھی ہو جاتا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ کتاب اپنے موضوع سے مکمل انصاف کرگئی ہے کئی مقامات ادیب رائے پوری عوام الناس کے تخیلات سے بہت آگے چلے گئے ہیں۔ اکثر مضامین ناقدین حضرات کے لیے بے حد مفید تھے مگر کئی مضامین الگ سے کئی تصانیف کا تقاضا کر رہے تھے۔ بہرحال احساس ہوتا ہے کہ ادیب رائے پوری ادب کے سدرۃ المنتہیٰ تک پرواز کر رہے ہیں اور عوام الناس نیچے کھڑے حیرت سے ان کی بلندیوں کا تماشا کر رہے ہیں۔ بہرحال مصنف نے لکھا، خوب لکھا اور دل کھول کر لکھا۔

”اُردو میں حمد و نعت“ از ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط کی یہ تنقیدی کتاب ۲۰۰۰ میں شائع ہوئی۔ دو سو اسّی صفحات پر مشتمل اس کتاب کی اشاعتی ذمہ داری فضلی سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ، کراچی نے انجام دی۔ یحییٰ نشیط انتساب میں بھی اپنے موضوع کا تعارف کروا دیتے ہیں:

> اُن محققین و ناقدین کے نام جنھوں نے حمد و مناجات جیسی مقدس اصناف سے پہلوتہی نہیں برتی۔ اور اپنے افکارِ عالیہ اور دلائل فائقہ سے انھیں ایک ادبی مقام بخشا اور ان کے ادبی وقار کو مجروح ہونے سے بچالیا۔

مصنف یحییٰ نشیط اس حقیقت کا اعلان کرتے ہیں کہ خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔ بزم ہستی اس کے ترانے گاتی رہے گی مگر ایک زمانہ تک لوگوں کو خدا کی حمد و مناجات کے بارے میں لکھنے کا خیال نہ رہا۔ جب بزمِ انسانیت میں خدا کے شعور نے جنم لیا تو شعر گوئی بھی ہونے لگی شاہ ولی اللہ دہلوی نے ''حجتہ اللہ البالغہ'' میں زید بن عمر بن نقیل کے شعر نقل کیے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملاءِ اعلیٰ اور حاملین عرش کا ذکر زمانہ جاہلیت کے شاعروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ بعد میں عراقی، رومی، سعدی اور جامی جیسے لوگوں کے خوب اشعار ہیں۔ اس کے بعد مصنف نے حمدیہ شاعری کی مثالیں پیش کی ہیں۔ ماضی سے ہوتے ہوئے وہ کلیات قلی قطب شاہ عبداللہ قطب شاہ، حسن شوقی، محمد عادل شاہ، ملا اسد اللہ وجہی، ملا نصرتی تک پہنچتے ہوئے شمالی ہند کی طرف آتے ہیں۔ مصنف کے نزدیک ۱۷۵۰ء تک شاعری کے آثار نہیں ملتے البتہ تیاریاں نظر آتی ہیں۔ یہاں وہ ولی دکنی کے دور کا ذکر کرتے ہیں ولی کے ساتھ انھیں صوفی شاعر سراج الدین سراج نظر آتے ہیں مصنف نے ان شعرا کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور شعری مثالیں بھی دی ہیں۔ خانقاہی نظام کو مصنف زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں جس نے متصوفانہ شاعری کو فروغ دیا۔ خواجہ میر درد خانقاہی نظام کے بڑے شاعر ہیں۔ پھر مصنف میر حسن کی مثنوی سحر البیان کو موضوع بحث بناتے ہیں کیوں کہ ان کی شاعری میں حمد و نعت کی جلوہ گری ملتی ہے۔ پھر وہ میر اثر، میر تقی میر، محمد رفیع سودا، جرأت، انشا اللہ خان انشا کے بعد عوامی شاعر نظیر اکبرآبادی کو اپنی تحریر کا موضوع بناتے ہیں شاہ نیاز احمد بریلوی ناسخ مومن خاں مومن کی حمد نویسی کے ساتھ ساتھ دہلی کے ذوق، غالب، شیفتہ، صہبائی، صدر الدین آرزدہ جیسے باکمال اساتذۂ فن کو موضوع سخن بنا کر ان کے یادگار کلام سے شعری مثالیں بھی دیتے ہیں۔ اب ان کے سامنے مرثیہ کا میدان آتا ہے جہاں سلامت علی دبیر اور ببر علی انیس اپنے کلام سے زمانے کو مستفید کر رہے ہیں۔ یہاں مرثیہ اپنی بلندیوں کو چھو رہا ہے اور حمدِ خداوندی کی خوش بو پھیلی ہوئی ہے۔

دہلی اجڑتی ہے تو مجروح، داغ اور امیر مینائی کا دور نظر آتا ہے۔ مصنف نے الطاف حسین حالؔی کو طرزِ جدید کا علم بردار قرار دیا ہے۔ حالؔی کہتے ہیں:

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک وہ جلال تیرا

ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔ بزم ہستی
و خدا کی حمد و مناجات کے بارے میں لکھنے کا
جنم لیا تو شعر گوئی بھی ہونے لگی شاہ ولی اللہ
شعر نقل کیے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملاءِ اعلیٰ
بھی پایا جاتا ہے۔ بعد میں عراقی، رومی، سعدی
ند مصنف نے حمدیہ شاعری کی مثالیں پیش کی
عبداللہ قطب شاہ، حسن شوقی، محمد عادل شاہ، ملا
ف آتے ہیں۔ مصنف کے نزدیک ۱۷۵۰ء تک
یہاں وہ ولی دکنی کے دور کا ذکر کرتے ہیں ولی
ہیں مصنف نے ان شعرا کا تفصیل سے ذکر کیا
نف زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں
نقاہی نظام کے بڑے شاعر ہیں۔ پھر مصنف
وں کہ ان کی شاعری میں حمد و نعت کی جلوہ گری
ت، انشا اللہ خان انشا کے بعد عوامی شاعر نظیر
بریلوی ناسخ مومن خاں مومن کی حمد نویسی کے
لدین آرزدہ جیسے باکمال اساتذۂ فن کو موضوع
تے ہیں۔ اب ان کے سامنے مرثیہ کا میدان آتا
سے زمانے کو مستفید کر رہے ہیں۔ یہاں مرثیہ
ہوئی ہے۔
تا ہے۔ مصنف نے الطاف حسین حالی کو طرزِ

وہ ہے کمال تیرا
وہ جلال تیرا

اس دور میں اکبر الٰہ آبادی اور علامہ اقبال کے ہاں حمد اپنے پورے وقار کے ساتھ ملتی ہے۔ اس دور کے شعرا میں اصغر گونڈوی، محمد علی جوہر، جگر مراد آبادی، نظم طباطبائی، ریاض خیر آبادی جیسے باکمال بھی بارگاہِ خداوندی میں بسر خمیدہ حمد کے نغمے سناتے نظر آتے ہیں۔ مصنف نے حضرت علامہ اقبال کے ادبی اور شعری مقام کو پہچان کر ان کی شاعری کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ پھر سیماب اکبر آبادی، ظفر علی خاں تلوک چند محروم، جوش ملیح آبادی، حفیظ جالندھری، مجید امجد، ماہر القادری اپنی اپنی بہار لٹاتے نظر آتے ہیں۔

یہ تو تذکرہ ہو رہا تھا حمدِ خداوندی کا طاہر سلطانی آفتاب کریمی اور صبیح رحمانی کا تذکرہ کرتے ہیں بعض کی نعتوں میں بھی حمد ہی جلوہ گر نظر آتی ہے۔ ان کے ایک باب کا عنوان ہے۔ ''اُردو کی حمدیہ شاعری میں فلسفیانہ رجحان'' انھوں نے فلسفیانہ مباحث کے فوری بعد متصوفانہ جذبوں اور قرآن پاک کے حمدیہ کلام پر اثرات کا ذکر کیا ہے۔ یہ ابواب اپنی وسعتِ علمی کی بنا پر خصوصی طور پر قابلِ مطالعہ ہیں۔ ظاہر ہے جب ہر جگہ اللہ ہی اللہ ہے تو پھر حمدِ ربّ کریم کی جلوہ گری کیوں کر نہ ہوگی۔ جب یہ ابواب تمام ہونے لگتے ہیں تو مصنف بطورِ خاص ان حمد گو شعرا کا تفصیل سے تذکرہ کرتے ہیں جن کا وہ اب تک ذکر نہیں پائے تھے۔

اُردو میں حمد و مناجات اپنے موضوع کے لحاظ سے قابلِ قدر کاوش ہے اور اس کی ترتیب و تدوین، ادوار کے تعین اور کلام کی فراہمی میں مصنف کی داد دینی پڑتی ہے۔ سیّد یحییٰ نشیط علمی شکوہ اور تحقیقی سر بلندی کے حقدار ہیں۔ ایسے بڑے آدمیوں سے بڑے کام کی ہی توقع کی جاسکتی ہے۔ ہم ڈاکٹر جمیل جالبی جیسے قد آور ادیب سے اس کتاب کے فلیپ سے چند سطور کا انتخاب کرنا باعث مسرت سمجھتے ہیں ڈاکٹر جالبی کا کہنا ہے:

> ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط نے زیرِ نظر کتاب میں اردو حمد و مناجات کو موضوع مطالعہ بنایا ہے اور اس کی تاریخ اس کے ارتقا اور اس کے فلسفیانہ و صوفیانہ رجحانات کو سلیقے سے پیش کیا ہے۔ ''حمد'' ہر اس مذہب میں ملتی ہے جہاں خدا کا تصور موجود ہے اور جتنا یہ تصور جامع و مانع ہوگا اسی قدر حمد بھی دل میں اترنے والی اور پر تاثیر ہوگی۔ اسلام میں تصور خدا

جامع و مانع ہے اسی لیے مسلمانوں کی ہر زبان میں حمد و مناجات کا ایک طویل سلسلہ ملتا ہے۔ ڈاکٹر نشیط نے اس تصنیف میں اُردو شاعری کی روایتِ حمد کا اس انداز سے مطالعہ کیا ہے کہ اس کی واضح تصویر سامنے آجاتی ہے۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ اور رواں ہے جس کی وجہ سے قاری کتاب کو دلچسپی سے پڑھتا چلا جاتا ہے۔

کہتے ہیں ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں۔ جناب جمیل جالبی جیسے مقتدر صاحب قلم کی اس رائے پر بات ختم کرنا عین انصاف ہے۔

''جادۂ رحمت کا مسافر'' از ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی

ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی ایک ممتاز نقادِ نعت ہیں۔ ''نعت رنگ'' اور دوسرے رسائل میں آپ کے مضامین نظر نواز ہوتے رہتے ہیں، جب بھی لکھتے ہیں بڑی مہارت فن، محنت اور موضوعِ متعلقہ پر پوری گرفت رکھتے ہوئے لکھتے ہیں۔ زیرِ نظر تصنیف ''جادۂ رحمت کا مسافر'' ان کی قابلِ قدر کاوش ہے۔ یہ کتاب دنیائے نعت کے عصر حاضر میں معروف محسن، تنقید نگار، نعت گو، نعت خواں سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی کے متعلق مختلف اصحابِ قلم کے مضامین پر مشتمل ہے۔ سیّد صبیح رحمانی کا سب سے بڑا کام ''نعت رنگ'' ہے جسے وہ چاہتے تو ۴۸ یا ۶۴ صفحات ماہانہ کے حساب سے شائع کرسکتے۔ جب چاہتے بند کردیتے۔ نہ کوئی پوچھنے والا نہ گرفت کرنے والا۔ لیکن انھوں نے تنقیدِ نعت کا خاکہ ذہن میں ترتیب دیا اور اپنے مقصد کو تقدیر خداوندی کے حوالے کردیا۔ ''نعت رنگ'' کا پہلا پرچہ تنقیدِ نعت کا حسن لیے ہوئے تھا پھر تو ایک تاریخی نعت نگر آباد ہوگیا۔ ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی نے اس کتاب میں بڑے احسن طریق سے مضامین ترتیب دیے ہیں۔ انھوں نے صبیح رحمانی کی شخصیت اور کام کے حوالے سے ممتاز شخصیات کی تحریروں کا ایک گل دستہ ترتیب دیا ہے۔ یہ پھول جدا رنگت لیے ہوئے ہیں مگر تعلق تو سب کا گلستانِ نعت ہی سے ہے۔ یہ کتاب جس کی ضخامت ۱۳۶ر صفحات پر مشتمل ہے آفتاب اکیڈمی کراچی کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے ڈاکٹر حسرت کتب کثیرہ کے مصنف ہیں اس لیے ان کی مہارتِ ترتیب اظہر من الشّمس ہے۔

جادۂ رحمت کے مسافر یعنی سیّد صبیح رحمانی پر لکھنے والوں میں بڑی تعداد میں بڑے نام موجود ہیں۔ اس

ر زبان میں حمد و مناجات کا ایک
ں تصنیف میں اُردو شاعری کی
ہے کہ اس کی واضح تصویر سامنے
واں ہے جس کی وجہ سے قاری
ے
ل جالبی جیسے مقتدر صاحب قلم کی اس رائے پر

ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی

ت رنگ'' اور دوسرے رسائل میں آپ کے
ں بڑی مہارت فن، محنت اور موضوعِ متعلقہ پر
جادۂ رحمت کا مسافر'' ان کی قابلِ قدر کاوش
محسن، تنقید نگار، نعت گو، نعت خواں سیّد صبیح
ں پر مشتمل ہے۔ سیّد صبیح رحمانؔی کا سب سے بڑا
ت ماہانہ کے حساب سے شائع کر سکتے۔ جب
لا۔ لیکن انھوں نے تنقید نعت کا خاکہ ذہن میں
کر دیا۔ ''نعت رنگ'' کا پہلا پرچہ تنقید نعت کا
۔ ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی نے اس کتاب میں
نھوں نے صبیح رحمانی کی شخصیت اور کام کے
تیب دیا ہے۔ یہ پھول جدا رنگت لیے ہوئے
ب جس کی ضخامت ۱۳۶/صفحات پر مشتمل ہے
لٹر حسرت کتب کثیرہ کے مصنف ہیں اس لیے

یں بڑی تعداد میں بڑے نام موجود ہیں۔ اس

کے علاوہ صبیح رحمانؔی پر لکھے گئے تاثرات بھی شامل اشاعت ہیں۔ ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی نے مقدمہ خود لکھا یا لڑا ہے۔ یوں تو ہمارے لیے تمام نام ہی محترم ہیں مگر چند ناموں پر توجہ دیجیے۔ ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، ڈاکٹر عاصی کرنالی، ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط، پروفیسر شفقت رضوی، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، عزیز احسن، ریاض حسین چودھری، رشید وارثی وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح تاثرات قلم بند کرنے والے بھی سپہر علم وادب کے ستارے ہیں۔ ہم ناموں سے صرف نظر کر رہے ہیں۔

مقدمہ نگار اپنی تحریر میں لکھتے ہیں:

> صبیح رحمانی کی نعت زبان و بیان، اسلوب اور فکر وفن کی بے شمار خوبیوں کا مجموعہ ہے، ان کی زبان صاف اور سادہ، عام فہم، بامحاورہ اور روزمرہ کے مطابق ہے۔ ان کے ہاں عربی اور فارسی کے دقیق لفظ نہیں ہوتے نہ مشکل تراکیب ہوتی ہیں کہیں کہیں ہندی کے الفاظ ہیں لیکن وہ نامانوس نہیں ہیں۔ بولنے میں اکثر آتے ہیں اور مخصوص مفہوم ادا کرتے ہیں ان کے ہاں یقیناً تشبیہات اور استعارات کا استعمال ہے لیکن ان کے سمجھنے میں کوئی قباحت نہیں ہوتی۔ (ص ۸)

ڈاکٹر صاحب نے صبیح رحمانی کی آزاد نظموں کے اقتباسات بھی نقل کیے ہیں سیّد ابوالخیر کشفی نے بڑے دل کش انداز میں صبیح رحمانؔی کی نعت ''ہیں مواجہ پہ ہم'' کے بارے میں تاثراتی گفتگو کی ہے۔ ان کا اپنا ہی رنگ ہے۔ لفظوں کے سنہری جال اور ان میں فکر وفن کے شہباز قید کرتے ہیں اس پس منظر میں ان کے مضمون سے یہ آخری سطور ملاحظہ کیجیے۔

> ''ہیں مواجہ پہ ہم'' آپ نے دیکھا کہ آپ ''ہم'' کو کتنا کھینچ کر پڑھ رہے ہیں اور ''ہم کی گونج سے اسم ''محمدؐ'' ادا ہو رہا ہے محمدؐ لب پر، کاغذ پر، فضا پر، تصویر کے رنگوں میں... اس تصویر کے رنگوں میں روشنی ہے۔ وہ روشنی جو صرف نغمے کو تصویر کو روشن نہیں بنا رہی بلکہ لمحات بھی اس نور میں نہا رہے ہیں۔ اس تصویر میں، اس درودی فضا میں ایک کونے میں ہمارا شاعر بھی کھڑا ہے جس کا چہرہ ہمارے سامنے نہیں۔ محض ایک جھکی ہوئی گردن۔ ایک جھکا

ہوا سر اور یہ سر ساکت نہیں۔ اس کی خفی لرزشوں میں ایک امت کی ندامت اور ذوقِ حضوری کی تصویر ہے۔ اور پھر یہ چہرہ کروڑوں چہروں میں بدل جاتا ہے۔ ذرا غور سے دیکھیے یہ تو آپ کا چہرہ ہے۔ (ص ۱۷، ۱۸)

ہم چاہتے ہیں کہ آگے بڑھنے سے پہلے سیّد صبیح رحمانی کی شاعری پر ایک نظر ڈال لیں:

کسی وہم نے صدا دی کوئی آپ کا مماثل
تو یقیں پکار اٹھا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا
میں ہوں وقف نعت گوئی کسی اور کا قصیدہ
مری شاعری کا حصہ کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا
زیست کے تپتے ہوئے صحراؤں میں وجہ سکوں
ان کی یاد ان کی تمنا ان کی سیرت کا گلاب
اس عہدِ جبر میں ہر سو محبت کی اذاں گونجے
ہمیں ایسی دعا پھر اے حبیبِ کبریا دے دو
منزل قرب خدا میں وہ وہاں تک پہنچے
فاصلے گھٹ کے جہاں دو ہی کماں تک پہنچے
ہے جسم و جاں کا ہر گوشہ روشن مہکا مہکا
لگتا ہے قرطاس دل پر کوئی نعت اُترنے والی ہے
قلم کی پیاس بجھتی ہی نہیں مدحِ محمد میں
میں کن لفظوں میں اپنا اعترافِ تشنگی لکھوں
قلم خوش بو کا ہو اور اس سے دل پر روشنی لکھوں
مجھے توفیق دے یارب کہ میں نعت نبی لکھوں

ہم صبیح رحمانی کی نعت گوئی پر مقالہ نہیں لکھ رہے کہ ہم نے تو ان پر لکھنے والوں کے منتخب اشعار سے ننھا سا انتخاب کیا ہے۔ ''جادۂ رحمت کے مسافر'' کا انداز سفر کیا ہے۔ تھکا تھکا سے ہے یا بہارِ بے خزاں کی طرح تر و تازہ یہیں ہمیں ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی یاد آئے فرماتے ہیں:

شوں میں ایک امت کی ندامت
ہرہ کروڑوں چہروں میں بدل جاتا
ہے۔(ص۱۷،۱۸)
شاعری پرایک نظرڈال لیں:

وئی آپ کا مماثل
ھا نہ ہے نہ ہوگا
کسی اور کا قصیدہ
تھا نہ ہے نہ ہوگا
اؤں میں وجہ سکوں
کی سیرت کا گلاب
ت کی اذاں گونجے
بیبِ کبریا دے دو
ہ وہاں تک پہنچے
ہی کماں تک پہنچے
روشن روشن مہکا مہکا
عت اُترنے والی ہے
یں مدحِ محمد میں
عترافِ تشنگی لکھوں
ے دل پر روشنی لکھوں
میں نعت نبی لکھوں

نے تو ان پر لکھنے والوں کے منتخب اشعار سے ننھا
ر کیا ہے۔تھکا تھکا سے ہے یا بہارِ بے خزاں کی
ماتے ہیں:

صبیح رحمانی نعتِ سرکار کا وسیلہ تھامے قدم قدم آفتابِ نبوت کی ضیاباریوں کی جانب سفر کررہا ہے۔اسے اعتماد ہے کہ نورِ یقین اس کا راہبر ہوگا اور اسے احساس بھی ہے کہ وہ اس راہ میں اپنے عجز کے سہارے رواں دواں رہے گا۔(ص۲۲)

قارئین! یہ ہے جادۂ رحمت کے مسافر کا عزم سفر۔

عاصی کرنالی کا کہنا ہے کہ ''صبیح رحمانی روایتی اور مروّجہ نعت کے عطر سے اپنے دامن کو معطر کیے ہوئے ہیں۔عہدِ حاضر کے تناظر کی خوش رنگی بھی اس کی نظر سے مخفی نہیں'' ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط کے نزدیک صبیح کی نعتیہ شاعری سادگی اور پرکاری کا عمدہ نمونہ ہے، پروفیسر شفقت رضوی کے بقول ''صبیح رحمانی نے ذاتِ رسالت مآب کے عکسِ جمیل کو قرآن کی روشنی میں دیکھا ہے اور متاثر ہونے میں ان کا ایمان، ان کا اعتقاد اور ان کی محبت رسمی اور روایتی نہیں۔مطالعہ اور فکر سے حاصل دولت گراں مایہ ہے۔اس کی شہادت ان کے درج ذیل اشعار سے ہوتی ہے۔(ص۳۸)

حضور سیّدِ عالم کی زندگی کیا ہے
خدا گواہ مسلسل ہے بولتا قرآں

قرآں کے آئینے میں دیکھو تو دیدنی ہے
سرکار کی فضیلت لاریب، غیب لیکن

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے مطابق:

صبیح رحمانی نے خود کو نعت گوئی کے لیے وقف کردیا ہے۔نعت گوئی ان کی فطرت کا تقاضا ہے ان کی زبان وقلم کی یہی تمنا اور آرزو ہے اور وہ اس کے لیے ربِ عظیم کے مشکور ہیں کہ اس نے انھیں مدنی محبوب کا واصف وناعت بنادیا ہے۔(ص۵۵)

عزیز احسن کے لفظوں میں:

لبوں پر رسول ﷺ کا اسمِ گرامی آنے سے صرف شاعر کی ذات ہی منور نہیں ہوئی بلکہ اس نامِ پاک کی برکت سے شاعر دوسرے لوگوں تک روشنی پہنچانے کا وسیلہ بھی بن گیا ہے کیوں کہ اب اس کی نوا میں چراغ سے جلنے لگے ہیں۔(ص۹۸)

ریاض حسین چودھری کہتے ہیں:

صبیح رحمانی الفاظ کا چناؤ بڑی احتیاط سے کرتے ہیں۔ جذبوں کو بے لگام نہیں ہونے دیتے اور جدت طرازی کے شوق میں فن کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ان کی نعت میں سبک ندی کا ٹھہراؤ اور دھیما پن ہے۔ (ص۱۰۶)

رشید وارثی کے خیال میں صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری میں عشق کی نغمگی، شوق کی روانی اور جذبوں کی صداقت والہانہ انداز میں رقصاں نظر آتی ہے۔ (ص۱۱۴)

ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق کے مطابق:

صبیح رحمانی کے سامنے نعت کے موضوع پر کام کرنے کا وسیع میدان ہے۔ ان کی عمر جذبے، ادبی توانائی اور خلوص کو دیکھتے ہوئے اُمید کی جاتی ہے کہ نعت کے افق پر طلوع ہونے والا یہ چاند اپنے وقت پر بدر کامل بن کر چمکے گا۔ (ص۱۲۶)

حافظ لدھیانوی کے لفظوں میں:

صبیح رحمانی نے قوس وقزح کے رنگوں کو مختلف اصناف شاعری میں سجایا ہے۔ (ص۱۲۷)

پروفیسر محمد اقبال جاوید کے مہکتے ہوئے خیالات کے مطابق:

اس نوعمری میں صبیح رحمانی کو اگر محبوب خدا کی مدحت کی ایسی توفیق مل گئی ہے جس میں فکروفن کا ایک دلآویز امتزاج ہے کہ لفظ کلیوں کی طرح چٹکتے، ستاروں کی طرح دمکتے اور پھولوں کی طرح مہکتے ہیں تو یہ تاثر سراسر محبوب کی عطا ہے۔ محبّ کا اپنا فخر نہیں۔ (ص۱۳۵)

اس کتاب میں صبیح رحمانی کی آزاد نعتیہ نظمیں اور ان کی ہائیکو کے نمونے بھی پیش کیے ہیں ہم تبصرہ کی ہمہ رنگی کے لیے ان سے بھی انتخاب پیش کرتے ہیں:

سے کرتے ہیں۔ جذبوں کو بے
ں کے شوق میں فن کا دامن ہاتھ
ں سبک ندی کا ٹھہراؤ اور دھیما

نعتیہ شاعری میں عشق کی نغمگی،
الہانہ انداز میں رقصاں نظر آتی

ع پر کام کرنے کا وسیع میدان
ر خلوص کو دیکھتے ہوئے اُمید کی
نے والا یہ چاند اپنے وقت پر بدر

مختلف اصناف شاعری میں سجایا

بق:
خدا کی مدحت کی ایسی توفیق مل
یز امتزاج ہے کہ لفظ کلیوں کی
پھولوں کی طرح مہکتے ہیں تو یہ
فخر نہیں۔ (ص ۱۳۵)
ہائیکو کے نمونے بھی پیش کیے ہیں ہم تبصرہ کی

ہائیکو

صرف مدینے میں
اور کہاں پر اُگتے ہیں
سورج سینے میں

روشن ہیں چہرے
رنگ ہیں جن پر آقا کی
نسبت کے گہرے

سیرت کے انوار
سورج بن کر ابھرے ہیں
ان کے پیروکار

آزاد نعت

میں خوفِ عصیاں سے رو کے سویا
جو اپنا دامن بھگو کے سویا
تو اک سہانہ سا خواب دیکھا
کہ روزِ محشر ہے اور میں ہوں
مدد کو رحمت تلی کھڑی ہے
کرم کی برکھا برس رہی ہے
گنہ مرے کاغذی مکاں ہیں

چوں کہ یہ کتاب ایک شاعر کے حوالے سے تھی اور اظہارِ خیال کرنے والے بھی بہت تھے۔ ایک سے ایک بڑھ کر جادۂ رحمت کے مسافر کو خراجِ تحسین پیش کر رہا تھا اس لیے ہم نے ان کی شاعری اور مضمون نگاروں کی تحریروں سے چند اقتباسات پیش کیے ورنہ مضمون نگاروں کی تو ایک طویل فہرست تھی۔ ہم مرتب کتاب ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی کو بھی داد پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے خود بھی شاعر کو پہچانا اور اس کے حوالے سے موصولہ مضامین کو مناسب ترتیب بخشی۔ ڈاکٹر صاحب چوں کہ خود تحقیق و

تنقید کے فن سے اچھی طرح سے آگاہ ہیں، اس لیے انھوں نے حسنِ ترتیب اور پیش کش میں باوقار توازن کو مدنظر رکھا۔ ہم ڈاکٹر عاصی کرنالی کے اس شعر پر جو کتاب کے آخری صفحے پر ہے اس تبصرہ کو ختم کررہے ہیں:

میں ہوں حق گو مرا ہے قولِ صحیح
نعت گوئی میں منفرد ہیں صبیح

''نعت اور تنقیدِ نعت'' از ڈاکٹر پروفیسر ابوالخیر کشفی

یہ تنقیدی کتاب برصغیر پاک و ہند کے ممتاز صاحب قلم، معروف نعت گو اور بزرگ نقاد ڈاکٹر پروفیسر سیّد ابوالخیر کشفی کی ہے۔ اس میں پانچ مقالات ہیں۔ اسے طاہرہ کشفی میموریل سوسائٹی کراچی نے ۲۰۰۱ء میں شائع کیا ہے۔ مدیر ''نعت رنگ'' سیّد صبیح رحمانی نے ڈاکٹر صاحب سے اصرار کرکے یہ مقالے لکھوائے اور کتابی سلسلے ''نعت رنگ'' میں شائع کیے۔ ڈاکٹر کشفی بذاتِ خود ایک عہد ہیں۔ ادب وانشا کا زریں دور ہیں اور صبیح رحمانی بھی بلا کی چیز ہے۔ نہ کسی کی جوانی دیکھتا ہے نہ بڑھاپا۔ جوانی تو خیر دیکھنے والی چیز نہیں ہوتی (صاحبِ نعت کے لیے) لیکن صبیح رحمانؔی تو بڑھاپے کو بھی معاف نہیں کرتا۔ اس کی اہم دلیل کشفی صاحب سے لکھوائے ہوئے یہ مضامین ہیں دراصل کشفی انتہائی ملنسار، مشفق مزاج اور نرم گوشہ ہیں کہ کسی کو نہ کہہ ہی نہیں سکتے کشفی صاحب کی اسی خداداد لطافت کا فائدہ صبیح رحمانؔی نے اٹھایا اور نعت کا حسن جو پہلے ہی بکھرنے کے لیے ہوتا ہے اور زیادہ آب و تاب دکھانے لگا۔ اس کتاب میں شامل مضامین کے عنوانات ہیں'' نعت کے موضوعات''، ''نعت گنجینۂ معانی کا طلسم''، ''غزل میں نعت کی جلوہ گری''، ''اردو میں نعت کا مستقبل''، ''ہیں مواجہہ پہ ہم''۔

ڈاکٹر کشفی کے لکھنے کا اپنا ایک مخصوص انداز ہے۔ وہ زورِ قلم سے مخصوص فضا پیدا کرلیتے اور قاری ان کا ہم سفر ہو جاتا ہے۔ ان کا مطالعہ صرف قدیم اور جدید علوم تک ہی محدود نہیں بلکہ گرد و پیش کے زمانہ سے بھی باخبر ہیں۔ اس کتاب میں اگرچہ تمام مقالات کا تعلق نعت سے ہے مگر کتنے ہی موضوعات ان کے مضامین کی زینت بن گئے ہیں۔ ان کی تحریر میں معلوماتی عنصر کا غلبہ اس قدر ہے کہ ۱۷۴ صفحات کی یہ کتاب کئی کتابوں پر بھاری معلوم ہوتی ہے۔ کشفی صاحب نظریاتی شخصیت ہیں اقبال سے غایت درجہ عقیدت رکھتے ہیں فرماتے ہیں:

ھوں نے حسنِ ترتیب اور پیش کش میں باوقار
پر جو کتاب کے آخری صفحے پر ہے اس تبصرہ کو

ہے قولِ صحیح
رد ہیں صبیح

ڈاکٹر پروفیسر ابوالخیر کشفی

، معروف نعت گو اور بزرگ نقاد ڈاکٹر پروفیسر
۔ اسے طاہرہ کشفی میموریل سوسائٹی کراچی نے
رحمانی نے ڈاکٹر صاحب سے اصرار کر کے یہ
کیے۔ ڈاکٹر کشفی بذاتِ خود ایک عہد ہیں۔ ادب
۔ نہ کسی کی جوانی دیکھتا ہے نہ بڑھاپا۔ جوانی تو
لیکن صبیح رحمانؔی تو بڑھاپے کو بھی معاف نہیں
ئے یہ مضامین ہیں دراصل کشفی انتہائی ملنسار،
کتے کشفی صاحب کی اسی خداداد لطافت کا فائدہ
رنے کے لیے ہوتا ہے اور زیادہ آب و تاب
ت ہیں ''نعت کے موضوعات''، ''نعت گنجینۂ
ں نعت کا مستقبل''، ''ہیں مواجہہ پہ ہم''۔
قلم سے مخصوص فضا پیدا کر لیتے اور قاری ان کا
علوم تک ہی محدود نہیں بلکہ گرد و پیش کے زمانہ
تعلق نعت سے ہے مگر کتنے ہی موضوعات ان
لوماتی عنصر کا غلبہ اس قدر ہے کہ ۱۷۴ صفحات
صاحب نظریاتی شخصیت ہیں اقبال سے غایت

اقبال کی پوری شاعری اور اس کا فلسفہ خودی عشق عمل تعلق بالرسول ﷺ سے عبارت ہے۔ اقبال ملتِ اسلامیہ کے حدی خواں ہیں۔ اقبال کی شاعری اُردو نعتیہ شاعری کی معراج ہے جس نے ہماری اجتماعی فکر اور فن کو نئے دھارے اور رجحانات عطا کیے۔

دوسرے حصے میں انھوں نے علمائے حق کے خیالات قلم بند کیے ہیں اس مقالے میں طالبانِ علم کو نعت کے آداب، خصوصیت اور خاصیت علوم کے بڑے سبق آموز اشارات ملتے ہیں۔ ''نعت کے عناصر'' اور نعت کے مضامین بڑے معلوماتی اور علم و حکمت کی اک نئی دنیا اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں۔ اس میں نعت کے حوالے سے گھسے پٹے خیالات یا الفاظ قلم بند نہیں کیے بلکہ ہر جگہ اپنی انفرادیت برقرار رکھتے ہوئے اک نئی دنیا آباد کی ہے۔ انھوں نے نعت پر لکھتے ہوئے شریعت کے تقاضوں کو مدنظر رکھا ہے مگر اپنے زیرِ موضوع شعرا کی تنقیص یا تحقیر نہیں کی۔ کشفی صاحب کا یہ بیان درست ہے کہ نعت میں ہم جو لفظ بھی استعمال کرتے ہیں اس کا قبلہ درست ہونا چاہئے۔ ہمارے الفاظ سے ہی نبی کریم ﷺ سے ہماری عقیدت اور فکری تفہیم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کشفی صاحب اپنے حسنِ بیان سے زبان کے مزاج اور حدود کے اندر رہتے ہوئے نئے الفاظ اور تراکیب ایجاد کرتے ہیں۔ وہ اپنی بلندیٔ فکر سے بوسیدہ لفظوں کو نئی قبا عطا کر جاتے ہیں۔

صبیح رحمانی کے حوالے سے ان کا مضمون ''ہیں مواجہہ پہ ہم'' ایک یادگار مضمون ہے۔ ہم اس پر ''جادۂ رحمت کا مسافر'' کے حوالے سے ڈاکٹر کشفی کی تحریر سے مثالیں دے چکے ہیں۔ صبیح رحمانی سے انھیں بہت پیار تھا، یہ مردِ طرار انھیں نعت سنانے گیا تھا مگر قفسِ محبت میں انھیں قید کر دیا۔ اس مضمون میں ڈاکٹر کشفی نے مواجہہ میں حاضری کی کیفیت کو اپنے وجود پر طاری کیا ہے۔ انھیں صبیح رحمانی سے اس قدر پیار ہے کہ اس کتاب کا انتساب بھی صبیح رحمانی کے نام کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں تنقید اور تنقیدِ نعت پر تحریر کیا ہے کہ کبھی تو شاعر کو خود بھی اپنے کہے ہوئے شعر کے معانی منکشف نہیں ہوتے۔ ''ہیں مواجہہ پہ ہم'' میں ڈاکٹر کشفی نے خود کو اس کیفیت سے دوچار کیا ہے جس سے صبیح رحمانی گزرے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

صبیح نے اس نغمے کی تشکیل کے وقت اس بات کا التزام نہیں کیا ہوگا۔

ایسے نغمے تو آدمی کی روح میں ربِ صوت و آہنگ، مالکِ حرف ونوا اور خالقِ اظہار و بیان رکھ دیتا ہے۔ یہ صوت و آہنگ آدمی کے ساتھ ساتھ نشوونما پاتے ہیں اور پھر کسی لمحے اس کا اظہار ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ اس نعت کے لفظ ''ہم'' کو کھینچ کر پڑھیے اور آنکھیں بند کر کے محسوس کیجیے ''ہم'' کی گونج میں ایک ایسی موسیقیت کا ظہور رہتا ہے کہ اس کی گونج سے اسم محمد ﷺ ادا ہو رہا ہے۔''

یوں تو ڈاکٹر کشفی اپنے حُسنِ تصنیف وتنقید کے لحاظ سے کسی تبصرے کے محتاج نہیں مگر ہم سرشار صدیقی کے حوالے سے ان کی یہ سطور ضرور رقم کرنا چاہیں گے:

نعتیہ تصنیف کے عصری ہجوم میں یہ کتاب اس لیے بھی منفرد و ممتاز ہے کہ اس کے کسی مصرعے یا موضوع پر روایتی نعت کا سایہ نہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب خود ایک زندہ روایت کی طرح ایک عہد ساز کردار ادا کرے گی۔

اس کتاب میں ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کا ایک مضمون شاملِ اشاعت ہے ''غزل میں نعت کی جلوہ گری'' ڈاکٹر صاحب نے اپنے بیان کی وضاحت اور اپنے عنوان کو برحق ثابت کرنے کے لیے غزل گو شعرا کی درجنوں مثالیں دی ہیں۔ یہی مقام افسوس ہے کہ شاعر تو اسے غزل کہے اور ہر شعر کو اپنی غزل کا مستند شعر کہے اور کشفی صاحب جیسا صاحب فضیلت ونظریہ مسلمان اس بات پر بضد ہو کہ یہ نعت کا شعر ہے۔ مدتوں پہلے راقم اور محترم جناب پروفیسر محمد اقبال جاوید ایک ہی جگہ گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ میں پڑھاتے تھے۔ جب غالب پڑھاتے ہوئے یہ شعر آجاتا:

زبان پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لیے

تو ہم یک زبان ہو کر یہی کہتے کہ غالب! تو نے کیا غضب کیا۔ کاش تو نے تجمل حسین خاں کے آرام کو خراج پیش کرنے کے بجائے اسے صاف طور پر نعت کا شعر قرار دے دیا ہوتا تو بات ہی کچھ اور ہوتی، عاقبت بھی سنور جاتی (بہرحال عاقبت تو خدا کے حوالے ہے) نعت کا یہ شعر حضور ﷺ کی کسی نہ کسی ادا سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر یہ اشعار نعت کے کیسے ہو گئے۔ زیادہ سے زیادہ محبت اظہار کرنے

وت و آہنگ، مالکِ حرف ونوا
صوت و آہنگ آدمی کے ساتھ
ں کا اظہار ہو جاتا ہے۔
ینچ کر پڑھیے اور آنکھیں بند کر کے محسوس کیجیے
کہ اس کی گونج سے اسمِ محمد ﷺ ادا ہو رہا ہے۔"
سی تبصرے کے محتاج نہیں مگر ہم سرشار صدیقی

ب اس لیے بھی منفرد و ممتاز ہے
ایتی نعت کا سایہ نہیں۔ ہم تو یہ
روایت کی طرح ایک عہد ساز

اعت ہے "غزل میں نعت کی جلوہ گری" ڈاکٹر
و برحق ثابت کرنے کے لیے غزل گوشعرا کی
تو اسے غزل کہے اور ہر شعر کو اپنی غزل کا مستند
مسلمان اس بات پر بضد ہو کہ یہ نعت کا شعر
جاوید ایک ہی جگہ گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ میں
تا:

کس کا نام آیا
ری زبان کے لیے

ب کیا۔ کاش تو نے تجمل حسین خاں کے آرام کو
ت کا شعر قرار دے دیا ہوتا تو بات ہی کچھ اور
والے ہے) نعت کا یہ شعر حضور ﷺ کی کسی نہ
سے ہوگئے۔ زیادہ سے زیادہ محبت اظہار کرنے

کے لیے ڈاکٹر صاحب یہ فرما سکتے تھے۔

کہ کاش انھوں نے اتنے خوب صورت اشعار نعت کی نذر کیے ہوتے

معلوم نہیں اتنے بڑے محقق نے یہ اصرار کیوں کیا۔ ہمیں ہر لحاظ سے ڈاکٹر کشفی کا بلند مقام مقصود ہے۔ لیکن کیا بڑے غلطی نہیں کر سکتے۔ انھی کا تو فرمانا ہے کہ تنقید پر تنقید بھی نظریات، عقائد اور نعتیہ کلام اور مقالات کو پہلے سے بہتر بناتی اور سنوارتی ہے۔ اس حوالے سے تو "نعت رنگ" میں بحث چھڑ گئی تھی بہر حال ڈاکٹر صاحب نے بعد میں اپنی بات پر اصرار نہیں کیا۔ وہ بڑے آدمی تھے۔ اس لیے بات بھی دب گئی۔ انھی دونوں میں احمد صغیر صدیقی نے لکھا تھا:

> میں اس حد تک جناب کشفی سے متفق ہوں کہ اُردو غزل کے بے شمار اشعار میں نعت کے اشعار جیسا رنگ ہے لیکن میں اس بات کی تائید نہیں کرسکتا کہ انھیں نعت کا شعر کہہ کر مشتہر کیا جائے۔ یوں سمجھ لیں کہ غزل میں نعت کی جلوہ گری دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں مگر ان اشعار کو نعت کا شعر نہیں کہا جاسکتا۔ نماز پڑھنے کے لیے ہم جو حرکات کرتے ہیں انھیں "نیت" کے بغیر کریں تو یہ حرکات نماز نہیں کہی جاسکتیں۔ کوئی ان میں نماز کی جلوہ گری دیکھے تو یہ ایک دوسری بات ہوگی۔ بالکل اسی طرح جب تک واضح طور پر شاعر نے اعلان نہ کیا ہو کہ شعر نعتیہ ہے یا اس کے اندر ایسے الفاظ نہ آئے ہوں تو اسے نعت کا شعر ہی بناتے ہوں تب تک غزل کے اشعار کو نعت کا شعر نہیں کہا جاسکتا۔

("نعت رنگ"، کراچی، غزل میں نعت کی جلوہ گری ایک جائزہ از احمد صغیر صدیقی ص ۱۵۷)

جہاں تک اس کتاب میں شامل ڈاکٹر کشفی صاحب کے دوسرے نعتیہ مضامین کا تعلق ہے تو وہ خوب خوب دل نشین اور ان کے تحقیقی جذبے اور تنقید کی سربلندیوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ نعت کے موضوعات کے اختتام پر لکھتے ہیں:

> اپنے آپ کو حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرار دینے والے شاعروں کو بلند بانگ دعوے کرنے کی جگہ ان کے قدموں

میں بیٹھ کر نعت کے آداب کا سبق لینا چاہیے۔ صحابہ کرام کے انداز کی شاعری اس وقت ممکن ہے جب ہماری زندگی اور فکر کے تضادات ختم ہو جائیں صحابہ کرام سے نعت گوئی کے آداب جس طرح بوصیری، سعدی اور جامی و قدسی اور اقبال و ظفر علی خاں نے سیکھے، اسے سامنے رکھ کر ہی سفینۂ نعت آگے اور آگے گہرے پانیوں میں سفر کر سکتا ہے۔ (ص ۴۴)

اس طرح ان کا مضمون نعت کے عناصر پیش نظر ہے جو ''نعت اور گنجینۂ معانی کا طلسم'' کی توسیع ہے اور ایک طویل مقالے کی تلخیص ہے۔ اس میں انھوں نے نعت، اس کے تقاضوں، اس کی جدید ہیئت اور عصر حاضر کے اسلوب کے حوالے سے کئی پہلوؤں کو موضوع سخن بنایا ہے۔ ہم یہاں بھی ان کی دل کشا تحریر سے ایک اقتباس اپنے قارئین کی نذر کرنا چاہیں گے:

نعت کا اہم پہلو اور عنصر نبی آخرالزماں ﷺ کے مرتبۂ بلند کا شعور اور آگاہی ہے۔ آپ کے مقام کو قرآن اور احادیث نبوی ﷺ کے مطالعے سے سمجھا جا سکتا ہے اس کے بغیر افراط و تفریط کا ہی عالم رہے گا جو آج ہے۔ ہمارے بہت سے شاعر بعض وہ القاب و خطابات استعمال کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے فخرِ بنی آدم ﷺ کو اپنی کتاب میں سرفراز فرمایا ہے.... ضروری ہے کہ اپنی نعت کو معنوی طور پر سرمایہ بنانے کے لیے ہمارے شاعر اس طرف توجہ (یعنی مقامات ربانی اور القاب محمدیہ) دیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ سیّدالبشر ﷺ کا علم تمام انسانوں کے مجموعی علم سے زیادہ ہے۔ آپ پر تمام زمانوں کے ان رازوں کو فاش کر دیا تھا جن کا رشتہ انسانی نجات اور بہبود سے ہے لیکن **عالم الغیب و الشهادة** صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (ص ۳۰)

بلاشبہ ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی اُردو ادب کی آبرو تھے۔ نعت گوؤں سے والہانہ محبت رکھتے تھے۔ ان کے نظریات پر مادیت کے تقاضوں کی گرد کا ذرہ بھی نہ پڑ سکا دل یہ کہتا ہے کہ آج وہ شاد کام و مسرور اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں تذکارِ خیر کی جزا پا رہے ہوں گے۔

چاہیے۔صحابہ کرام کے انداز کی
ں زندگی اور فکر کے تضادات ختم
کے آداب جس طرح بوصیری،
لی خاں نے سیکھے، اسے سامنے
بوں میں سفر کرسکتا ہے۔(ص۴۴)

''نعت اور گنجینۂ معانی کا طلسم'' کی توسیع ہے
نے نعت، اس کے تقاضوں، اس کی جدید ہیئت
موضوع سخن بنایا ہے۔ہم یہاں بھی ان کی دل
ں گے:

ں ﷺ کے مرتبۂ بلند کا شعور اور
ن اور احادیث نبوی ﷺ کے
ر افراط و تفریط کا ہی عالم رہے
اعر بعض وہ القاب و خطابات
نے فخرِ بنی آدم ﷺ کو اپنی کتاب
اپنی نعت کو معنوی طور پر سرمایہ
ب توجہ (یعنی مقامات ربانی اور
ہے کہ سیّدالبشر ﷺ کا علم تمام
۔آپ پر تمام زمانوں کے ان
ی نجات اور بہبود سے ہے لیکن
تعالیٰ کی ذات ہے۔(ص۳۰)

ت گوؤں سے والہانہ محبت رکھتے تھے۔ان کے
ڑ سکا دل یہ کہتا ہے کہ آج وہ شاد کام و مسرور
ہوں گے۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

''اُردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر'' از پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی

یہ پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی کا تحقیقی مقالہ ہے۔اس پر انھیں پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا ہوئی ۶۶۰ صفحات (بڑے سائز کے) پر مشتمل یہ مقالہ جون ۲۰۰۱ء میں طبع ہوا۔اسے اقلیم نعت کراچی نے شائع کیا ہے۔انھوں نے پی ایچ۔ڈی کے اس مقالہ کو پانچ ابواب پر تقسیم کیا ہے۔پوری کتاب میں رطب و یابس بہت زیادہ ہے۔چوں کہ ڈاکٹر صاحب کا مقصد دورانِ تدریس تنخواہ میں اضافے کی مراعات حاصل کرنا نہیں تھا اس لیے انھوں نے فقط اور فقط ڈاکٹریٹ کی خاطر پی ایچ ڈی کی۔یہ امر مستحسن بھی ہے اور قابل داد بھی۔

پہلے باب میں انھوں نے عربی میں حمد لکھنے والوں کے اسما تفصیل سے رقم کیے ہیں۔اسی طرح عرب میں نعت لکھنے والوں کے نام تحریر کیے ہیں۔ساتھ ہی فارسی میں حمد و نعت کہنے والوں کے نام بڑی تعداد میں درج ہیں۔یہی سلوک وہ اُردو زبان کے شعرا سے کرتے ہیں۔شمالی ہند کا ابتدائی دور آتا ہے تو پھر شعرا کی ایک بڑی تعداد درج ہوتی ہے۔صوفیائے کرام کے نام الگ سے درج ہیں۔تمام زبانوں کی انھوں نے درجہ بندی کر دی ہے۔پھر وہ حمد و نعت کی تعریف کرتے ہیں۔ان کے نزدیک حمد کا وسیلہ ممنونیت الٰہی کا اساسی محرک ہے۔جب کہ نعت سیرت اقدس کے مطالعہ اور کردار سازی سے عبارت ہے۔پھر تہذیبی، قومی اور علمی مباحث کو سامنے لاتے ہیں۔وہ خدا کے تصور کی وضاحت کرتے ہیں۔تمام مذاہب کا جائزہ لیتے ہیں۔اس سلسلہ میں ان کی معلومات حیرت انگیز حد تک وسیع ہے۔وہ قرآن کو حمد الٰہی کا کامل صحیفہ سمجھتے ہیں اس سلسلہ میں ''تفہیم القرآن'' (مولانا ابوالاعلیٰ مودودی) کی تفہیمات سے مدد لیتے ہیں۔

نعت کی طرف آتے ہیں تو کہتے ہیں،''اگر خلق محمدی کی تجلیات مشاہدہ کرنا چاہتے ہو تو آئینہ قرآن پر نظر ڈالو۔سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تاریخی جملہ''کان خلقه القرآن'' ہمارے لیے قرآن کو

نعت کا اوّلین ماخذ قرار دیتا ہے جس میں آپ کے فضائل و محامد کے جلوہ ہائے نو بہ نو سے استفادہ کر سکتے ہو اور اس پیکر رشد و ہدایت کے مطالعہ سیرت کا اتباع کر کے دین و دنیا میں فوز و فلاح پا سکتے ہو۔" (ص ۶۳) یہاں انھوں نے ریاض مجید اور رفیع الدین اشفاق کے حوالے بھی دیے ہیں وہ حضور ﷺ کی ہمہ گیر شخصیت اور مقاماتِ عالیہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب نے نعت کے مآخذ کے حوالے سے نعت نگار شخصیات، ان کی کتابوں اور کاوشوں کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ نعتوں کے ڈھیر کے ڈھیر لگا دیے ہیں۔ شاید ہی کوئی نعتیہ شخصیت رہ گئی ہو جو ان کی نظر سے پوشیدہ رہی ہو۔

دوسرے باب میں فارسی شعرا کی روایات اور اُردو حمد و نعت کے چند اساسی محرکات پیش کیے ہیں۔ اس باب میں بھی علم کی وسعتیں ان کے پابہ رکاب چلتی ہیں جہاں وہ تھوڑے لفظوں سے کام لے سکتے وہاں غیر معمولی پھیلاؤ کا مظاہرہ کر گئے اس طرح قاری کا ذہن اُلجھ جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ قصیدہ، مثنوی، رباعی اور غزل کی اصناف میں فارسی حمد و نعت گوئی نے خوب رواج پایا اُردو شعرا نے زیادہ تر انھی اصناف کا اتباع کیا۔ بہت بعد میں دوسری اصناف اختیار کی گئیں۔ (ص ۱۸۳) ڈاکٹر عاصی کرنالی قادر الکلام شاعر ہیں اس لیے وہ بحور کی بحث میں اُلجھ جاتے ہیں کہ اُردو شعرا نے کن ادوار میں کون سی بحریں اور اوزان اختیار کیے یہ بحث ص ۱۸۲ سے ص ۱۹۰ تک پھیلی ہوئی ہے۔

دوسرا باب اُردو حمد و نعت کی روایت کے چند اساسی محرکات پر مشتمل ہے۔ انھوں نے بتایا کہ قرآن اوّل تا آخر حمدِ الٰہی کا خزینہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب حمد و نعت کے نفسیاتی و ماحولیاتی محرکین کا ذکر کرتے ہیں۔ حمد و نعت کا تہذیبی اور تاریخی اور ملی و قومی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ تہذیبی عوامل اور ادوار جوں جوں آگے بڑھتے گئے حمد و مناجات کو ترقی حاصل ہوتی رہی۔ نعت کے حوالے سے وہ مختلف محققین کی آرا درج کرتے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر فرمان فتح پوری فرماتے ہیں:

> نعت گوئی کا اوّلین محرک مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ذکر اذکار کرنا، ان کی سیرت و شخصیت سے عوام الناس کو روشناس کرانا، ان کی پیروی و تقلید کی ترغیب دینا اور ان کے نام پر درود و سلام بھیجنا کارِ ثواب اور ذریعہ نجات ہے۔ (ص ۲۰۳)

سائل ومحامد کے جلوہ ہائے نو بہ نو سے استفادہ
کا اتباع کر کے دین و دنیا میں فوز وفلاح پا سکتے
ع الدین اشفاق کے حوالے بھی دیے ہیں وہ
کرتے ہیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب
ں کی کتابوں اور کاوشوں کا بڑی تفصیل سے ذکر
ہی کوئی نعتیہ شخصیت رہ گئی ہو جو ان کی نظر سے

ت کے چند اساسی محرکات پیش کیے ہیں۔
ہیں جہاں وہ تھوڑے لفظوں سے کام لے سکتے
ں کا ذہن اُلجھ جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ قصیدہ،
وئی نے خوب رواج پایا اُردو شعرا نے زیادہ تر
اختیار کی گئیں۔ (ص۱۸۳) ڈاکٹر عاصی کرنالی
اتے ہیں کہ اُردو شعرا نے کن ادوار میں کون سی
تک پھیلی ہوئی ہے۔
رکات پر مشتمل ہے۔ انھوں نے بتایا کہ قرآن
ت کے نفسیاتی و ماحولیاتی محرکین کا ذکر کرتے
پیش کرتے ہیں۔ تہذیبی عوامل اور ادوار جوں
رہی۔ نعت کے حوالے سے وہ مختلف محققین کی
ے ہیں:

عقیدہ رہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ
ت سے عوام الناس کو روشناس
نا اور ان کے نام پر درود وسلام
س۲۰۳)

ڈاکٹر عاصی کرنالی کے بقول نعت کو پھیلانے میں صوفیائے کرام، سماع، جلسہ ہائے سیرت، نعتیہ مشاعروں، وسائل ابلاغ عامہ نے اہم کردار ادا کیا ہے فروغِ نعت اور فروغِ حمد کا تقابل کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

> راقم الحروف نے اپنی کئی تحریروں میں اس بات پر اظہار حیرت کیا ہے کہ نعت گوئی کے اس عہد میں ہمارے شاعروں نے حمد نگاری پر مناسب توجہ کیوں نہیں دی۔ سچ تو یہ ہے کہ حمد و نعت ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ (ص۲۰۶)

اگر ڈاکٹر صاحب کو اپنی اس تحریر کے حوالے سے اس خیال پر تعجب ہے تو ہم بھی ان کے اس تاسف کے اظہار پر توجہ کا اظہار کرتے ہیں۔ حمد بہت لکھی جا رہی ہے۔ لیکن سوچنا یہ ہے کہ کیا نعتِ مصطفیٰ ﷺ حمد سے الگ ہے؟ نعت کی صورت میں ہم ربّ کریم کا شکر یہ ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہم جیسے گناہ گاروں کو پاک کرنے کے لیے محمد ﷺ دیے۔ یہ تحدیث نعمت حمد نہیں ہے تو کیا ہے۔

ڈاکٹر عاصی کرنالی نے حمد و نعت میں صوفیانہ اور فلسفیانہ اندازِ نظر بھی ملحوظ رکھا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ وحدت الوجود اور فلسفیانہ طرزِ فکر میں بھی الجھ گئے۔ ہمارے خیال میں ڈاکٹر صاحب اس بحث پر الگ سے ایک کتاب لکھ سکتے ہیں۔

مقالے کا تیسرا باب حمدیہ شاعری اور نعتیہ شاعری کے موضوع پر ہے۔ اس میں انھوں نے حمدِ الٰہی کی وضاحت کے لیے معروف تحریر نگاروں کی رائے پیش کرتے ہوئے قدیم مذاہب میں خدا کے تصور کو اجاگر کیا ہے۔ پھر سے حمد کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے وہ آتش، نظیر، غالب، میر حسن، حفیظ جالندھری، جگر مراد آبادی، میر درد، میر تقی میر، حالی اور ظفر سمیت متعدد شعرا کی شعری مثالیں دیتے ہیں۔ انیس سے لے کر حالی، آتش تک مسلسل حمد کی تعریف، تہذیبی محرکات اور قومی تصورات کا ذکر کرتے ہیں آگے حمدیہ شاعری پر تنقید کا ذکر آتا ہے تو وہ بڑے دلکش انداز میں اپنے خیالات کی وضاحت کرتے ہیں۔ اس کے بعد نعتیہ شاعری کا موضوع تو یہاں بھی ان کی عقیدت بلندیوں کو چھوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ یہاں وہ حقیقی نعت گوئی کے تصور کو اجاگر کرتے ہیں وہ حقیقی نعت کو اس لیے زیادہ اہم سمجھتے ہیں کہ اس نعت کے کہنے کے لیے شاعر مکمل طور پر ایک خاص فضا بناتا ہے۔ اس میں

گنجائش ہوتی ہے کہ شاعر ایک مخصوص فضا تیار کر کے قاری تک اپنا مدعا پہنچاتا ہے۔ یہاں انھوں نے نعت گوئی کے اسالیب، ہائیکو، دوہے اور گیت کی وضاحت کی ہے۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی نعت پر تنقید کی مخالفت کرتے ہیں کہ ہم کسی نعت کو اچھے بُرے خانوں میں تقسیم نہیں کر سکتے۔ البتہ جہاں حدودِ نعت کی توہین ہو رہی ہو وہاں تنقید جائز ہے۔ وہ غلو کی سختی سے مخالفت کرتے ہیں۔

چوتھے باب کا عنوان ہے ''قدیم ادوار سے جدید ادوار تک حمد و نعت کا جائزہ'' اس میں انھوں نے جنوبی ہند شمالی ہند کے شعرا کا جائزہ لیتے ہوئے مرثیے میں حمد و نعت کے عناصر کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ہر علاقہ اور ہر دور کے شعرا کے نام تفصیل سے نقل کیے ہیں۔ غیر مسلم شعرا کا بھی جائزہ لیا ہے۔ جنوبی ہند میں انھیں محمد بن قاسم یاد آتا ہے اور پھر اُردو زبان کے وجود میں آنے کا تذکرہ ہوتا ہے۔ مولوی عبدالحق کی زبانی وہ مسلمانوں، درویشوں اور صوفیائے کرام کی مساعی کا ذکر کرتے ہیں۔ ان صوفیا نے وہاں کی زبان سیکھی اور دشمنوں کو اسلام کی طرف لانے کے لیے حمد و نعت کی جلوہ گری دکھائی۔ یہی کام فارسی زبان بولنے والے صوفیا اور شعرا نے کیا۔ دوسرے ناقدین کی طرح ڈاکٹر صاحب بھی حمد و نعت کا تذکرہ کرتے ہوئے منزل بہ منزل آگے کو بڑھتے ہیں۔ یہاں انھوں نے حمد و نعت کے اشعار سے بہت سی مثالیں دی ہیں۔ اب وہ طفیل ہوشیار پوری، صہبا اختر، اقبال عظیم تک آپہنچے ہیں اور ان کے حمدیہ اور نعتیہ کلام کے نمونے پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب شمالی ہند میں صوفیائے کرام کی حمد و نعت گوئی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس میں وہ غلام قادر شاہ، محمد فاضل الدین بٹالوی میر تقی میر، میر حسن، آتش، نظیر اکبر آبادی، مومن، مرزا غالب کا پھر سے ذکر کرتے ہیں اور ان کی شخصیات کے اجمالی تذکرہ کے ساتھ ان کے حمدیہ کلام کے نمونے پیش کرتے ہیں۔ یہاں وہ حافظ پیلی بھیتی، امداداللہ مہاجر مکی، کرامت علی شہیدی، غلام امام شہید، امیر مینائی کے کلام سے حمد و نعت کے نمونے دیتے ہیں ۱۸۵۷ء کے بعد کے دور میں الطاف حسین حالی کا تذکرہ بہت وسیع ہے۔ یہی حسن سلوک اکبر الہ آبادی کے لیے بھی ہے۔ اقبال اور ظفر علی خاں کے بعد مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی باری آتی ہے تو ان کے ساتھ حسن رضا خاں، اصغر گونڈوی، حسرت موہانی بھی ہیں۔

پانچواں باب عصر جدید کی حمد و نعت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس باب میں ضیا القادری بدایونی، بہزاد لکھنوی، ماہر القادری، حفیظ جالندھری، حافظ مظہر الدین، عبدالعزیز خالد، حافظ لدھیانوی، اعظم چشتی، اصغر حسین نظیر لدھیانوی، احمد ندیم قاسمی، راجا رشید محمود، محشر بدایونی، اقبال عظیم، ہلال جعفری کی شخصیات مقالہ کی

ری تک اپنا مدعا پہنچاتا ہے۔ یہاں انھوں نے
ت کی ہے۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی نعت پر تنقید کی
یں تقسیم نہیں کرسکتے۔ البتہ جہاں حدودِ نعت کی
الفت کرتے ہیں۔

 حمد و نعت کا جائزہ'' اس میں انھوں نے جنوبی
و نعت کے عناصر کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب
 کیے ہیں۔ غیر مسلم شعرا کا بھی جائزہ لیا ہے۔
 زبان کے وجود میں آنے کا تذکرہ ہوتا ہے۔
وفیائے کرام کی مساعی کا ذکر کرتے ہیں۔ ان
طرف لانے کے لیے حمد و نعت کی جلوہ گری
عرا نے کیا۔ دوسرے ناقدین کی طرح ڈاکٹر
زل آگے کو بڑھتے ہیں۔ یہاں انھوں نے حمد و
 طفیل ہوشیارپوری، صہبا اختر، اقبال عظیم تک
پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب شمالی ہند میں
۔ اس میں وہ غلام قادر شاہ، محمد فاضل الدین
، مرزا غالب کا پھر سے ذکر کرتے ہیں اور ان
م کے نمونے پیش کرتے ہیں۔ یہاں وہ حافظ
ام شہید، امیر مینائی کے کلام سے حمد و نعت کے
 حسین حالی کا تذکرہ بہت وسیع ہے۔ یہی حسن
ن خاں کے بعد مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی
ی، حسرت موہانی بھی ہیں۔

۔ اس باب میں ضیا القادری بدایونی، بہزاد لکھنوی،
ید، حافظ لدھیانوی، اعظم چشتی، اصغر حسین نظیر
 اقبال عظیم، ہلال جعفری کی شخصیات مقالہ کی

زینت بنی ہیں۔

غیر مسلم شعرا کی نعت گوئی کا ذکر چلتا ہے تو عرش ملسیانی سمیت کئی ہندو نعت گوؤں کا کلام ملتا ہے۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی کو ایک نیا انداز سوجھا اور انھوں نے نعت گو شعرا کو خط لکھ کر جوابات منگوائے جس میں بعض نعتیہ اشعار کے انتساب کے بارے میں استفسار تھا کہ وہ کس کے ہیں۔ یہ تمام جوابی خطوط ان حضرات کے اپنے اندازِ تحریر میں شائع فرما دیے۔ ان میں (استاد محترم) ڈاکٹر وحید قریشی، ظہیر احمد صدیقی، محشر بدایونی، ڈاکٹر نجم الاسلام، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی، منیر قصوری، کرم حیدری اور حافظ لدھیانوی کے نام شامل ہیں ہم نے یہ پی ایچ۔ ڈی کے مقالہ کا خصوصی انداز دیکھا۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی نے یہ مقالہ پورے سکون و اطمینان سے لکھا ہے۔ لگتا ہے کہ دورانِ تحریر ان پر کوئی روک ٹوک نہیں ہوئی۔ لہٰذا اشہب قلم نے جدھر کو چلنے کی اجازت طلب کی انھوں نے بخش دی۔ کئی مقامات پر ادوار کی ترتیب اپنا توازن کھو بیٹھی ہے۔ بے شمار مقامات پر چند مخصوص اصحاب کی آرا درج ہوئی ہیں۔ حالاں کہ یہ عمل ایک ہی دفعہ کافی تھا۔ ایک باب کے گزرنے کے بعد یوں لگتا تھا کہ پہلے کی صدائے بازگشت سن رہے ہیں۔ حالاں کہ اس سے بیش تر ڈاکٹر ریاض مجید کا ہندو پاک میں منفرد مقالہ منظر عام پر آچکا ہے۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی بہت بڑے شاعر ہیں۔ اتنے خوب صورت شاعر کہ رشک آتا ہے مگر انھوں نے اتنا طویل مقالہ لکھ کر مطالب کی تکرار سے حیران کردیا۔ شاید مقالہ کی طوالت اور مضامین کی ہم رنگی اور مخصوص شخصیات کے بار بار جلوہ گر ہونے سے ان کا مقصود یہ ہو کہ قارئین زیادہ سے زیادہ مضامین سے خوشہ چینی کرلیں اور مضامین ان کو ازبر ہو جائیں تو پھر تو طوالت اور تکرار کا مقصد خوب تھا۔ جناب ڈاکٹر عاصی کرنالی پی ایچ۔ ڈی تو ہو گئے دعا ہے کہ وہ ادبی رسائل و جرائد میں زیادہ سے زیادہ لکھیں۔ آج قدرت نے انھیں بڑا مرتبہ عطا کیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کی غیر معمولی ادبی و تنقیدی معلومات سے لوگ زیادہ مدتوں تک فیض یاب ہوتے رہیں۔ ہمیں ان سے غائبانہ محبت اور اسی محبت کے نام ہم اپنی درخواست دُہراتے ہیں کہ آنے والے وقت کا ہر لمحہ آپ کا منتظر ہے۔ اپنی تحریروں سے نوازیئے، تاریخ آپ کی منتظر ہے

''تیرا وجود الکتاب'' از پروفیسر محمد اقبال جاوید

پروفیسر محمد اقبال جاوید کی زیر نظر تصنیف ۲۰۰۱ء میں فروغِ ادب اکادمی گوجرانوالہ کے زیر اہتمام طبع

ہوئی۔۳۶۴رصفحات پر مشتمل یہ تصنیف لطیف اولیائے کرام کے ذوقِ نعت کی خوش بو لیے ہوئے ہے۔ چودہ صوفیائے عظام اور اولیائے کرام کا تذکرہ نہایت تاریخی اور تحقیقی انداز سے کیا گیا ہے۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید ممتاز ماہر تعلیم، نام ور محقق نعت، انشائے لطیف کے جواہر لٹانے والے قلم کار ہیں۔ آپ کی بہت سی کتب (مختلف موضوعات کے حوالوں سے) شائع ہو چکی ہیں۔ چوں کہ ہمارے مقالے کا موضوع تنقیداتِ نعت ہے اس لیے ہم نے ان کی نعتیہ کتب کا ہی انتخاب کیا ہے۔علم و ادب اور فکر و فن میں پروفیسر صاحب کے متعدد حوالے ہیں مگر آپ کا سب سے بڑا حوالہ حمد و نعت سے غیر معمولی محبت اور صوفیائے کرام کے تذکار سے وابستگی ہے شاید اس کا سبب ان کے والد محترم حضرت مولوی محمد شریفؒ کی روحانی تربیت میں پوشیدہ ہے۔ راقم نے ایک طویل عرصہ ان کی سربراہی میں پڑھایا اور اس طور ممتاز صاحبِ قلم کو پڑھنے کا موقع بھی ملا۔ انھیں سرکارِ دو عالم ﷺ کی نسبت سے پیار ہے۔ ان کی تحریریں مدت سے ممتاز جرائد نعت کی زینت بن رہی ہے، ماہ نامہ شام وسحر نے نعت نمبروں کا سلسلہ جاری کیا تھا اس کے لیے دل کھول کر لکھا۔ ماہ نامہ نعت اور سب کے لیے لکھتے رہے اور اب جب کہ ''نعت رنگ'' اوجِ مدحتِ حضور ﷺ پر جگمگا رہا ہے تو قارئین ان کی مسلسل تحریروں کے عادی ہو چکے ہیں۔ یہ سب رب کریم کی مہربانی اور سرکار عالی مرتبت کا فیض عام ہے جو اندھیروں کو روشنی گم ناموں کو شہرتِ عام اور وابستگانِ نعت کو زندگی کا دوام بخشتا ہے۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید نے ''تیرا وجود الکتاب'' کے لیے ایسی چودہ شخصیات کا انتخاب کیا جن کا تعلق دبستان تصوف سے بھی ہے اور وہ نعت کے حوالے سے بھی حوالے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

آپ کی تحریروں میں غیر معمولی دل کشی اور روانی ہے۔ آورد نہیں آمد ہے ان کی نثر پر انشائے لطیف اور انشائے لطیف پر شعریت کا گمان گزرتا ہے۔ فقروں کے جال بنتے اور خوب صورت تراکیب سے شہباز شکار کرتے ہیں۔

''ترا وجود الکتاب'' کے لیے صوفیائے کرام کے انتخاب کا یوں تذکرہ کرتے ہیں:

> قدیم ادبی تذکروں میں صوفی شعرا کی فنی، علمی اور فکری حیثیت کا اعتراف بہت کم کیا گیا ہے اور مجازی شعرا ہی کو اہمیت دی گئی ہے۔ حقیقت نگار شعرا کی خصوصیات کلام کا اگر ذکر بھی ہوا تو ان کی شاعری

رام کے ذوقِ نعت کی خوش بو لیے ہوئے ہے۔
اریخی اور تحقیقی انداز سے کیا گیا ہے۔ پروفیسر
ئے لطیف کے جواہر لٹانے والے قلم کار ہیں۔
س سے) شائع ہوچکی ہیں۔ چوں کہ ہمارے
ان کی نعتیہ کتب کا ہی انتخاب کیا ہے۔ علم و
ہیں مگر آپ کا سب سے بڑا حوالہ حمد و نعت سے
تگی ہے شاید اس کا سبب ان کے والد محترم
ہے۔ راقم نے ایک طویل عرصہ ان کی سربراہی
بھی ملا۔ انھیں سرکارِ دو عالم ﷺ کی نسبت سے
زینت بن رہی ہے، ماہ نامہ شام وسحر نے نعت
لکھا۔ ماہ نامہ نعت اور سب کے لیے لکھتے رہے
پر جگمگا رہا ہے تو قارئین ان کی مسلسل تحریروں
سرکار عالی مرتبت کا فیض عام ہے جو اندھیروں
ندگی کا دوام بخشا ہے۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید
انتخاب کیا جن کا تعلق دبستان تصوف سے بھی
تی ہیں۔

آورد نہیں آمد ہے ان کی نثر پر انشائے لطیف
کے جال بنتے اور خوب صورت تراکیب سے

کا یوں تذکرہ کرتے ہیں:

ں فنی، علمی اور فکری حیثیت کا
شعرا ہی کو اہمیت دی گئی ہے۔
گر ذکر بھی ہوا تو ان کی شاعری

> کے حمدیہ اور ناصحانہ پہلوؤں کی تو کچھ نہ کچھ نشاندہی کی گئی مگر نعتیہ گوشوں سے امتیاز برتا گیا۔ یہ چشم پوشی دراصل اسلام سے گریز کی شعوری یا لاشعوری ادبی کوشش تھی جب کہ حضور ﷺ کے حوالے کے بغیر حمد، مجرد توحید اور ناصحانہ اور مجرد تصوف ہیں جن کا اسلام سے کوئی سا تعلق بھی نہیں ہے کیوں کہ ہمارا ہر عقیدہ اور ہر نظریہ رسولِ پاک ﷺ ہی سے وابستہ ہے۔ (حرفِ آغاز، ص۹)

محمد اقبال جاوید نے زیرِ نظر کتاب میں صوفیائے عظام کے سوانحی خدوخال اور ان کی متصوفانہ اور نعتیہ شاعری پر روشنی ڈالی ہے۔ان کے اسمائے گرامی یوں ہیں۔حضرت احمد جام زندہ پیر، حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی، حضرت معین الدین چشتی، شیخ سعدی شیرازی، حضرت قطب الدین بختیار کاکی، حضرت بوعلی قلندر، مولانا جلال الدین رومی، مولانا نورالدین جامی، حضرت امداداللہ مہاجر مکی، حضرت احمد رضا خاں، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، حضرت بیدم وارثی، خواجہ محمد یار فریدی چشتی اس فہرست کو انھوں نے سنین عیسوی کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے۔

مصنف کی محنت کی داد دینا پڑتی ہے کہ اس فہرست میں حضرت احمد جامؒ جیسی ہستی بھی ہے جس سے دنیا بہت کم واقف ہے لیکن ان کی ایک ہی نعت ان کے نام کو صوفیوں کے دلوں کے لیے روح کی غذا بنا دیتی ہے۔ حضرت احمد جامؒ کے نام سے ایک زمانہ آگاہ ہے مگر جس قدر ان کا نام مشہور ہے اتنے ہی لوگ ان کے حالات سے بے خبر ہیں اور جو باقی صوفیائے کرام ہیں ان کے نام، ان کے فقہی اور تبلیغی کارنامے ان کی کرامات کے تذکروں سے تو دل مہک رہے ہیں مگر ان کی شاعری عوام کی نظروں سے اوجھل ہے۔ میرے خیال میں کتاب کا نام ''تیرا وجود الکتاب'' رکھنے سے مصنف کا مقصد ہی ان کی نعتیہ شاعری کو عام وخواص کے سامنے لانا تھا۔ اور بلاشبہ وہ اپنی سعی میں کامیاب رہے ہیں مصنف احمد جام زندہ پیل کا ذکر اس شعر سے زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے جس کے خالق سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

محمد اقبال جاوید کا کہنا ہے کہ احمد جام کی مقبولیت اور ہر دل عزیزی ان کی تصوف سے اَن مٹ وفاداری کا ثبوت ہے۔ جو بندہ خدا کی راہ میں مٹنا ہی نہ جانتا ہو وہ بندہ ہی کیا ہے۔ یہی نہیں کہ جناب اقبال نے احمد جام کی تیرہ نعتیں رقم کی ہیں جو آج کے حال مست قارئین کے لیے گلدستہ نو بہار ہیں۔ پروفیسر صاحب کا کہنا ہے کہ دکھ اور کرب انسان کو روحانی طور پر مضبوط سے مضبوط تر بنا دیتے ہیں احمد جام جیسا صوفی اور بھی نجانے مصائب کے کن تپتے ہوئے راستوں سے آیا مگر اس آبلہ پائی نے اسے ہر گام پر بارگاہِ خداوندی میں پہلے سے کہیں زیادہ سرفرازی عطا کی ہے۔

غوث یگانہ سیّدنا عبدالقادر جیلانیؒ رضا اور فنا کے بلند مقام پر فائز تھے۔ محمد اقبال کہتے ہیں:

> وہ مخبر صادق ہونے کے ساتھ ساتھ رشد و ہدایت کا ایک جامع ذریعہ تھے۔ وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تزکیہ بھی فرماتے چلے جاتے تھے یوں کتاب و حکمت کے رموز بھی کھلتے چلے جاتے تھے اور قلب و نظر کی ظلمتیں بھی نور بنتی چلی جاتی تھیں اور منصبِ ولایت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ (ص ۳۱)

شاہِ جیلان کا ذکر آتے ہی آپ لکھتے ہیں:

> آپ کی حیات مستعار کو اگر ''کمالِ عشق'' قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا بلکہ صدق آفرینی ہوگی کہ عشق کے عدد ۴۷۰ ہیں جو آپ کا سن پیدائش ہے اور کمال کے عدد ۹۱ ہیں اور ۹۱ برس کی عمر میں ہی آپ نے رحلت فرمائی۔ (ص ۱۹)

اس نکتہ آفرینی سے پروفیسر صاحب کی علم الاعداد سے واقفیت ظاہر ہوتی ہے حضرت غوث کی شاعری دیکھیے:

اے غبارِ خاکِ کویت سرمۂ چشم فلک
اے بتو محتاج خلق ہر دو عالم یک بہ یک
قصر رسالت از تو معمور
منشور لطافت از تو مشہور

غلامِ حلقه بگوشم رسولِ ساداتم
ز ہے نجات نمودن حبیب آیاتم

حضرت سیّدنا جیلانیؒ سلسلہ قادریہ کے بانی تھے۔ خدا نے آپؒ کو غیر معمولی علوم دینیہ اور بے پناہ کرامتوں سے نواز رکھا تھا۔ انھوں نے اپنے ایک شعر میں فرمایا ہے یہ اظہارِ واقعیت پر مبنی ہے۔ کیوں کہ اللہ والے کا قلم، صداقت رقم ہوتا ہے وہ کسی عالم میں بھی مبالغے کا شکار ہوکر دروغ کو فروغ کا رنگ نہیں دیا کرتا۔ وہ شعر یوں ہے ''میں خوشیوں کا بلبل اور ان کے تنوں کو خوشیوں سے پُر کرتا ہوں اور عالم بالا میں باز اشہب ہوں۔

یہ شاعر کی تعلّی نہیں ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ آپ سے اس قدر خوارق کا اظہار ہوا کہ انھیں پڑھ کر عقل انسانی سراپا عجز بن جاتی ہے۔(ص۳۳)

صفحہ۱۸۸ پر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ آپ تمام اکابرین ملتِ اسلامیہ کے نزدیک لائق تحسین ہیں۔ دیوبندی بریلوی کے جھگڑوں سے پاک تھے اس لیے نام ور شخصیات نے آپ سے بیعت کی آپ نے حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی سے فرمایا کہ میں ہند میں ایک بڑے فتنے کو اٹھتے دیکھ رہا ہوں۔ میرے خیال میں تمھاری وہاں موجودگی بہت ضروری ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میری یہ خواہش ہے میں آپ کو خلافت عطا کروں۔ سرکار گولڑوی نے عرض کیا حضور میں سیال شریف میں حضرت سیّد شمس الدین سیالوی سے بیعت ہوں۔ اس لیے میں حاجت محسوس نہیں کرتا۔ حضرت مہاجر مکی نے بار بار اصرار کیا تو سرکار گولڑوی نے کہا کہ میں اس صورت میں آپ کی جانب سے خلافت قبول کرتا ہوں کہ اسے من جانب اپنے پیر کی عطا کے سمجھوں گا۔ حضرت مہاجر مکی نے قبول فرمایا اور خلافت عطا کردی (بحوالہ ''مہر منیر'' از مولانا محمد فیض) اس سے ہم جیسے محدود فکر رکھنے والوں کو بہت بڑا پیغام ملتا ہے۔

آپ کی ممتاز تصنیف ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' نہایت مشہور و معروف ہے اور تمام اہلِ سنت کا اس پر اجماع ہے۔ اگر جملہ علمائے کرام اس پر اتفاق کرلیں تو کتنے ہی جھگڑے دم توڑ دیں۔ حضرت مہاجر مکی ارشاد فرماتے ہیں:

سب دیکھو نور محمد کا سب بیچ ظہور محمد کا

۔ ہر دل عزیزی ان کی تصوف سے اَن مٹ
جانتا ہو وہ بندہ ہی کیا ہے۔ یہی نہیں کہ جناب
مال مست قارئین کے لیے گلدستہ نو بہار ہیں۔
مانی طور پر مضبوط سے مضبوط تر بنا دیتے ہیں
ۓ ہوئے راستوں سے آیا مگر اس آبلہ پائی نے
رفرازی عطا کی ہے۔
م پر فائز تھے۔ محمد اقبال کہتے ہیں:
ہد و ہدایت کا ایک جامع ذریعہ
ں فرماتے چلے جاتے تھے یوں
لے جاتے تھے اور قلب و نظر کی
نصبِ ولایت کا تقاضا بھی یہی

ق'' قرار دیا جائے تو بے جا نہ
ے عدد ۴۷۰ ہیں جو آپ کا سن
۹۱ برس کی عمر میں ہی آپ نے

واقفیت ظاہر ہوتی ہے حضرت غوث کی شاعری

سرمۂ چشم فلک
عالم یک بہ یک
تو معمور
تو مشہور

جبریل مقرب خادم ہے سب جا مشہور محمدؐ کا

عقیدت کی بلندی اور پختگی دیکھیے:

نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا یقیں ہے　　　ہوا ہے یہ سب کچھ برائے محمدؐ
باعثِ ایجاد عالم ہے تو ہی　　　موجب بنیاد آدم ہے تو ہی
نہ ہوتا اگر پیدا احمد کا نور　　　نہ ہوتا دوعالم کا ہرگز ظہور

ہم تبصرہ کی طوالت سے گریز کرنے کے لیے اشعار کے انتخاب سے گریز کررہے ہیں۔

جناب عزیز احسن ''تیرا وجود الکتاب'' پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ان بزرگوں میں کوئی بھی اہلِ قال نہیں بلکہ ''اہلِ حال'' تھا۔ آج کے تو شعرا اور ادبا اور عوام الناس اس بات کا صحیح ادراک بھی نہیں کر سکتے کہ کوئی تحریر (بالخصوص تخلیقی نثر اور شعر) 'آئینہ حال' بھی ہوسکتی ہے لیکن متصوفانہ شاعری کے سلسلے میں بالخصوص اور نعتیہ شاعری کے معاملے میں بالعموم بعض اہلِ سلوک نے ایسا ہی رویہ رکھا تھا کہ ان کی شاعری ان کے احوال کا آئینہ بنی رہی اور انھوں نے ایک لفظ بھی اپنی اصل کیفیتوں اور عملی حالتوں کے خلاف نہیں لکھا۔

(''نعت رنگ'' کراچی شمارہ ۱۲، عزیز احسن، تیرا وجود الکتاب، ص ۱۹۰)

پروفیسر محمد اقبال جاوید نے ایسا گلدستہ سجایا ہے جس میں رنگا رنگ پھول ہیں۔ ان کے پیش نظر شخصیت کے ساتھ اس کا کلام بھی ہے اور وہ بھی نعتیہ کلام۔ انھوں نے کہیں بھی صداقتوں کے حسن کو پامال کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر سہواً ایسا ہوگیا ہوتو ربّ غفور الرحیم معاف فرمانے والا ہے۔ انھوں نے تعصب کی گرد چھان کر ان اکابر سے انصاف کیا ہے جو میرے بھی ہیں اور ان کے بھی ہیں مولانا احمد رضا خاں محدث بریلویؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> حضرت رضا کی نعت گوئی میں عشق کی وارفتگی احترام کا دامن تھام کر چلتی ہے شعر کی جمالیاتی دل پزیری احتیاط کی انگلی پکڑ کر رواں دواں نظر آتی ہے۔ ان کا علمی تبحر، دینی آ گہی، قرآنی بصیرت اور روحانی

ب جا مشہور محمدؐ کا

ہوا ہے یہ سب کچھ برائے محمدؐ
موجب بنیاد آدم ہے توہی
نہ ہوتا دوعالم کا ہرگز ظہور

انتخاب سے گریز کرر ہے ہیں۔
ئے کہتے ہیں:

بلکہ ''اہلِ حال'' تھا۔ آج کے تو
صحیح ادراک بھی نہیں کرسکتے کہ
آئینہ حال' بھی ہوسکتی ہے لیکن
ں اور نعتیہ شاعری کے معاملے
ں رویہ رکھا تھا کہ ان کی شاعری
ں نے ایک لفظ بھی اپنی اصل
ں لکھا۔

کراچی شمارہ ۱۲، عزیز احسن، تیرا وجود الکتاب، ص۱۹۰)

رنگا رنگ پھول ہیں۔ ان کے پیش نظر شخصیت
ھوں نے کہیں بھی صداقتوں کے حسن کو پامال
فور الرحیم معاف فرمانے والا ہے۔ انھوں نے
و میرے بھی ہیں اور ان کے بھی ہیں مولانا احمد

ں وارفتگی احترام کا دامن تھام کر
تیاط کی انگلی پکڑ کر رواں دواں
گہی، قرآنی بصیرت اور روحانی

> گداز ایک دل آویز سلیقے کے ساتھ شعر کے سانچے میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ ان کے ہاں علم وشعور اور جذب وجنوں کا ایک خوب صورت امتزاج ہے۔ الفاظ تراکیب کی فاضلانہ جلوہ گری بھی ہے۔ طویل بحروں میں عالمانہ افکار کا پرشکوہ اظہار بھی جا بجا ملتا ہے اور مختصر بحروں میں ایک والہانہ بے ساختگی بھی موجود ہے۔ وہ بطور شاعر قاری اور ناقد کو اس درجہ متاثر کرتے ہیں کہ اس کے لیے ان کی شاعرانہ اور ساحرانہ گرفت سے بچنا مشکل ہوجاتا ہے۔ (ص۲۳۸)

حضرت شاہ احمد رضا پر ان کا یہ مضمون تقریباً پچاس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ ہم مثالوں اور اشعار سے اس لیے گریز کرر ہے ہیں کہ یہ اشعار تو پہلے ہی زبان زدِ عام ہیں۔

اسی طرح انھوں نے محمد سلیمان منصور پوری کے حالات اور نعتیہ کلام پر بھی قلم اُٹھایا۔ قاضی کا بڑا احسان ہے کہ وہ ہمیں رحمت للعالمین ﷺ جیسی سیرت پاک کا تحفہ دے گئے ہے جس کا راقم نے متعدد مرتبہ مطالعہ کیا ہے اور اس کی اہمیت کو تسلیم کیا۔ قاضی صاحب نے جہاں بڑے بڑوں سے تعلیم حاصل کی وہاں انھوں نے حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی سے بھی اکتسابِ فیض کیا جن سے آپ کا سارا گھرانہ فیض حاصل کرچکا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریر میں نعت کی بلاغت کے ساتھ نعتوں کی گہرائی اور خاندانِ اہلِ بیت سے بھی غیر معمولی محبت کا سبق ملتا ہے۔ ان کے بعض پیراگراف تو اتنے خوب صورت اور رواں ہیں کہ میں اپنے مقرر شاگردوں کو ان کے تقریروں میں استعمال کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ پروفیسر صاحب نے ان سے دونوں حیثیتوں (شخصیت اور فن) میں انصاف کیا ہے۔ اب ایسے لوگ کہاں جو سب محبت وخلوص کی دولت تقسیم کرتے پھریں۔

حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی کے حوالے سے کہتے ہیں:

> حضرت مہر علی شاہ کی ذاتِ گرامی قدر اہلِ اللہ کے آخری سلسلے کی وہ نورانی کڑی ہے جس میں علمی بصارتیں اور قلبی بصیرتیں اپنے کمال کو چھوتی نظر آتی ہیں۔ نتیجہ معلوم کہ ایک دنیا نے ان سے اکتسابِ فیض کیا۔ (ص۲۶۹)

اسی طرح حضرت بیدم وارثی کے سلسلے میں بھی ان کا قلم عقیدت کے موتی بکھیرتا چلا جاتا ہے۔ان کے حوالے سے محمد اقبال جاوید کہتے ہیں:

> بیدم کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے مسائلِ تصوف کو غزل کے علائم و رموز سے یوں نکھارا کہ مجاز سے معرفت پھوٹتی، ابھرتی اور پھیلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔حق یہ ہے کہ جذبہ اور گداز شاعری فسون و اعجاز بنا دیتے ہیں کہ دل کی دنیا سے ابھرا ہوا نقش انتہائی پائیدار ہوتا ہے جب کہ بیان و بدیع کی کرشمہ سازیاں اس نقش حسیں کو تیر و نشتر بنا دیتی ہیں۔(ص۳۲۹)

عدم سے لائی ہے ہستی میں آرزوئے رسول　　کہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجوئے رسول
تلاش نقشِ کفِ پائے مصطفیٰ کی قسم　　چنے ہیں آنکھوں سے ذرّات خاکِ کوئے رسول

''اُردو میں نعت گوئی'' از پروفیسر شفقت رضوی

''اُردو میں نعت گوئی'' مشہور محقق پروفیسر شفقت رضوی کی تصنیف ہے۔۲۲۴ صفحات پر مشتمل یہ تصنیف جہانِ حمد پبلی کیشنز کراچی کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی ہے۔اس کا دیباچہ خواجہ رضی حیدر نے حصولِ برکت کے لیے چند سطور کے عنوان سے لکھا ہے جس میں وہ رقم طراز ہیں:

> یہ ایک مثالی تصنیف ہے۔ایسی تصنیف جو ادب و شعر کے حوالے سے نثر میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار کرنے والوں کے لیے رجحان ساز ثابت ہوگی...یہ مضامین انفرادی طور پر تو خیال و فکر کی سچائی کے نقیب تھے ہی لیکن اب یہ اپنے موضوعاتی تسلسل کے ساتھ قارئین کے ہاتھ آجائیں گے تو وہ یقیناً پروفیسر شفقت رضوی کی سخن فہمی، ذوقِ شعری، تحقیقی افتادِ طبع، دانش و عرفان اور اظہار و بیان کے بدیہی حسن کی بے اختیار داد دیں گے۔(ص۱۰)

لگے ہاتھوں پروفیسر شفقت رضوی کے اظہاریہ سے بھی ان کے مدعا کا اندازہ لگا لیجیے:

> فی زمانہ جس قسم کا نعتیہ ادب تخلیق ہو رہا ہے اس میں یا تو ہیئت کے

لم عقیدت کے موتی بکھیرتا چلا جاتا ہے۔ ان

تصوف کو غزل کے علائم و رموز
ق، ابھرتی اور پھیلتی ہوئی محسوس
اعری فسون و اعجاز بنا دیتے ہیں
پائیدار ہوتا ہے جب کہ بیان و
نیر ونشتر بنا دیتی ہیں۔ (ص۳۲۹)

لہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجوئے رسول
چنے ہیں آنکھوں سے ذرّات خاکِ کوئے رسول

ز پروفیسر شفقت رضوی

وی کی تصنیف ہے۔ ۲۲۴ صفحات پر مشتمل یہ
ی ہوئی ہے۔ اس کا دیباچہ خواجہ رضی حیدر نے
جس میں وہ رقم طراز ہیں:

جو ادب و شعر کے حوالے سے
نے والوں کے لیے رجحان ساز
ر تو خیال و فکر کی سچائی کے نقیب
ل کے ساتھ قارئین کے ہاتھ
رضوی کی سخن فہمی، ذوقِ شعری،
ہار و بیان کے بدیہی حسن کی

ان کے مدعا کا اندازہ لگا لیجیے:
رہا ہے اس میں یا تو ہیئت کے

تجربے ہوتے ہیں یا نظمیات کی بوالعجبی ہوتی ہے۔ بلاشبہ یہ خصوصیات اہم ہیں لیکن جہاں تک نعتیہ شاعری کا تعلق ہے ان کی اہمیت ثانوی ہے۔ زور ہیئت یا لفظ پر نہیں مضمون پر ہونا چاہیے۔ مضمون میں جس قدر اہم بات شامل ہوگی نعت اتنی ہی مؤثر ہوگی۔ شاعری کا بنیادی مقصد اثر انگیزی ہوتا ہے۔ (ص۱۳)

اس کتاب میں وہ مضامین چھپوائے گئے ہیں جو انھوں نے ''نعت رنگ'' یا دوسرے رسالوں میں چھپوائے ہیں۔ اگر ان جیسے نقاد نے ان مضامین کو رسالوں سے بے نیاز ہو کر حسنِ ترتیب سے لکھا ہوتا تو رنگ ہی اور ہوتا مگر رضوی صاحب کیا کریں۔ رسالے چھوڑتے کب ہیں۔ بس ایک بار کوئی صاحبِ کمال ہتھے چڑھ گیا اس کے لیے فرصت عنقا ہوگئی اوروں کو چھوڑیے اپنے صبیح رحمانی کم ہیں۔ انھوں نے اپنی زلف گرہ گیر نجانے کتنے آہوانِ پا شکستہ کو باندھ رکھا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو مجھ پر اور پروفیسر شفقت رضوی پر یکساں شدت اور صداقت سے اُجاگر ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ رضوی صاحب جی توڑ کر لکھتے ہیں۔ ممتاز ناقد ہونے کے حوالے سے تحقیق و احتیاط سے لکھتے ہیں جبھی تو جلد جلد پکڑے جاتے ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم بھی ان کے عادی ہوگئے ہیں۔

اتنے مانوس صیاد سے ہو گئے
اب رہائی ملی تو کدھر جائیں گے

پروفیسر شفقت رضوی نے اس کتاب میں ''اُردو نعت پر تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی کتب'' ایک طویل مضمون شامل ہے جو ''نعت رنگ'' شمارہ: ۱۰ کے لیے لکھا گیا۔ ہم نے بغور اس کا مطالعہ کیا تو صاف نظر آیا کہ انھوں نے دل لگا کر محنت کی ہے۔ یوں ہی نہیں ٹرخایا بلکہ اس مضمون کے رگ و پے میں اتر گئے۔ انھیں اس مضمون کی اشاعت تک جتنے پی ایچ۔ڈی کے مقالے دست یاب ہوئے یا نعت کے حوالے سے جو نثری کتابیں ملیں۔ ان سب پر لکھا کسی پر زیادہ کسی پر کم۔ میں نے پوری تحقیقی دلچسپی اور انہماک سے اس مضمون کو پڑھا۔ مجھے تو یہ مضمون کتاب کی جان نظر آیا۔ مضمون طویل بھی ہے اور خوب صورت بھی آپ نے لکھ دیا کہ موصوف خود اعتادی کی صفت سے عاری ہیں، اور پھر بلکہ وہ دوسروں کو

فوقیت دیتے ہیں، معلوم ہوا یہاں انگریزی یا کوئی اور زبان گھس آئی ہے۔ پڑھا تو ہم نے بھی ہے مگر اس شدت سے نہیں۔ قرضہ چڑھانے اور اتارنے والی بات بھی خوب کہی۔ خدائے کریم جناب رضوی کے قلم کو صداقتوں کے آفتاب سے ضیا عطا کرے۔ آمین

ہمارا مشورہ ہے کہ وہ اس مضمون کو وسعت دے کر الگ سے ایک نئی تصنیف پیش کردیں کیوں کہ اب تک پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا ہے اور نعت پر تنقیدی حوالوں سے متعدد نئی کتب منظر عام پر آ چکی ہیں۔ تنقید کتنی بھی اچھی کیوں نہ ہو حرفِ آخر نہیں ہوتی اس پر کسی اور صاحب تنقید کو مزید لکھنے کا حق ملتا ہے۔ اس طور نئے تنقیدی مضامین، تنقیدی زاویے اور نئے تنقیدی رجحانات جنم لیتے ہیں اس سے آنے والی نسل کو اس میدان میں خامہ فرسائی کی توفیق ہوتی ہے۔ پروفیسر صاحب نے خوب لکھا مگر پھر بھی بعض گوشے ایسے نظر آتے ہیں جن پر لکھنے کی مزید گنجائش تھی یا کئی جگہ ایسا لگا کہ رضوی صاحب یوں لکھتے تو اچھا تھا۔ مگر امر واقع کہ رضوی صاحب نے یوں ہی لکھنا ہے۔ وہ تو ایک متاع آنے والے دور کے حوالے کر رہے ہیں اگر آدمی ایک جگہ پر پاؤں توڑ کر بیٹھا رہے تو پھر نئی تصانیف سے ادبی دنیا کس طور جگمگائے گی۔

تمام تحقیقی کتب میں انھیں ڈاکٹر ریاض مجید کا پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ سب سے زیادہ پسند آیا جس کا انھوں نے برملا اظہار کیا ہے۔ اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے علاوہ انھوں نے ڈاکٹر محمد اختر چیمہ کے کے تاثرات سے چند سطور اخذ کی ہیں۔ یہ مضمون رسالہ ''اوج'' نعت نمبر ۲۔ ۱۹۹۳ء، ص ۳۲۶۔ ۳۴۷ ہم بھی وہی سلسلہ پروفیسر رضوی کی تائید میں نذر قارئین کر رہے ہیں:

> ڈاکٹر صاحب کا اس مقدس موضوع سے قلبی تعلق ان کی حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اطہر سے والہانہ عقیدت و ارادت اور دل بستگی و شیفتگی کا مظہر ہے۔ آں حضرت ﷺ کے اوصاف جمیلہ اور اخلاقِ حمیدہ کا ذکر خیر آپ کا سرمایۂ حیات ہے۔

اس کتاب میں اور بھی کئی مضامین شامل اشاعت ہیں مثلاً نعت کے حدود، چھمی نرائن کا معراج نامہ، غالب حضور رسالت مآب میں۔ دستِ دعا کا شاعر صہبا اختر، طاہر سلطانی کی نعتیہ شاعری، خوش خصال نعت گو صبیح رحمانی، اردو نعت میں جدید اسالیب پر ایک نظر ظاہر ہے کہ مضامین نہ تو تفصیلی ہیں

بان گھس آئی ہے۔ پڑھا تو ہم نے بھی ہے مگر
بات بھی خوب کہی۔ خدائے کریم جناب رضوی
ں

ں سے ایک نئی تصنیف پیش کردیں کیوں کہ اب
ت پر تنقیدی حوالوں سے متعدد نئی کتب منظرِ عام
ں ہوتی اس پر کسی اور صاحب تنقید کو مزید لکھنے کا
یے اور نئے تنقیدی رجحانات جنم لیتے ہیں اس
فیق ہوتی ہے۔ پروفیسر صاحب نے خوب لکھا
ی کی مزید گنجائش تھی یا کئی جگہ ایسا لگا کہ رضوی
احب نے یوں ہی لکھنا ہے۔ وہ تو ایک متاع
جگہ پر پاؤں توڑ کر بیٹھا رہے تو پھر نئی تصانیف

۔ ڈی کا مقالہ سب سے زیادہ پسند آیا جس کا
نے کے علاوہ انھوں نے ڈاکٹر محمد اختر چیمہ کے
ہ ''اوج'' نعت نمبر۲۔۱۹۹۳ء، ص۳۲۶۔۳۴۷
ں کر رہے ہیں:
سے قلبی تعلق ان کی حضور نبی
قیدت و ارادت اور دل بستگی و
ے اوصاف جمیلہ اور اخلاقِ حمیدہ

مثلاً نعت کے حدود، چھمی نرائن کا معراج نامہ،
ہبا اختر، طاہر سلطانی کی نعتیہ شاعری، خوش
پر ایک نظر ظاہر ہے کہ مضامین نہ تو تفصیلی ہیں

اور نہ ان میں وہ محققانہ اندازِ فکر سامنے آسکتا ہے جو اوّلین طویل مضمون پر ہے۔ یہ تو دوستوں کے بارے میں دوست کی گفتگو ہورہی ہے۔ اس لیے پہلے مضمون اور ان مضامین میں فرق رونما ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ ''نعت کے حدود'' ایک مختصر تحریر ہے جس میں رضوی صاحب نے کہا ہے کہ نعت کے معاملہ میں ہر لحاظ سے تقدس مدِنظر رکھا جائے۔ اسے نمود اور نمائش کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ لکھتے ہیں:

> عشقِ محمد ﷺ کتاب پر منحصر نہیں اس کے لیے روحانی تجسّس اور کیفِ روحانی بھی ضروری ہے علمائے حق نے مرتبہ شناسی میں زندگیاں صرف کردیں تو ایک ریزہ برابر جوہرِ آب دار نصیب ہوا جو ان کے لیے سرمایہ جاں سے زیادہ تھا۔ وہ شاعر جو تفسیر قرآن، سیرت پاک اور تاریخ کی زندہ ابدی قدروں کے فہم کی صلاحیتیں تو کجا ان کے نظری مطالعہ کی سعادت سے بھی محروم رہے نعت گوئی پر مائل نظر آتے ہیں۔ وہ صرف رسم پوری کرتے ہیں۔ نعت کہنا اور ہے نعت گوئی کا حق ادا کرنا اور ہے۔ (ص۱۱۶)

چھمی نرائن شفیق کے حوالے سے انھوں نے ایک ہندو شاعر کے معراج نامہ کا تذکرہ کیا ہے جسے خوش قسمتی سے میر غلام علی آزاد بلگرامی کی صحبت اور مجلس نصیب ہوگئی اور اس نے سخن فہمی اور شاعری میں بلند مرتبہ حاصل کرلیا۔ انھیں فارسی زبان سے بہت رغبت تھی اس لیے زیادہ شاعری بھی فارسی میں کی اور زیادہ کتب بھی فارسی ہی میں لکھیں۔ آزاد بلگرامی کی وساطت سے اس کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوگئی۔ یہی محبت سرکارِ دو عالم ﷺ کے عشق میں ڈھل گئی جس کی وجہ سے اس نے معراج نامہ لکھا ان کی نعت سے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

ہر دم تصورِ شہِ والا جناب ہو	لب پر ہمیشہ ذکر رسالت مآب ہو
ثانی تمھارا دونوں جہاں میں نہیں کوئی	آپ اپنی ہی نظیر ہو اپنا جواب ہو

''غالب حضور رسالت مآب میں'' ایک اوسط درجہ کا مضمون ہے۔ غالب نے کوئی نعتیہ مجموعہ چھوڑا ہوتا تو رضوی صاحب بھی تنقید و تحقیق کا جادو بکھیرتے مگر غالب تو دلی، بہادر شاہ ظفر، نوابین اور امرا کے مرہونِ منّت تھے جو ان کے لیے آسائشیں مہیا کرتے۔ اتنا بڑا شاعر اور اس قدر پریشان مگر غالب کو

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عشق تھا۔ شاید اس بہانے اس کے لیے نعت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ جو دو تین نعتیں نظر آتی ہیں ناقدین انھی کا طواف کر رہے ہیں:

حق جلوہ گرز طرزِ بیان محمد است　　آرے کلامِ حق بزبانِ محمد است
منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی　　قسمت کھلی ترے قد و رُخ سے ظہور کی
بر اُمتِ تو دوزخ جاوید حرام است　　حاشا کہ شا نکنی سوختگاں را

حسرت موہانی کی شاعری کے حوالے سے بھی پروفیسر صاحب کا مضمون شاملِ اشاعت ہے۔ انھوں نے ثابت کیا ہے کہ وہ شریعت کے ساتھ طریقت کے بھی قائل تھے۔ طریقت کوئی گناہ تو نہیں ہے۔ وحدت اور چیز ہے، طریقت اور چیز پہلا اہم ترین درجہ شریعت کا ہے۔ کہ مردِ مسلمان اسلامی تعلیمات کا خوگر ہو جائے۔ اسلامی تعلیمات اس کی مرکز و محور بن جائیں۔ پھر طریقت کی باری آتی ہے کہ مسلمان جو کچھ تعلیماتِ اسلامی سے سیکھے اس پر عمل کر کے بھی دکھائے یعنی عملی مسلمان بننے کے لیے طریقہ محمدی پر عمل پیرا ہو جائے۔ اس سادہ سے مفہوم کو ہم نے جدید دور کی اصطلاحات کے مطابق کیا سے کیا بنا ڈالا۔ جس شریعتِ طریقت کی اقبال نے نفی کی ہے اس کا شمار تو بتانِ عجم میں ہوتا ہے۔ اس کے خلاف اقبال نے جہاد بھی کیا اور کامیاب بھی رہے۔ وحدت الوجود، ہمہ اوست یا ہمہ از اوست وغیرہ الگ سے اصطلاحات ہیں۔

باقی محبت خداوندی فنا فی اللہ ہونا اور فنا فی الرسول ﷺ ہونا تو انعاماتِ خاص ہیں۔ زہے قسمت کہ کسی خوش بخت کو تصور رسول ﷺ کی دولت عطا ہو جائے۔ امیر مینائی کوئی واعظ یا قوال نہیں تھے۔ پکے سچے اور ہم جیسوں سے سربلند مسلمان تھے۔ وہ اگر نوازے گئے ہیں تو اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے والوں کا یہی اعزاز اور اکرام ہوتا ہے۔

آگے دستِ دعا کے شاعر صبا اکبر آبادی کا ذکر ہے۔ اس میں انھوں نے جو کچھ فرمایا ہے۔ یہ ان کا حق ہے۔ محبت کرنے کے لیے کسی محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب صبا اکبر آبادی جیسی شخصیت مل جائے تو اس سے پیار کیسے نہ کیا جائے۔ ہم تبرکاً ان کے دو نعتیہ شعر عرض کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

غلط کہ روئے نبی بے نقاب دیکھا ہے　　حجاب اٹھا ہے تو پھر اک حجاب دیکھا ہے

بہارِایماں کی جب آئی رسولِ حق کے پیکر میں   خزاں کا دور دفنایا گیا پھولوں کی چادر میں

آگے دو محترم شخصیات آگئیں ''طاہر سلطانی کی نعتیہ شاعری'' اور ''خوش خصال نعت گو۔صبیح رحمانی'' یہ پروفیسر شفقت رضوی کے بھی پیارے ہیں اور ہمارے بھی۔ جہانِ حمد کے مدارالمہام اور ایوانِ حمد کے مدیر طاہر سلطانی محتاجِ تعارف نہیں ۔شاعرِ حمد و نعت کے لقب سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ایک طویل عرصہ سے ان کی ادبی ریاضت جاری ہے۔اور ایک لمبی مدت سے رسائل اور کتب کی اشاعت پر بہت بڑا کام ہے۔ان کے حمدیہ اور نعتیہ مجموعے ''حمد میری بندگی'' اور ''نعت میری زندگی'' شائع ہوکر عوام وخواص سے خراجِ عقیدت حاصل کر چکے ہیں۔

''نعت رنگ'' کے مدیر صبیح رحمانی اپنی ذات میں انجمن ہیں۔تنہا ہیں مگر ایک زمانے کو ساتھ لیے ہوئے ۔اکیلے ہیں مگر ناقدین کا ایک گروہ ہے کہ ساتھ چل رہا ہے۔ نئے سے نئے تجربوں سے گزرنے کا عزم رکھتے ہیں۔درمیانہ قد مگر حوصلوں کی فراخی فکر وفن کی بلندی پہاڑوں کو شرماتی ہوئی۔ان پر کیا کہنا کیا لکھنا۔ یہ تو فراغت کے چند لمحوں سے بھی آشنا ہونے نہیں دیتے۔فیض نے شاید انھی کے لیے کہا ہے:

ہم نے جو طرزِ فغاں کی تھی قفس میں ایجاد
فیض گلشن میں وہی طرزِ بیاں ٹھہری ہے

اور ایک گزارش اپنے بڑے ہی پیارے ناقد پروفیسر شفقت رضوی سے۔ جب آپ اوروں پر لکھتے ہیں تو ارشاد یہی ہوتا ہے کہ تحریر طویل ہوگئی ہے شاعرانہ افکار اور شعریت نے جگہ زیادہ لے لی ہے۔ یہ تصنیف کے آخر میں مضمون نگار کے لیے آپ کا انعام ہوتا ہے مگر ہم تو خیال خاطرِ احباب کے لیے ایسا ہرگز نہیں کہیں گے کتنے صفحات کی داستان کو آپ کہاں سے کہاں لے گئے۔آپ کی تحریر پر بہت سے مقامات پر شعریت اور طوالت کا گمان گزرتا ہے مگر اسے تنقیدی تقاضا سمجھ کر آگے گزر جاتے ہیں۔آپ بھی یہ حوصلہ پیدا کیجیے ورنہ آپ کے معیار پر پھر کون پورا اُترے گا؟ آپ نے اظہاریہ میں جو لکھا خوب لکھا مجھے بہت پیارا لگا مگر خدارا چند لمحوں کے لیے اسے اپنے قلم کی حقیقت اور ذہن وفکر کی جولانیوں پر بھی طاری کیجیے۔

ایک طرف آپ شعریت اور نثری خوب صورتی کی مخالفت کرتے ہیں اور ساتھ ہی فرماتے ہیں:

اگر شعریت نہیں ہے تو وہ کلام کچھ اور ہے حمد و نعت نہیں ہے۔

کیا یہ جملہ وحی ہے یا حدیث ہے۔ یہ جملہ ایک اچھے ادیب، اچھے ناقد اور اچھے مسلمان کے پاکیزہ باطن کی تخلیق ہے بس جو مجھے پیارا ہے اور آپ کو بھی۔

عصرِ حاضر میں دیکھا ہے کہ کراچی والے اپنی کتابوں میں انگریزی کی اصطلاحات اور انگریزی اکابر کے خیالات کثرت سے پیش کرتے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم نے پھر سے ایم اے میں داخلہ لے لیا ہے اور انگریزی لٹریچر کا مضمون پڑھ رہے ہیں۔ آپ لوگ بڑے ادیب، نقاد اور قلم کار ہیں آپ لوگوں میں یہ احساس کم تری کیوں؟ آپ سے مراد آپ کی ذات نہیں بلکہ ایسے محققین ہیں جن کی انگریزی شناسی سے مجھ جیسے عاجز و کم ترین کو گزرنا پڑا۔ چلیے یہ کراچی کا ایک اور افتخار سہی!

تمام باتیں اپنی جگہ یہ حقیقت اپنا وجود منوا رہی ہے کہ پروفیسر شفقت رضوی عصر حاضر کے بڑے نقاد ہیں۔ کتاب کا بھرپور مطالعہ کرتے ہیں۔ موضوع سے انصاف کرتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب کا آخری عنوان اُردو نعت اور جدید اسالیب ہے جو عزیز احسن کی تنقیدی نعتیہ تصنیف ہے۔

''نعت اور آدابِ نعت'' از مولانا کوکب نورانی اکاڑوی

زیرِ نظر کتاب علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کی تصنیف ہے جسے ماہ نامہ ''ضیاء القرآن'' پبلی کیشنز لاہور نے ۲۰۰۳ء میں شائع کیا۔ اس کی ضخامت ۲۰۲ صفحات ہے۔ علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔ مذہبی حلقوں کی جان تو وہ تھے اب ادبی حلقوں کا بھی اعزاز بن گئے ہیں اس کا کریڈٹ سیّد صبیح رحمانی کو جاتا ہے۔ علامہ کوکب نورانی دنیا بھر میں جانے پہچانے جاتے ہیں ذرائع ابلاغ ٹیلی وژن ان کا بہت بڑا حلقۂ تعارف ہے۔ ان کے والد محترم خطیب مشرق علامہ محمد شفیع اوکاڑوی صاحبِ طرز خطیب اور ادیب تھے جن کی ولولہ انگیز خطابت کا تصور کر کے پرانے سامعین اب بھی آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ بخدا علامہ محمد شفیع اوکاڑوی نہایت خوش بخت تھے کہ انھیں شعائرِ اسلام کو چار دانگِ عالم میں پھیلانے والا لختِ جگر نصیب ہوا۔ کوکب نورانی بھی خوش بخت ہیں کہ اتنے بلند بخت والد ملے۔

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی بھی اپنے والد گرامی کی طرح صاحبِ تصانیف کثیرہ ہیں۔ صحت لفظی اور فقرات کے ادبی توازن پر عقابی نظر رکھتے ہیں۔ ادب کی دنیا میں تو وہ تصنیف و تالیف کے زمانے ہی سے تھے۔ ''نعت رنگ'' میں ان کی آمد نعتیہ مضامین پر خطوط کے حوالے سے ہوئی۔ پہلے ان کے خطوط

ہے حمد و نعت نہیں ہے۔

دیب، اچھے ناقد اور اچھے مسلمان کے پاکیزہ

ہیں انگریزی کی اصطلاحات اور انگریزی اکابر
ہوتا ہے کہ ہم نے پھر سے ایم اے میں داخلہ
۔ آپ لوگ بڑے ادیب، نقاد اور قلم کار ہیں
راد آپ کی ذات نہیں بلکہ ایسے محققین ہیں جن
ڑا۔ چلیے یہ کراچی کا ایک اور افتخار سہی!
ہ پروفیسر شفقت رضوی عصر حاضر کے بڑے
سے انصاف کرتے ہیں۔ زیر نظر کتاب کا آخری
تنقیدی نعتیہ تصنیف ہے۔

ولانا کوکب نورانی اکاڑوی

جسے ماہ نامہ ''ضیاء القرآن'' پبلی کیشنز لاہور نے
ہے۔ علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کا نام محتاجِ
لقوں کا بھی اعزاز بن گئے ہیں اس کا کریڈٹ
ں جانے پہچانے جاتے ہیں ذرائع ابلاغ ٹیلی
م خطیب مشرق علامہ محمد شفیع اوکاڑوی صاحبِ
تصور کر کے پرانے سامعین اب بھی آبدیدہ ہو
ت تھے کہ انھیں شعائرِ اسلام کو چار دانگِ عالم
خوش بخت ہیں کہ اتنے بلند بخت والد ملے۔
رح صاحبِ تصانیف کثیرہ ہیں۔ صحت لفظی اور
لمی دنیا میں تو وہ تصنیف و تالیف کے زمانے ہی
طوط کے حوالے سے ہوئی۔ پہلے ان کے خطوط

مختصر ہوتے تھے مگر نقادوں کی کثیر تعداد میں آمد نے ان کے خطوط کو طویل سے طویل تر کر دیا۔ نعت گوئی اور نعت خوانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> نعت شریف سے وابستگی ہر مومن کا خاصہ ہے میرے پیارے نبی پاک ﷺ سے محبت، کمال محبت، ایمان کی بنیاد اور ایمان کی جان ہی نہیں ایمان کی امان بھی ہیں۔ ہمارے اُردو معاشرے میں ''نعت'' کا لفظ میرے رؤف و رحیم رسولِ کریم ﷺ کی مدحت و ثنا کے حوالے سے مخصوص ہے۔ میری آنکھ اسی ماحول میں کھلی ہے جہاں ثنائے رسول ﷺ ہی وظیفہ تھا اور میں ان ہستیوں میں پروان چڑھا ہوں ذکرِ مصطفٰی ﷺ ہی جن کا شیوہ تھا۔ الحمدللہ اب یہی ذکر میری پہچان بھی ہے اور زیست کا عنوان بھی۔ (تقدیم سے اقتباس)

کوکب نورانی کو اکاڑوی نے خطوط نگاری سیّد صبیح رحمانی کے کہنے پر شروع کی شروع میں رویہ سرسری رہا جیسے عام خطوط کا ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ ان کا لہجہ عام خطوط سے ہٹ کر تحقیق نگاری کی طرف مائل ہو گیا۔ بہت سے قلم کاران کی مکتوب نگاری کی زد میں آئے۔ بعض تو خاموش رہے جب کہ بعض نے خم ٹھونک کر جواب دیا۔ مولانا کے خطوط سے معلوم ہونے لگا کہ وہ کسی بھی مضمون کو عام قاری کی حیثیت سے نہیں پڑھتے بلکہ پورے ''نعت رنگ'' کا مکمل مطالعہ فرماتے ہیں۔ ہم نے ایک مرتبہ کہا تھا:

> جناب صبیح رحمانی ''نعت رنگ'' کو اس طرح پڑھتے نہیں ہوں گے۔ وہ پروف ریڈر سے لے کر اصلاح نویس تک تمام فرائض انجام دیتے ہیں۔ الفاظ سے آگے جا کر شوشوں، خموں اور نقاط کا بھی حساب لگاتے ہیں۔ مضمون بھی آیات کے تحفظ اور ان کے سیاق و سباق پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ یہی حال احادیثِ شریفہ کا ہے۔ یوں سمجھئے کہ بال کی کھال تک اتار دیتے ہیں (اگر چہ یہ محض محاورہ ہے) اپنی نظر میں جسے حق سمجھتے ہیں اس پر ڈٹ جاتے ہیں۔''

مولانا نورانی کی یہ روش قائم رہی اور انھوں نے کتنے ہی اصحاب کی کتنے مواقع پر بازپُرس کی۔ بہرحال یہ امر طے ہے کہ جو لکھتے ہیں محنت کر کے لکھتے ہیں۔ کسی کے جذبات کتنے ہی مجروح ہوتے ہوں۔ بعض نے جواب آں غزل کے طور پر سخت لہجہ اختیار کیا مگر علامہ کوکب نورانی اپنی روش پر ڈٹے رہے۔ ایک صاحب کا کہنا تھا کہ ہم اپنے شائع ہونے والے مضمون کو پڑھنے سے پہلے جنابِ کوکب کے خط کو پڑھتے ہیں کہ کہیں ہم تو گرفت میں نہیں۔ جو ان کے خطوط کا جواب نہیں دیتے ان میں سے بعض کا کہنا ہے کہ ہم نے جواب دینے میں جتنا وقت صرف کرنا ہے اتنا ہی وقت ہم اپنی نگارشات کو کیوں نہ دیں۔ ان کی سوچ بھی مثبت ہے۔ اگر جواب الجواب کا سلسلہ شروع ہو جائے تو پھر نعت نمبر کا ہر شمارہ خطوط نمبر بن کر رہ جائے۔

کوکب نورانی کو علم اور ذہانت ورثے میں عطا ہوئے ہیں اور اپنے والد گرامی کی یہ میراث کو بہت زیادہ آگے لے جا رہے ہیں۔ البتہ خطوط نویسی انھیں ورثہ میں نہیں ملی تھی۔ بہرحال طبعِ رسا پر، خیالات کی آمد ہو، علم اور تحقیق کی چاندنی بکھری ہو تو آدمی نئے راستے بھی تراش لیتا ہے۔

مشفق خواجہ لکھتے ہیں:

> خطوط کا بنیادی موضوع تو نعتیہ ادب اور اس کے اظہار و ابلاغ کے مسائل ہیں۔ لیکن اپنے مطالعے کی خوبی اور استحضار کی بدولت مولانا کوکب نورانی نے ان کے مباحث کا دائرہ خاصا وسیع کر لیا ہے۔ ان خطوط میں کئی باتیں ایسی بھی آ گئی ہیں جو خود تنقید کے لیے بھی مفید مطلب ہیں یا پھر یہ کہ ان سے محض اس موضوع کے لکھنے والے ہی بلکہ پڑھنے والے بھی بخوبی استفادہ کر سکتے ہیں... مجھے تو اس کتاب کی اشاعت سے یوں بھی خوشی ہے کہ میں مولانا کوکب نورانی اور ان کے اوصاف کی وجہ سے دل سے پسند کرتا ہوں اور یہ توقع رکھتا ہوں کہ اس کتاب کی اشاعت ان کے لیے اپنے موضوع پر جم کر مبسوط کام کی تحریک پیدا کرے گی۔ (نعت اور ادب نعت، ص ۳۵)

مولانا کوکب کو ادب و انشا کی تحریک کا سامنا ہے۔ لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں۔ بولتے ہیں اور خوب

ے ہی اصحاب کی کتنے مواقع پر بازپُرس کی۔
ہیں۔ کسی کے جذبات کتنے ہی مجروح ہوتے
تیار کیا مگر علامہ کوکب نورانی اپنی روش پر ڈٹے
والے مضمون کو پڑھنے سے پہلے جنابِ کوکب
ان کے خطوط کا جواب نہیں دیتے ان میں سے
رف کرنا ہے اتنا ہی وقت ہم اپنی نگارشات کو
الجواب کا سلسلہ شروع ہو جائے تو پھر نعت نمبر کا

ا ہوئے ہیں اور اپنے والدگرامی کی یہ میراث کو
ہیں ورثہ میں نہیں ملی تھی۔ بہرحال طبعِ رسا پر،
می نئے راستے بھی تراش لیتا ہے۔

> ور اس کے اظہار و ابلاغ کے
> بی اور استحضار کی بدولت مولانا
> ائرہ خاصا وسیع کرلیا ہے۔ ان
> ں جو خود تنقید کے لیے بھی مفید
> س موضوع کے لکھنے والے ہی
> سکتے ہیں... مجھے تو اس کتاب کی
> مولانا کوکب نورانی اور ان کے
> وں اور یہ توقع رکھتا ہوں کہ اس
> موضوع پر جم کر مبسوط کام کی
> (نعت اور ادبِ نعت، ص ۳۵)

ے ہیں اور خوب لکھتے ہیں۔ بولتے ہیں اور خوب

بولتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم نے ان سے عرض کیا تھا کہ جتنا وقت آپ دوسروں کو دیتے ہیں اس سے کم وقت میں آپ ایک خوب صورت مقالہ تحریر کرسکتے ہیں۔ ادب و تنقید کے نقار خانے میں ہماری کون سنتا ہے۔ البتہ "نعت رنگ" کے احمد رضا خاں نمبر میں آپ کا فاضل بریلوی پر ڈیڑھ سو صفحات کا خوب صورت مقالہ شائع ہوگیا جسے جب چاہیں ایک باقاعدہ تصنیف کی صورت دے لیں۔ ہوسکتا ہے کہ کتاب چھپ بھی چکی ہو۔ جناب کوکب نورانی کی محنت لائق صد توجہ ہے۔ وہ دوسروں کو آئینہ دکھاتے ہیں یعنی ان کی غلطیوں سے آگاہ کرتے ہیں مگر پوری ادبی اور ناقدانہ اٹھان کے ساتھ۔ اس حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کا کہنا ہے:

> مولانا بات کہنے میں بھرپور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کا ذوق تعریف و توصیف کے دورانیہ میں بھی ناپسندیدہ بات پر گرفت کرنے سے خائف نہیں رہتا۔ ترجمہ میں سقم ہو یا اصطلاح میں کوتاہی کا احساس، مولانا برملا اظہار کرتے ہیں۔ استدلال ہمہ جہتی مگر پر جوش ہوتا ہے۔ ہر وہ لفظ یا جملہ جو قرینے کا حامل نہ ہو یا جس سے عظمتِ رسول ﷺ میں کسی تخفیف کا اشارہ بھی ملتا ہے۔ مولانا کی باریک بینی سے اوجھل نہیں رہتا... یہ بلاشبہ مولانا کے صدق یقین اور غیرتِ ایمانی کا مرحلہ ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک اس درِ رحمت پر آزادی فکر نہیں پابندی فکر ضروری ہے۔ (ص ۳۲)

آخر میں مولانا کی "تقدیم" سے دو تین سطور ملاحظہ ہوں جو مولانا کی تمام روحانی کیفیات کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہیں:

> مجھے احساس ہے کہ یہ تحریریں اہلِ علم و فہم کے ایک مخصوص حلقے تک پہنچی ہیں مگر ان کے ذریعے وہ کام شروع ہوا ہے جو رہ نما بھی ہے اور دُور رس بھی۔ سیّد صبیح رحمانی کا کہنا ہے کہ یہ مجموعہ خواص و عوام تک اس کام کو پھیلائے گا۔ (ص ۵۹)

''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' از عزیز احسن

نعت کی تخلیقی سچائیاں عزیز احسن کی تصنیف ہے جو نعت ریسرچ سینٹر کراچی کے زیر اہتمام ۲۰۰۳ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ ۲۴۸ صفحات پر مشتمل یہ کتاب بھی نعت کے حسن و جمال اور نعت کے ادبی اور فکری وقار کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے ہم اس سے پیش تر بھی عزیز احسن کی ایک تصنیف ''اُردو نعت اور جدید اسالیب'' پر اظہار خیال کر چکے ہیں۔ عزیز احسن کا شمار بھی صحرائے ادب و تنقید کے آہوانِ برق آمادہ میں ہوتا ہے جو بڑی سادگی سے سیّد صبیح رحمانی کے دامانِ محبت میں آگئے اور اب جائیں کہاں کہ واپسی کا راستہ بھی بھول چکے ہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے عزیز احسن نے اس کتاب میں نعت کے حوالے سے وہ سچائیاں پیش کی ہیں جو اس منزلِ شوق کی جانب بڑھنے سے پہلے پیشِ نظر رکھنا پڑتی ہیں۔ عزیز احسن سے کبھی ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا لیکن نعت وہ رشتہ ہے جو ظاہری ملاقاتوں کا پابند نہیں ہوتا بلکہ یہاں تو محبت کا یہ حال ہے کہ ایک کے پاؤں میں کانٹا چبھے تو دوسرے کو اس کی چبھن محسوس ہوتی ہے اور ایک خوشبو کو پھیلائے تو دوسرے کے مشامِ جان کو معطر کرنے لگتی ہے۔ یہاں زمانی و مکانی فاصلے نہیں ہوتے۔ نعت میں یہ تمام فاصلے ناقابلِ قبول ہیں۔ عزیز احسن خوش بخت ہیں کہ ان کے قلم سے اتنی تیزی سے نعتیہ مقالات، تبصرے اور کتب وجود میں آ رہے ہیں۔ ان کی تحریروں میں سادگی اور خلوص ہے اُردو الفاظ کے لحاظ سے وسیع ذخیرہ رکھتی ہے۔ میری خواہش ہے کہ وہ انگریزی کے غیر ضروری الفاظ کا استعمال چھوڑ دیں گلستانِ نعت کی سجاوٹ کے لیے اس زبان کی پیوندکاری کی ضرورت نہیں۔ اجنبیت کا احساس ہوتا ہے۔ بعض الفاظ تو ویسے ہی تحریر کے لیے اُردو کا حصہ بن چکے ہیں۔

سچائی کو کون نہیں جانتا۔ کون نہیں پہچانتا۔ عزیز احسن کے ہاں سچائی کا عنصر غالب ہے۔ خلوص فکر نعت نے انھیں دامانِ رسول ﷺ سے پختہ وابستگی کا اعزاز بخش دیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کتاب کے آغاز میں وہ نعت یا تنقید نعت کے بارے میں کن خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

> میں نعت کو تنقید سے بالا صنفِ سخن تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔
> نعت انسانی کوششوں سے وجود میں آتی ہے اور شاعری میں قطعیت کا
> عنصر کبھی بھی غالب نہیں رہا ہے۔ شاعری تو خیر شاعری ہے وحیٔ ربانی

ں'' ازعزیز احسن

ریسرچ سینٹر کراچی کے زیرِ اہتمام ۲۰۰۳ء میں
ں نعت کے حسن و جمال اور نعت کے ادبی اور
ے پیش تر بھی عزیز احسن کی ایک تصنیف ''اُردو
زیز احسن کا شمار بھی صحرائے ادب و تنقید کے
ر صبیح رحمانی کے دامانِ محبت میں آ گئے اور اب
یسا کہ نام سے ظاہر ہے عزیز احسن نے اس
ں جو اس منزلِ شوق کی جانب بڑھنے سے پہلے
شرف حاصل نہیں ہوا لیکن نعت وہ رشتہ ہے جو
یہ حال ہے کہ ایک کے پاؤں میں کانٹا چبھے تو
و پھیلائے تو دوسرے کے مشامِ جان کو معطر
ے۔ نعت میں یہ تمام فاصلے ناقابلِ قبول ہیں۔
سے نعتیہ مقالات، تبصرے اور کتب وجود میں
ردو الفاظ کے لحاظ سے وسیع ذخیرہ رکھتی ہے۔
استعمال چھوڑ دیں گلستانِ نعت کی سجاوٹ کے
کا احساس ہوتا ہے۔ بعض الفاظ تو ویسے ہی تحریر

ے ہاں سچائی کا عنصر غالب ہے۔ خلوصِ فکر نعت
ش دیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کتاب کے
ت کا اظہار کرتے ہیں:
کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔
ں ہے اور شاعری میں قطعیت کا
ری تو خیر شاعری ہے وحئ ربانی

سے گریزاں کسی بھی علم کی حیثیت گمان سے زیادہ نہیں۔ ظن و تخمین کی
اسی دنیا کا نقشہ یاس یگانہ چنگیزی نے اس طرح کھینچا تھا:

علم کیا علم کی حقیقت کیا
جیسی جس کے گمان میں آئی

اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم نعت گو شعرا کو ظن و تخمین اور نرے گمان کی بھول بھلیوں سے نکال کر ایقان کی واضح اور روشن شاہراہ پر گامزن ہونے کا مشورہ دیں۔ اس مشورے پر کون عمل کرتا ہے کون نہیں کرتا اس کی فکر ہمیں نہیں ہونی چاہیے۔

(نعت کی تخلیقی سچائیاں، ص ۱۰)

عزیز احسن صاحب نے نعت کی تعریف تو خوب بیان کی مگر جیسی جس کے گمان میں آتی ہے نہ گنجائش ہے نہ اجازت اور نہ ہی ایسی کسی بات کو سننے کی ہمت۔ عزیز احسن کی یہ کتاب مختلف نعتیہ مضامین کا مجموعہ ہے جس پر وہ شرمسار ہیں حالاں کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ تمام اُردو نعت ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ علاحدہ علاحدہ ہو کر بھی ایک ہیں۔ یہاں وحدت بھی ہے اور یک جائی بھی۔ حسن کے شہ پارے کبھی الگ الگ نہیں ہوتے۔ ''معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود'' ایک خوب صورت مضمون ہے جس میں انھوں نے بڑے حوصلے سے سچائی سے کام لیا ہے۔ یہاں انھوں نے غلط تبصروں کا تعاقب کیا ہے اور اچھا لکھنے والوں کے لیے تحسین و آفرین کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' آپ اپنا تعارف کروا رہا ہے۔ اس میں انھوں نے ان شعرا کا تعاقب کیا ہے جو نعت لکھتے ہوئے سوچ سے عاری ہوتے ہیں اور قدم قدم پر فکری و روحانی لغزشوں سے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کر دیتے ہیں۔ ان کا اگلا مضمون ہے ''غالب کی اُردو شاعری میں مضامینِ نعت کا فقدان'' اس میں انھوں نے بتایا ہے غالب اُردو میں نعت کہہ نہیں سکا۔ کھینچ تان کر یا ایک آدھ شعر نکال کر نعت کہہ دینا اور بات۔ اُردو شاعری میں جو کچھ اس نے حضرت علی کے لیے کہا نعت کا تقدس اس کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ خدا سے شوخیاں کرنے والا محبوب خدا ﷺ سے کس طرح کس نوعیت کی شوخی کا متحمل ہو سکتا تھا۔'' ردیفوں کے مثبت استعمال کی تحریک میں انھوں نے شعرا کو پھر نعت کے بارے میں محتاط ہونے کا مشورہ دیا ہے۔ ''نسبت احساس اور لطافت کا مرقع'' ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کے مجموعہ نعت پر خوب

صورت تحریر ہے۔ روائتی نہیں بلکہ انھوں نے روایات شکن مضمون لکھا ہے۔ ''ثنائے محمدؐ'' کے نام سے انھوں نے ایاز صدیقی کی نعتیہ کاوش پر اظہار خیال کیا ہے (آغاز لارنس سے ہو رہا ہے) ''ارمغانِ حافظ اسی طرح سے حافظ عبدالغفار کے شعری مجموعہ پر تبصرہ ہے۔'' نعتِ نبی میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں بڑا علم افزا مضمون ہے۔ کسی کو ناپسند آئے تو اپنی جگہ عزیز احسن نے محبت اور فہمائش دونوں سے کام لیا ہے۔ آخری مضمون ہے ''پاکستان میں اُردو نعت نصف صدی کا سفر'' نہایت جان دار اور ایمان افروز تحقیقی کاوش ہے۔ شاعر نے اُردو نعت لکھنے والوں کی پچاس سالہ کاوش کا جائزہ لیا ہے۔ محاکمہ بھی کیا ہے۔ بعض جگہ جھنجوڑا ہے اور بعض جگہ محبت و خلوص کے جذبات سے نوازا ہے۔ بے شمار شاعروں کے نعتیہ شاعری کے نمونے یک جا کر دیے ہیں۔ اس سلسلہ میں آزاد نظموں (نعتوں) سے بھی اقتباسات پیش کیے ہیں:

کتاب کا فلیپ ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی نے لکھا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> فضا کی یہ تبدیلی اچانک اور بے سبب نہیں ہے۔ چند اہلِ قلم نے اس مسئلے کو چھیڑا اور نبی اکرم ﷺ کے فیض سے انھیں کامیابی نصیب ہوئی۔ ''نعت رنگ'' اس راستے کا پہلا مسافر تھا اور اب ایک قافلۂ نعت شناسی ہمیں ادب کی بلند ترین منزل کی طرف بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ عزیز احسن اس قافلے کے اوّلین راہیوں میں سے ایک ہیں جن کو ان کی محنت، مطالعے اور ذوق نے اس قافلے کے سالاروں میں شامل کر دیا ہے۔ عزیز احسن کے مضامین میں نعت کے فنی تقاضوں، اسلوب کے مسئلوں، موضوع کے مطالبوں اور دوسرے تخلیقی پہلوؤں کا جائزہ بڑی وضاحت سے ملتا ہے... عزیز احسن نے نعت کا تخلیقی مطالعہ کیا ہے۔ وہ نعت گو شعرا کے فہرست ساز نہیں۔ زیرِ نظر کتاب ان کے اس سفر کا دوسرا سنگِ میل ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ وہ تمنا کا تیسرا قدم کن بلندیوں پر تلاش کریں گے۔

عزیز احسن کی نثر تنقیدی قوتوں سے مسلح ہوتی ہے۔ وہ اپنی تائید کے لیے انگریز نقادوں کو بھی آواز

لکن مضمون لکھا ہے۔ ''ثنائے محمدؐ'' کے نام سے
ہے (آغاز لارنس سے ہو رہا ہے) ''ارمغانِ
بصرہ ہے۔'' نعتِ نبی میں زبان و بیان کی بے
اپنی جگہ عزیز احسن نے محبت اور فہمائش دونوں
نعت نصف صدی کا سفر'' نہایت جان دار اور
والوں کی پچاس سالہ کاوش کا جائزہ لیا ہے۔
ت وخلوص کے جذبات سے نوازا ہے۔ بے شمار
یں۔ اس سلسلہ میں آزاد نظموں (نعتوں) سے

ک اقتباس ملاحظہ ہو:

ہیں ہے۔ چند اہلِ قلم نے اس
سے انھیں کامیابی نصیب ہوئی۔
ا اور اب ایک قافلۂ نعت شناسی
رف بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔
ں میں سے ایک ہیں جن کو ان
افلے کے سالاروں میں شامل
ں نعت کے فنی تقاضوں، اسلوب
دوسرے تخلیقی پہلوؤں کا جائزہ
ن نے نعت کا تخلیقی مطالعہ کیا
یں۔ زیرِ نظر کتاب ان کے اس
ہے کہ وہ تمنا کا تیسرا قدم کن

ہ اپنی تائید کے لیے انگریز نقادوں کو بھی آواز

دیتے ہیں، میرے خیال میں اب یہ عنصر کم ہوگیا ہے مگر نعت کا تذکرہ آتے ہی ان کے جذبات کی گرمی میں ایمان کا گداز پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی غلط فکر شاعر کا محاسبہ کرتے ہوئے اس کے لیے سخت کے بجائے نرم الفاظ کا سہارا لیتے ہیں۔ انھوں نے شخصیات پر بھی بے تحاشا لکھا ہے اور مبسوط موضوعات پر بھی دل کھول کر لکھا ہے مگر کہیں بھی اپنے قلم، ذہن اور تخیل کو تعصب آلود ہونے نہیں دیا۔ انھیں خدائے کریم نے عبارت آرائی کا فن بھی عطا کیا ہے۔ اگرچہ تنقید عبارت آرائی اور نثر میں شعری لطافت سے حظ اندوز ہونے نہیں دیتی نعت آخر نعت ہے۔ حسن الفاظ وصوت، جمالِ فکر و ادب، جلوہ کاریٔ تخیل وعمل، شوکتِ قرطاس وقلم، نور ونکہتِ احساس، شوقِ عرض تمنا کی اترتی ہوئی بہار حسین ترین الفاظ کی وجدان واحساسات کو بھگوتی ہوئی بہار۔ اس لیے نعت اپنے لیے حسین ترین فضا خود تخلیق کر لیتی ہے۔ بلاشبہ عزیز احسن کو تمام تر گریز کے باوجود ایسی فضا تخلیق کرنے کا فن آتا ہے۔ شعوری یا لاشعوری سہی۔

''شاعرِ نعت'' از ڈاکٹر سیّد محمد سلطان شاہ

''شاعر نعت'' راجا رشید محمود مدیر نعت کی طویل نعتیہ ریاضت کا عکس جمیل ہے۔ دل کش تذکرہ ہے۔ جسے معروف قلم کار اور ناقد ڈاکٹر سیّد محمد سلطان شاہ نے ترتیب دیا ہے۔ ۵۳۶ صفحات پر مشتمل یہ کتاب الجلیل پبلشرز اُردو بازار لاہور نے خوب صورت انداز میں شائع کی ہے۔ سالِ اشاعت ۲۰۰۴ء ہے۔

راجا رشید محمود نام ور نقادِ نعت، خوب صورت انشا پرداز، بلند فکر نعت گو شاعر، نظریاتی طور پر بلند شخصیت ایک عرصہ سے ماہ نامہ نعت کی معنوی حیثیت آباد کرنے والے مدیر والا قدر اور بلند قامت خطیبِ نعت ہیں۔ سیّد ہجویری کے قدموں میں بیٹھنے پر عطا ہونے والی ہر سعادت کو شریکِ فکر وعمل رکھتے ہیں۔ ماہ نامہ نعت کیا ہے نعت و مدحت کی نہ جانے کتنی ہی اولیات سمیٹے ہوئے ہے۔ نعت ہی نعت کئی شمارے۔ معراج النبی ﷺ، مدینۃ النبی ﷺ کتنے ہی شماروں کا تسلسل قرآن نمبروں اور رسول ﷺ نمبروں کی بہار بے خزاں، ایک ہی موضوع کے حسن کو کشید کرنے والے ماہ نامہ ''نعت'' غیر معمولی ہمت و استقلال سے جاری رکھنا۔ بہرحال اگر ہم راجا رشید محمود کی طرف رخ کریں گے تو ''شاعر نعت'' کے ثانوی ہونے کا ڈر ہے۔

ڈاکٹر سیّد محمد سلطان شاہ نے بڑے ادبی رکھ رکھاؤ اور تنقیدی وقار کے ساتھ اس کتاب کو ترتیب دیا ہے شخصیت بڑی ہو تو اس پر کام کرنے کے لیے بھی بڑے حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر سلطان محمود ابتدائیہ میں راجا رشید محمود کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> وہ لوگ جو زندگی میں اپنی منزل کا تعین کر لیتے ہیں اُن کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ ان کی زیست کا مدعا فقط حصولِ منزل ہوتا ہے۔ اور کتنے بدنصیب ایسے ہوتے ہیں جو عمر بھر اپنی منزل متعین کر نہیں سکتے۔ ایسے لوگ یقین اور بے یقینی اور بعض اوقات ایمان اور کفر کے درمیان پنڈولم بنے رہتے ہیں۔ راجا رشید محمود نے اپنی منزل کا تعین کیا تو تیقن کی دولت سے سرشار ہوا۔ اس نے مدینہ منورہ کو منزل قرار دیا اور اب ہر برس کم از کم ایک بار اس سرزمینِ مقدس کے سفر سے اپنے ایمان کی بیٹری چارج کرتا ہے اور واپس آ کر پھر حاضری کی درخواستیں کرنے لگ جاتا ہے۔ اس کے تخیل کا طائر تو ہر وقت مدینہ طیبہ کی جانب محو پرواز رہتا ہے۔ اس لیے وہ صبح و مسا اس سرزمینِ محبت اور حضور ختمی مرتبت ﷺ کی مدحت سرائی میں مصروف عمل ہے۔ (شاعر نعت، ص ۱۶)

کتاب کے آغاز میں راجا رشید محمود کے علمی اور ادبی کار ہائے نمایاں پر روشنی ڈالی گئی۔ ان کی کتب کے نام ۔ ان کے اعزازات، اکرامات، اولیات نعت کی بھی ایک داستان بکھری ہوئی ہے۔ راجا صاحب خود بڑے ناقد نعت ہیں اور ڈاکٹر سلطان شاہ کا شمار بھی معتبر ناقدین میں ہوتا ہے ہم نے اس کتاب کا انتخاب نقدِ نعت کے حوالے سے کیا اور اسی حوالے سے اس پر گفتگو کر رہے ہیں مگر تنقیدی کارناموں اور اولیات کے علاوہ راجا صاحب کے درجنوں نعتیہ مجموعے اہل شوق کے اذہان کی زینت بن چکے ہیں۔ فہرست میں مضامین اور موضوعات پر ایک نظر ڈالنے سے ہی ڈاکٹر سیّد سلطان شاہ صاحب کی تنقیدی جدوجہد کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ تعلیمات قرآن کا پرتو۔ پرتو احادیثِ رسول، تعلیماتِ حضور، سیرت طیبہ اور تقلید سیرت، میلادِ مصطفیٰ، معراج النبی، شفاعت حضور، ختم نبوت، عدم سایۂ حضور، تحفظ ناموسِ مصطفیٰ، حضور کی نسبتوں کا ذکر، انبیائے سابقہ سے تقابل، حرم نبوی، درود و

یدی وقار کے ساتھ اس کتاب کو ترتیب دیا ہے
ے حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر سلطان
ہیں:

ں کر لیتے ہیں اُن کا کام آسان
صولِ منزل ہوتا ہے۔ اور کتنے
منزل متعین کر نہیں سکتے۔ ایسے
ت ایمان اور کفر کے درمیان
نے اپنی منزل کا تعین کیا تو تیقن
ینہ منورہ کو منزل قرار دیا اور اب
رس کے سفر سے اپنے ایمان کی
ھر حاضری کی درخواستیں کرنے
ہر وقت مدینہ طیبہ کی جانب محو
اس سرزمینِ محبت اور حضور ختمی
عمل ہے۔ (شاعر نعت، ص ۱۶)

ار ہائے نمایاں پر روشنی ڈالی گئی۔ ان کی کتب
ت کی بھی ایک داستان بکھری ہوئی ہے۔ راجا
ا شمار بھی معتبر ناقدین میں ہوتا ہے ہم نے اس
حوالے سے اس پر گفتگو کر رہے ہیں مگر تنقیدی
ں نعتیہ مجموعے اہل شوق کے اذہان کی زینت
ایک نظر ڈالنے سے ہی ڈاکٹر سیّد سلطان شاہ
علیمات قرآن کا پرتو۔ پرتو احادیثِ رسول،
، معراج النبی، شفاعت حضور، ختم نبوت، عدم
، انبیائے سابقہ سے تقابل، حرم نبوی، درود و

سلام، امکانات نعت، عبادت، ندرتِ مضامین، نعت گویانِ محترم کا تذکرہ، ماہ نامہ نعت کا ذکر، رجائیت، احترام مصطفیٰ، اثبات، عجز، عشق اور غلامی، اسما اور نگینے، جالیوں کا ادب سمیت فہرست میں اور بھی کئی عنوانات کا ذکر ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے ڈاکٹر صاحب نے ان صنائع کا ذکر کیا ہے جو اس کتاب میں شامل ہوئے۔ ان کے بقول راجا صاحب نعت اس کے اصل رنگ و روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں وہ نعت کو جدیدیت کے چنگل میں پھنسانے کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک اس طرح نعت، نعت نہیں رہتی بلکہ اس پر بناوٹی رنگ چڑھ جاتا ہے اور شعرا جدیدیت کو ہی اول و آخر سمجھ کر قرآن حکیم اور احادیث نبویہ کے جامع ترین مآخذ سے دور ہٹتے چلے جاتے ہیں۔ راجا صاحب کا کہنا ہے:

> آج کل نعت بھی بڑی حد تک جدیدیت کے چنگل میں ہے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو سیرت رسولِ مقبول ﷺ کے مضامین کی حامل نعت کو معیاری نعت قرار دیتے ہیں راجا رشید محمود نے اپنے عظیم نعتیہ انتخاب ''نعت کائنات'' کے مبسوط مقدمے میں ''نعت صحابہؓ'' کے مضامین و موضوعات کے زیرِ عنوان لکھا۔ ''اب کچھ عرصے سے یہ کہا جانے لگا ہے کہ پہلے جو شمائل و فضائل نبوی ﷺ اور محبتِ سرکار ﷺ سے متعلق موضوعات روئے سخن کا غازہ رہے ہیں وہ کچھ زیادہ لائقِ تحسین نہیں۔ حالاں کہ ایک مسلمان کے نزدیک قرآن و احادیث اور پھر صحابہ کرامؓ کے عمل سے زیادہ بڑا کوئی معیار نہیں۔'' (ص ۲۲)

ہر باب میں فاضل مرتب نے راجا رشید محمود کے کلام کے قدم قدم پر حوالے دیے جنھیں ہم تفصیل کے خوف سے چھوڑ دیتے ہیں ہمارا مقصود فاضل مرتب کی راجا رشید محمود کی شاعری پر کی گئی محنت اور غیر معمولی لگن کو اُجاگر کرنا ہے۔

سیّد سلطان شاہ نے ہر باب کے اختتام پر حواشی و مآخذ دیے تاکہ قارئین تحقیق کر سکیں کہ کہیں کوئی بات فاضل مرتب نے اپنی طرف سے یونہی تو نہیں کہہ دی۔ مرتب لکھتے ہیں:

> راجا رشید محمود رجائی شاعر ہے اور اپنی رجائیت کا اظہار اس لیے بھی کرتا

رہتا ہے کہ، اسے محبت رسول ﷺ اور نعت وحدتِ رسول ﷺ کے حوالے کہیں مایوسی کا سامنا نہیں پڑتا۔ یہ درست ہے کہ دنیا میں نعت پر سب سے زیادہ کام اس نے کیا ہے مگر اس کی کارکردگی کہیں زیرِ بحث نہیں آئی۔ نعت پر اس کی تخلیق، تحقیق، تنقید، تذکرہ نویسی، مقالہ نگاری کسی ادارے کو اپنی جانب اب تک متوجہ نہیں کر سکی۔ وہ پھر بھی مطمئن ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نعت کا سارا کام محض خوشنودیٔ حضور ﷺ کے لیے کرتا ہے اور محسوس کرتا ہے حضور رحمتِ عالم ﷺ اس سے خوش ہیں۔ (ص ۱۹۶)

یہاں راجا رشید محمود کی رجائیت کا شعری انداز دیکھیے:

ذوقِ رجا کے ساتھ جو میرا گیا سلام — تو ہوگیا دیار نبیؐ میں رسا سلام
پیامِ حاضری کے انتظار میں رہنا — درِ نگاہِ رجا کے کھلے کواڑوں سے

فاضل مرتب کا کہنا ہے:

شاعرِ نعت مدحِ رسولِ اکرم ﷺ میں فخر و تبحر اور تعلّی کو جائز نہیں سمجھتا اور عجز وخجالت کا دامن تھامے رہتا ہے اس مضمون کو اس نے مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ ہم نے تو ایسے شاعر (بلکہ متشاعر تک) بھی دیکھے ہیں جو اپنے آپ کو میر، غالب اور اقبال و حالی سے بڑا شاعر کہتے نہیں جھجکتے۔ ایسے میں شاعرِ نعت عجز و انکسار کے جلو میں چلتا ہے۔ (ص ۱۸۵)

آشوب تمت کا انداز ملاحظہ کیجیے:

شاعر نعت میں فاضل مرتب نے تحقیق وتنقید کے حسن کو جس قدر بھی پھیلایا ہے وہ راجا رشید محمود کے فقط ۱۸ نعتیہ مجموعوں تک محدود ہے جب کہ اس کے بعد سلسلہ کہاں سے کہاں جا پہنچا ہے اور زیرِ نظر کتاب میں بیان کیا گیا ہے کہ باقی کتابوں کا تنقیدی جائزہ شاعر نعت کی صاحب زادی عزیزی شہناز کوثر کر لیں گی۔ شاعر نعت انتہائی خوش بخت کہ خود تو وہ ہمیشہ سے ہی ذکر وفکر نعت میں سرمست ہے مگر

ر نعت وحدتِ رسول ﷺ کے
یہ درست ہے کہ دنیا میں نعت پر
ر اس کی کارکردگی کہیں زیرِ بحث
تنقید، تذکرہ نویسی، مقالہ نگاری
جہ نہیں کرسکی۔ وہ پھر بھی مطمئن
ارا کام محض خوشنودیٔ حضور ﷺ
ر رحمتِ عالم ﷺ اس سے خوش

تو ہوگیا دیارِ نبیؐ میں رسا سلام
درِ نگاہِ رجا کے کھلے کواڑوں سے

ر وتبحر اور تعلّی کو جائز نہیں سمجھتا
ہے اس مضمون کو اس نے مختلف
یسے شاعر (بلکہ متشاعر تک) بھی
اور اقبال و حالی سے بڑا شاعر
ں عجز و انکسار کے جلو میں چلتا

و جس قدر بھی پھیلایا ہے وہ راجا رشید محمود کے
د سلسلہ کہاں سے کہاں جا پہنچا ہے اور زیرِ نظر
ائزہ شاعرِ نعت کی صاحب زادی عزیزی شہناز
ہمیشہ سے ہی ذکر و فکرِ نعت میں سرمست ہے مگر

انھوں نے اپنی صاحب زادی اور صاحب زادوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ اب بلاشبہ یہ گھرانہ نعت گھرانہ کہلانے کا مستحق ہے۔ جہاں راجا رشید محمود کی اور بہت سے امورِ نعت میں مثال نہیں ملتی وہاں نعت گھرانہ بھی محض ترکیب کے لحاظ سے نہیں بلکہ عملی طور پر اپنی مثال آپ ہے شاعرِ نعت کا کمال یہ ہے کہ فاضل مرتب نے جہاں صنائع بدائع کے حوالے دیے ہیں وہاں ہر صنعت کا تعارف بھی کروایا ہے وہیں اس کے مطابق شعری مثالیں بھی دی ہیں یہ کتاب اس لیے بھی بے مثال ٹھہرے گی کہ اس میں سیّد محمد سلطان شاہ نے شاعرِ نعت پر کم لکھا ہے جب کہ ان کی نعت گوئی اور نعتیہ مثالوں، عنوانات اور صنائع بدائع پر زیادہ توجہ دی ہے۔ شاید مرتب کے پیشِ نظر ''شاعرِ نعت'' کا عنوان ہو اور وہ عنوان کے ساتھ پورا پورا انصاف کرنا چاہتے ہوں۔ راجا رشید کے خصائص سے گلستانِ نعت مہک رہا ہے اگر ہم کلیوں اور پھولوں کا انتخاب کرنے لگیں تو داستان طویل تر ہوتی چلی جائے۔ ہم ڈاکٹر سیّد محمد سلطان شاہ کو اس قدر جامع تنقیدی کتاب، اس حسنِ اشاعت کے ساتھ پیش کرنے پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

''نعت رنگ'' کا تنقیدی مطالعہ از پروفیسر شفقت رضوی

زیرِ نظر کتاب معروف ناقد پروفیسر شفقت رضوی کی تصنیف کردہ ہے۔ ۴۳۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔ اسے مہر منیر اکادمی (انٹرنیشنل) کراچی نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ کتاب کے ناشر صابر داؤد اس پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

> ''نعت رنگ'' نعت گوئی کے آداب اور علمی و ادبی مباحث کا ایک سنجیدہ اور معیاری علمی جریدہ ہے۔ اردو کے موضوعاتی جرائد کے حوالے سے ایسی کامیابی کی مثالیں بہت کم ہیں۔ پروفیسر شفقت رضوی کی یہ کوشش قابلِ تعریف ہے کہ انھوں نے اس جریدے کے پندرہ وقیع شماروں کا تنقیدی و تجزیاتی جائزہ پیش کرکے اُردو کی عظیم خدمت انجام دی ہے۔

پندرہ شماروں کا ذکر اس لیے آیا ہے کہ مصنف کی یہ کتاب اشاعت پزیر ہوئی تو اس وقت ''نعت رنگ'' کے پندرہ شمارے ہی شائع ہوئے تھے۔ یہ کتاب نعت پر باقاعدہ تصنیف کا درجہ نہیں رکھتی بلکہ اس میں

''نعت رنگ'' میں شائع ہونے والے اصحاب ادب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ کہ کن اصحاب کی کون کون سی تحریریں شائع ہوئی ہیں اور شفقت رضوی کے نقد و نظر کے پیانے سے گزر کر ان کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ اس میں ۹۰ کے قریب اہلِ قلم کی تحریروں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ آخر میں شعری انتخاب بھی پیش کیا گیا ہے۔ شروع میں اظہاریہ کے نام سے پروفیسر رضوی نے ذاتی تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ آخر میں حاصلِ مطالعہ اور پھر اشاریہ ہے۔ ایسا آئینہ خانہ جس میں جھانک کر لمحوں میں ''نعت رنگ'' کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ اظہاریہ میں مصنف یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

> صبیح رحمانی کی ایک بڑی کامیابی یہ ہے کہ انھوں نے ایسے اہلِ علم کو نعت شناسی اور تفہیم نعت کے لیے تیار کیا جن کی قابلیت کا ایک زمانہ معترف ہے۔ وہ علم و فضل کے کوہِ گراں بار ہیں اپنے تبحر علمی کے باوجود انھوں نے قرطاس و قلم سے اپنے رشتے یا تو قائم نہیں کیے یا قائم کر کے انھیں توڑ دیے ہیں۔ ان کے نام گنوانے کی یہاں اس لیے ضرورت نہیں کہ آئندہ صفحات میں ان کے رشحاتِ قلم پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔ نعت کا کوئی پہلو کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے مطالعے اور مباحث سے پہلو تہی کی گئی ہو۔ خوبیاں گنوانے کے کام کو سابقین نے خوب ادا کیا۔ اب فن اور اظہار کی خامیوں کا ذکر اس شد و مد سے کیا جاتا ہے۔ یہ اس لیے نہیں کہ کسی کی مذمت مطلوب ہے بلکہ اس لیے کہ اس سے اصلاحِ احوال ہو۔ (ص۹)

شفقت رضوی نے مجلّہ نعت کے ۱۵ شماروں کا جائزہ جزوی اور کلی طور پر لیا ہے۔ ایک مقالہ نگار کی ان ۱۵ شماروں میں جتنی تحریریں ''نعت رنگ'' میں شائع ہوئی ہیں۔ انھیں ایک مقام پر جمع کر دیا ہے لیکن تنقیدی جائزے کے ساتھ اس طور جس شخصیت کی ''نعت رنگ'' کے حوالے سے غرض ہوتی ہے فہرست میں اس کا نام دیکھا اور تمام مواد حاصل کر لیا۔ آپ کو شفقت رضوی کی آرا یا سخت تنقیدی پیانے سے الجھن ہوتی ہے تو ہوا کرے آپ کا مقصد تو پورا ہو گیا۔

اس کتاب پر ایک گہری نظر ڈالتے ہی احساس ہوتا ہے کہ رضوی صاحب نے یہ کام سطحی انداز سے یا

جائزہ لیا گیا ہے۔ کہ کن اصحاب کی کون کون سی
کے پیمانے سے گزر کر ان کی کیا حیثیت رہ جاتی
لیا گیا ہے۔ آخر میں شعری انتخاب بھی پیش کیا
ی نے ذاتی تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ آخر میں
ں جھانک کر لمحوں میں ''نعت رنگ'' کا جائزہ لیا
ہیں:

ہے کہ انھوں نے ایسے اہلِ علم کو
لیا جن کی قابلیت کا ایک زمانہ
اں بار ہیں اپنے تبحرِ علمی کے
رشتے یا تو قائم نہیں کیے یا قائم
نام گنوانے کی یہاں اس لیے
ں کے رشحاتِ قلم پر تفصیل سے
وئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے
ں ہو۔ خوبیاں گنوانے کے کام کو
ر اظہار کی خامیوں کا ذکر اس
ں کہ کسی کی مذمت مطلوب ہے
ہو۔ (ص۹)

وی اور کلی طور پر لیا ہے۔ ایک مقالہ نگار کی ان
ئی ہیں۔ انھیں ایک مقام پر جمع کر دیا ہے لیکن
نعت رنگ'' کے حوالے سے غرض ہوتی ہے
۔ آپ کو شفقت رضوی کی آرا یا سخت تنقیدی
پورا ہو گیا۔
کہ رضوی صاحب نے یہ کام سطحی انداز سے یا

روا روی میں یا صبیح رحمانی کی بات رکھنے کے لیے عملاً جلد بازی سے نہیں کیا بلکہ پورے مضمون کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے اس کے مآخذ کی صحت کو جانچا ہے۔ تحقیق و تنقید کے ساتھ ساتھ عبارت آرائی کو بھی بھرپور انداز سے دیکھا ہے۔ یہ بھی مدنظر رکھا ہے کہ کہیں لفظی یا موضوعاتی تکرار تو نہیں ہو رہی۔ غرض ان کی محنت کو دیکھ کر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ صبیح رحمانی اور ''نعت رنگ'' کو ایک محتاط اور صاحبِ خرد قلم کار مل گیا ہے۔ جب صبیح رحمانی دیکھ لیتے ہیں کہ فلاں کتنا بوجھ اٹھا سکتا ہے تو آہستہ آہستہ اس پر ادبی، علمی، فکری، تحقیقی بوجھ بڑھانا شروع کر دیتے ہیں۔ جب انھیں پکا یقین ہو جائے کہ صحرائے نقد و نظر کا یہ اونٹ گرے گا نہیں تو اللہ دے اور بندہ لے۔ شفقت رضوی نے بھی صبیح رحمانی کی پہلی بار آمد اور پھر ان کی سرخ رُوئی کی جانب خوب صورت اشارات کیے ہیں۔ ''اظہاریہ'' کا آغاز ہی یہاں سے ہوتا ہے۔

> ۱۹۹۶ء کی بات ہے کہ ایک بظاہر ''خستہ حال'' نوجوان اپنے دوست کے ہمراہ اُس کی موٹر سائیکل پر سوار مجھ سے ملنے میرے غریب خانے پر آیا اور پھر دوسرا تاثر ''آج مجھ پر فرض عائد ہے کہ میں ''نعت رنگ'' کا جائزہ لوں اور ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۳ء تک کی اس کی حیاتِ ہشت سالہ کے نشیب و فراز پر نظر ڈالوں۔ شاید اس طرح میں تخمینہ کر سکوں کہ کل کا ''خستہ حال'' نوجوان آیا آج بھی خستہ حال ہے یا دولت بے پایاں کا مالک ہے میرا تخمینہ اس پر بھی ہے کہ اس نے کس حد تک مقبولیت (شہرت نہیں) حاصل کی ہے۔ (ص۹)

شفقت رضوی نے جن ۹۰ شخصیات کا جائزہ لیا اُن میں ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری، آفتاب کریمی، آفتاب احمد نقوی، سیّد محمد ابوالخیر کشفی، احمد صغیر صدیقی، ادیب رائے پوری، سیّد رفیع الدین اشفاق، محمد اقبال جاوید، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر تحسین فراقی، جعفر بلوچ، حفیظ تائب، خاطر غزنوی، خورشید رضوی، راجا رشید محمود، ڈاکٹر سلیم اختر، شبیر احمد قادری، پروفیسر شفقت رضوی (بقلم خود) صبیح رحمانی، عاصی کرنالی، علی محسن صدیقی، عزیز احسن، عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، محمد فیروز شاہ، ملک الظفر سہسرامی، وحید اشرف کچھوچھوی، ڈاکٹر سیّد وقار احمد رضوی، سیّد یحییٰ نشیط، ڈاکٹر یونس حسنی، رشید

وارثی، خاطر غزنوی، جاذب قریشی، اسلوب احمد انصاری، ابوسلمان شاہ جہان پوری (راقم محمد اکرم رضا) اور متعدد دوسرے۔

عبارت آرائی یا شگفتگی تحریر کی اہمیت تراشنے والے پروفیسر شفقت رضوی کی اپنی تحریروں میں بہت سے مقامات پر خوب صورت مواقع نظر آئے جن سے انھوں نے خوب فائدہ اُٹھایا۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کے مضمون نعت کے جگنوؤں کے تعاقب میں۔ ماضی کا سفر، کا تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے رضوی صاحب آخر میں فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں:

> مضمون کشفی صاحب کی خاندانی روایت کا آئینہ ہے۔ یہ آئینہ جامِ جم ہے۔ ہر مسلمان گھرانے کے لوگ اپنے گزرے ہوئے ماحول کی جھلک قدرے تبدیلی کے ساتھ اس جامِ جم میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ ہمارا ماضی ہی نہیں وہ خزانہ ہے جسے لٹا کر ہم خوش ہوتے ہیں۔ لیکن ایک سوالیہ نشان ابھرتا ہے ''زیاں میں خوشیاں منانے والی قوم جو نا آشنائے نفع ہو، کب تک زندہ رہ سکتی ہے۔ (ص۶۱)

> اسی طرح ادیب رائے پوری کے مضمون ''غالب کے فارسی کلام میں نعت'' پر عقیدت آمیز تبصرہ کرتے ہیں ان کا آخری پراگراف ''مضمون ادیب رائے پوری کے وسعتِ مطالعہ اور وسعتِ نظر کا غماز ہے۔ انھوں نے مدلل انداز میں غالب کی خدا پرستی اور حب ذاتِ رسالت ﷺ کو بیان کر کے چاہے غالب کو ولی ثابت نہ کیا ہو یا اس سے بہتر یعنی خود آشنا اور بے باک، حقیقت گو ضرور ثابت کیا ہے غالب کی زندگی ہو یا کلام وہ عام انسانوں سے مختلف ہیں۔ یہی انفرادیت غالب کی پہچان ہے۔ (ص۸۳)

راقم (محمد اکرم رضا) کے مضمون ''کاروانِ شوق کا ذوقِ منزل آشنائی'' پر مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی کے برمحل تبصرے کے باوجود آپ داد دینے میں بھی بخل نہیں کرتے لکھتے ہیں:

> پروفیسر محمد اکرم رضا نعت کی خدمت گزاری کے حوالے سے ہمیشہ یاد

ری، ابوسلمان شاہ جہان پوری (راقم محمد اکرم

وفیسر شفقت رضوی کی اپنی تحریروں میں بہت
نھوں نے خوب فائدہ اُٹھایا۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی
سفر، کا تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے رضوی صاحب

ک کا آئینہ ہے۔ یہ آئینہ جامِ جم
پنے گزرے ہوئے ماحول کی
مِ جم میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ ہمارا
م خوش ہوتے ہیں۔ لیکن ایک
س منانے والی قوم جو نا آشنائے
(٦١

ن ''غالب کے فارسی کلام میں
ن کا آخری پیراگراف ''مضمون
ہ اور وسعتِ نظر کا غماز ہے۔
ں خدا پرستی اور حب ذاتِ
ب کو ولی ثابت نہ کیا ہو یا اس
حقیقت کو ضرور ثابت کیا ہے
نسانوں سے مختلف ہیں۔ یہی
(

ی منزل آشنائی'' پر مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی
ہیں کرتے لکھتے ہیں:
ذاری کے حوالے سے ہمیشہ یاد

> کیے جائیں گے۔ بس قافلۂ صاحبانِ علم وفضل نے نعت کی اصلاح، فروغ اور ترقی میں پہل کی اور اپنی جدوجہد کو ایک تحریک کی صورت میں آگے بڑھایا اس میں پروفیسر محمد اکرم رضا کا نام نمایاں اور ممتاز تھا۔ وہ ایک سینئر لکھنے والے ہیں۔ نعت سے ان کا رشتہ گہرا اور دیرپا ہے۔ مطالعہ، تجزیہ اور تحریر کی منزلوں سے گزر کر وہ ایک رہنما قوت بن گئے ہیں۔ آج کل وہ کم لکھ رہے ہیں۔ لیکن جب قلم ہاتھ میں آجاتا ہے اور خیالات کا سیلاب اسے بہائے لیے جانے پر آمادہ ہو جاتا ہے وہ مقالوں پر اکتفا نہیں کرتے، کتابیں مرتب کر دیتے ہیں۔ بہرِ نظر مقالہ کی شان بھی یہی ہے کہ جن موضوعات کا انتخاب کیا اور ان پر ستر صفحات میں اظہار خیال کیا۔ وہ مقالہ کی حدود سے تجاوز کر کے تصنیف کی صورت اختیار کیے ہوئے ہے۔ وہ ذرا سا حوصلہ اور دکھائیں تو اس مقالہ کو تصنیف میں بآسانی بدل سکتے ہیں۔ (ص ۱۴۳۔۱۴۴)

راقم نے کبھی تنقید کا جواب نہیں دیا۔ راقم اس سے بہتر سمجھتا ہے کہ تنقید کے جواب پر جتنا وقت صرف ہوگا وہ وقت کسی اور کارِ نعت میں صرف کیا جائے چوں کہ محترم پروفیسر شفقت رضوی نے اس محبت سے یہ سطور رقم کی ہیں اس لیے راقم اس توقع پر یہ سطور لکھ رہا ہے کہ جناب رضوی کی نظر سے یہ سطور گزریں گی۔ راقم نعت پر کم نہیں لکھ رہا کبھی بھی کم نہیں لکھا۔ راقم محفل ''نعت رنگ'' میں دیر سے شامل ہوا اور پہلا مضمون بھی غالباً یہی تھا۔ یہ مضمون میں نے اس وقت لکھا تھا جب نعت پر تحقیق وتنقید کے حوالے سے رسائل میں ایسے مضامین نایاب تھے۔ اس کا مقصد آپ کا یہ تاثر ختم کرنا ہے کہ ''نعت رنگ'' میں اس نوعیت کے کئی مضامین آگئے ہیں لہٰذا اس موضوعاتی تکرار کو ختم کرنا چاہیے خدا جانتا ہے یا جناب صبیح رحمانی کہ یہ مضمون تب لکھا گیا جب عالمِ آب گل میں شاید ''نعت رنگ'' کا خمیر گوندھا جا رہا ہو۔ وہ محبت آمیز فقرات دُہرا نہیں سکتا جس کی رم جھم اس تمام عرصے میں بھی مجھ پر برستی رہی۔ لاہور کا ''شام وسحر'' یا ماہ نامہ ''نعت'' ہو یا کراچی کا حمد ونعت اور پھر جامِ جہاں نما ''نعت رنگ'' میں نے تو سب کے لیے لکھا تھا۔ جب ''شام وسحر'' بھی نعت نمبر نہیں نکال رہا تھا تو میرے نعتیہ مضامین،

ماہ نامہ ضیائے حرم لاہور، اور روزنامہ ''آرزو'' لاہور کا ماہ نامہ آئینہ میں شائع ہوتے تھے۔ جب کہ مجھے معلوم بھی نہیں تھا کہ میری نعتیہ تحریریں آخر کس مرکزِ نور پر آکر پڑاؤ ڈال دیں گی۔ اب بھی جب ''نعت رنگ'' کی اشاعتوں کے درمیان وقفہ ہو جاتا ہے تو میری نعتیہ تحریریں اور جرائد میں جگہ پانے لگتی ہیں۔ نعت نظم ونثر میری سانسوں میں ہے اور کوئی بھی ذی شعور ایک سانس سے بھی دستبردار ہونا نہیں چاہتا۔ بات کراچی کی ہے۔ کچھ فاصلہ ''شام وسحر'' نے کم کیا مگر ابھی بہت سے فاصلے باقی ہیں۔ کتنی ہی باتوں کی وضاحت سیّد صبیح رحمانی کر سکتے ہیں۔ کاش بیماری دامن گیری نہ ہوتی اور میں ''نعت رنگ'' کے پہلے شمارے ہی سے آپ کے ساتھ ہوتا۔''

پروفیسر شفقت رضوی صاحب نے سیّد صبیح رحمانی کے ''نعتیہ شاعری میں ہائیکو کی روایت'' پر لکھا۔ انھوں نے حسبِ روایت اچھا لکھا اور پھر اس ''خستہ حال نوجوان'' (جواب مالا مال ہے مقبولیت جس کا طواف کرتی ہے) کا ادبی خوف بھی دامن گیر تھا۔ اچھا لکھا سو بہت اچھا لکھا، لیکن میرے خیال میں اس مردِ ہمت آزما کے اداریوں پر لکھتے تو لطف آجاتا۔ یہ جو تنقید و تحقیق کے ستارے چمک رہے ہیں ان کے لیے سیّد صبیح رحمانی نے ہی ادبی آسمان سجایا ہے۔ پروفیسر سیّد شفقت رضوی جیسا منجھے ہوئے قلم کار، نقاد اس نعت کی نئی جہتوں کے متلاشی کو لمبس کی دنیا کی سیاحی کرواسکتا تھا۔ راقم کو شفقت رضوی کے حسنِ تنقید پر رشک آتا ہے کہ پکڑتے بھی ہیں تو ایک سلیقے اور ادا کے ساتھ اور خستہ حالوں سے پیار بھی کرتے ہیں تو جمال استغنا کے ساتھ۔ ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی ایک زمانے کے ممدوح ہیں (تھے) انھوں نے اس کتاب کے فلیپ کو خوب صورت اندازِ تحریر سے آراستہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''نعت رنگ'' کے حوالے سے وہ (شفقت رضوی) نعتیہ ادب کے نقادوں میں شامل ہوئے۔ انھوں نے اس میدان میں تحقیق اور تنقید کو جس طرح ہم آہنگ کیا ہے وہ قابلِ رشک ہے۔ وہ محقق نقاد ہیں۔ شفقت صاحب جس شاعر اور نقاد کے بارے میں لکھتے ہیں اس پر خود اپنی تفہیم کے در کھلتے ہیں۔ وہ اتفاق اور اختلاف میں بھی ادب کے مطالبوں کو اپنی ذات سے اوپر رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں ایک عالمانہ ہمدردی ہے جو کہیں کہیں مجروح ہو جاتی ہے۔

ماہ نامہ آئینہ میں شائع ہوتے تھے۔ جب کہ
زِ نور پر آکر پڑاؤ ڈال دیں گی۔ اب بھی جب
ہے تو میری نعتیہ تحریریں اور جرائد میں جگہ پانے
بھی ذی شعور ایک سانس سے بھی دستبردار ہونا
' نے کم کیا مگر ابھی بہت سے فاصلے باقی ہیں۔
۔ کاش بیماری دامن گیری نہ ہوتی اور میں ''نعت

ے ''نعتیہ شاعری میں ہائیکو کی روایت'' پر لکھا۔
ں نوجوان'' (جواب مالامال ہے مقبولیت جس کا
لکھا سو بہت اچھا لکھا، لیکن میرے خیال میں
یہ جو تنقید و تحقیق کے ستارے چمک رہے ہیں
ے۔ پروفیسر سیّد شفقت رضوی جیسا منجھے ہوئے
کی دنیا کی سیاحی کرواسکتا تھا۔ راقم کو شفقت
ں تو ایک سلیقے اور ادا کے ساتھ اور خستہ حالوں
ر سیّد محمد ابوالخیر کشفی ایک زمانے کے ممدوح ہیں
اندازِ تحریر سے آراستہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

> فقت رضوی) نعتیہ ادب کے
> س میدان میں تحقیق اور تنقید کو
> شک ہے۔ وہ محقق نقاد ہیں۔
> بارے میں لکھتے ہیں اس پر خود
> ور اختلاف میں بھی ادب کے
> یں۔ ان کے ہاں ایک عالمانہ
> ہے۔

ربِّ کریم پروفیسر شفقت رضوی کو ڈاکٹر کشفی کی دعاؤں کا مصداق بنائے رکھے اور فروغ نعت کی خاطر ماضی، حال اور مستقبل کی دنیاؤں کو زرنگار بنائے رکھیں کیوں کہ ادیب کے لیے تحقیق و جستجو کے نام پر ماضی بھی اپنا ورثہ اس کے سپرد کر دیتا ہے کہ اگر ارادے نیک ہیں تو ان سے بھی قابلِ قدر سرمایہ سمیٹ لو۔

''حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعرِ نعت'' از ڈاکٹر جوہر میاں شفیع آبادی

مولانا احمد رضا خان بلاشبہ اس صدی کے عظیم ترین نعت گو تھے۔ انھوں نے اردو کے علاوہ فارسی اور عربی میں بھی شاعری کی۔ ان کا مجموعۂ کلام ''حدائق بخشش'' ہر دور کے نعت گو شعرا کو نعت گوئی کے آداب سکھلا رہا ہے۔ آپ نعت کے معاملہ میں بہت محتاط اور شریعت کے تقاضوں پر عمل کرنے والے تھے۔ آپ نے نعت گوئی کے سلسلہ میں جس احترام، عقیدت اور احتیاط کا پیغام دیا ہے اس کی صدائے بازگشت ہمیشہ نعت کے ایوانوں میں گونجتی رہے گی۔ آپ بہت بڑے عالمِ دین، شارحِ تعلیماتِ مصطفیٰ، فقیہ الامت ہونے کے علاوہ ساٹھ علوم و فنون پر حاوی تھے۔ اس قدر مصروف زندگی ہونے کے باوجود آپ ''حدائق بخشش'' کی صورت میں ایسا نعتیہ ارمغان چھوڑ گئے ہیں جس کی عظمت کا اعتراف اپنوں اور بیگانوں نے بھی کیا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں پر درجنوں کے حساب سے اہلِ علم پی ایچ۔ ڈی کر چکے ہیں۔ یہی حال ایم فل کرنے والوں اور مختلف جامعات میں مقالے لکھنے والوں کا ہے اور یہ سلسلہ پھیلتا ہی جا رہا ہے۔ زیرِ نظر کتاب حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعرِ نعت بھی فاضل بریلوی کے حوالے سے تحقیقی مطالعہ ہے جسے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی نے ۲۰۰۶ء میں شائع کیا ہے پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری کہتے ہیں:

> یہ مقالہ اس لحاظ سے منفرد اور واحد ہے کہ حضرت علامہ جوہر میاں خطۂ ہند کے اوّلین باسی ہیں جنھوں نے امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر اوّلین تحقیقی مطالعہ لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے اور ادارہ ہذا کو یہ اعزاز حاصل ہو رہا ہے کہ وہ اس مقالہ کی طباعت واشاعت کی ذمہ داریاں بطور احسن نباہ رہا ہے۔ (بعنوان عرضِ ناشر، ص۴)

سیّد وجاہت رسول قادری کہتے ہیں:

> امام احمد رضا کے تبحر علمی اور وسعتِ فکری کے سامنے شعرگوئی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ انھوں نے شاعری برائے شاعری نہیں کی بلکہ اسے اپنے اظہار عقیدت کا ذریعہ بنایا اور اپنے کلام بلاغت نظام سے اردو ادب کے دامن میں صالح شعر و ادب کے وہ موتی بکھیرے جس کی مثال پوری دنیائے شاعری میں کم ملے گی۔ ان کی نعت کا یہ مقطع تعلّی نہیں بلکہ حقیقت کا بیان ہے۔(ص۸)
>
> یہی کہتی ہے بلبل باغِ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
> نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبع رضا کی قسم
>
> زیرِ نظر مقالہ کا پہلا باب ہے نعت کی صنفی حیثیت۔ اس میں ان کا کہنا ہے کہ نعت وہ صنفِ سخن ہے جس میں حضور ﷺ کی تعریف و توصیف انتہائی ادب و احترام اور عقیدت و محبت کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اس کی وسعت و جامعیت لا محدود ہے۔ آپ کی صورتِ مبارکہ اور سیرتِ مقدسہ کا کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جو اس کے دائرہ کار میں نہ آتا ہو..ایک انسان کے لیے حضور اکرم ﷺ کے ذاتی اوصاف، کمالات کا اندازہ و احاطہ کرنا ممکن نہیں...صنف نعت کے دشوار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نعت کے مضامین قرآن حکیم اور احادیثِ پاک سے ماخوذ و مستعار ہوتے ہیں۔(ص۳)

اس سلسلہ میں انھوں نے افسوس کا اظہار کیا ہے کہ ''نعت کو ادبی اور فنی حیثیت سے نظر انداز کیا جارہا ہے نہ تو ادب کے مؤرخین نے اس کی جانب خاص توجہ کی اور نہ ہی اس کے متعلق شعری طور پر اپنی رائے کا اظہار کیا'' اس ضمن میں انھوں نے بڑے بڑے ادیبوں کی بے اعتنائی کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے باب کا عنوان ''اردو میں نعتیہ شاعری کی روایت'' ہے اس میں انھوں نے قرآن حکیم اور احادیث کو اوّلین ماخذ ٹھہرایا ہے۔ پھر عربی شعر و ادب سے گزرتے ہوئے، عطار، نظامی، سعدی،

کری کے سامنے شعر گوئی کوئی
رائے شاعری نہیں کی بلکہ اسے
پنے کلام بلاغت نظام سے اردو
کے وہ موتی بکھیرے جس کی
گی۔ان کی نعت کا یہ مقطع تعلّی

ضا کی طرح کوئی سحر بیاں
مجھے شوخیٔ طبع رضا کی قسم

فی حیثیت۔اس میں ان کا کہنا
حضورﷺ کی تعریف وتوصیف
کے ساتھ کی جاتی ہے۔اس کی
ب کی صورتِ مبارکہ اور سیرتِ
کے دائرہ کار میں نہ آتا ہو..ایک
ں اوصاف، کمالات کا اندازہ و
وار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نعت
ک سے ماخوذ و مستعار ہوتے

ت کو ادبی اور فنی حیثیت سے نظر انداز کیا جارہا
بہ کی اور نہ ہی اس کے متعلق شعری طور پر اپنی
بڑے ادیبوں کی بے اعتنائی کا ذکر کیا ہے۔
یت'' ہے اس میں انھوں نے قرآن حکیم اور
ب سے گزرتے ہوئے، عطار، نظامی، سعدی،

حافظ، رومی، حالی،عرفی،نظیری،خسرو، قدسی کا ذکر کرتے اور ان کی نعت گوئی کی مثالیں بھی دیتے ہیں۔اس ضمن میں ان کا انتخاب قابلِ تعریف ہے۔اردو نعت گوئی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> عربی و فارسی شاعروں کو نعت گوئی میں تقدم کا شرف حاصل ہے۔ بلکہ یہ صنف سخن ان زبانوں میں ہی اپنے تمام و کمال کو پہنچ چکی تھی۔ اس لحاظ سے اردو زبان ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ بہرحال اردو کو دیگر زبانوں کے درمیان یہ اعزاز و افتخار حاصل ہے کہ یہ اپنی پیدائش کے وقت سے ہی مومنہ اور کلمہ گو رہی۔ (ص۳۲)

انھوں نے اُردو میں نعت گوئی کے آغاز کا سلسلہ حضرت امیر خسرو سے باندھا ہے۔انھوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ ہم اس صداقت سے انکار نہیں کرسکتے کہ دکن میں بہمنی دور کے شاعر فخر دین نظامی کی مثنوی کدام راؤ ، پدام راؤ، کو اردو شاعری کا قدیم ترین نمونہ قرار دیا گیا ہے تیسرے باب کا عنوان ہے''امام احمد رضا کی شخصیت'' ان کا کہنا ہے:

> امام احمد رضا کی شخصیت جامع کمالات وحیثیات تھی۔ وہ اتنے سارے علوم وفنون پر حاوی تھے کہ ان کے تصور سے ہی عقل حیرت میں آجاتی ہے اور وجدان وجد کرنے لگتا ہے۔ وہ ایک مفسر، محدث، فقیہ، متکلم، مفتی، شاعر، ادیب، علوم عقلی ونقلی کے متبحر عالم تو تھے ہی اپنے عہد کے سب سے بڑے شیخ طریقت اور مجددِ شریعت کے منصب پر بھی فائز تھے اور تمام اوصاف و کمالات سے بڑھ کر ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ بھی تھے۔ (ص۴۷)

اس ضمن میں جوہر میاں نے سرضیاء الدین وائس چانسلر علی گڑھ یونی ورسٹی، پروفیسر سیّد سلیمان اشرف، مولانا کوثر نیازی سمیت ہندو پاک کے بہت سے اکابر کی آرا کا ذکر کیا اور آخر میں آپ کے بارے میں علامہ اقبال کے گراں قدر جذبات کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔
چوتھا باب''حضرت رضا کے چند معاصر شعرا'' ہے۔اس باب میں انھوں نے مولانا حالی، مرزا غالب،

داغ دہلوی، امیر مینائی، محسن کاکوروی، شاد عظیم آبادی، علامہ اقبال، محمد علی جوہر، ظفر علی خاں بہت سے نامور اور ممتاز شعرا کا ذکر کیا۔ ان کے کلام سے منتخب حصے بھی پیش کیے ہیں۔ یہ حصہ بڑا قابلِ قدر اور جان دار ہے۔

جوہر میاں کے پانچویں اور چھٹے باب کا عنوان ہے ''حضرت رضا کی نعتیہ شاعری کا تفصیلی مطالعہ اور اس کے ادبی وفنی محاسن'' اس مقام پر چوں کہ دو ابواب اکٹھے ہیں، لہٰذا بہت جاندار، قابلِ توصیف اور معلومات افزا ہے۔ جوہر میاں لکھتے ہیں:

> عشق قلب کی ایک والہانہ کیفیت کا نام ہے۔ اس کو اس طرح الفاظ کے سانچے میں ڈھالنا کہ قارئین کے دل میں بھی وہی کیفیت ہو جس سے شاعر گزرا ہے اس کے لیے زبان و بیان پر غیر معمولی دسترس، جذبۂ صادق اور فنی بصیرت لازمی ہے حضرت رضا کو خدا نے ان خوبیوں سے بدرجۂ اتم نوازا تھا۔ اس لیے اپنے کلام کو ان کیفیات کا حامل بنا کر انھوں نے غیر معمولی کامیابی حاصل کی ہے۔(ص۱۷)

آگے یہ بحث سیکڑوں صفحات تک چلی گئی ہے۔ اختصار کے پیشِ نظر ہم بات کو یہیں روکتے ہیں۔ اس مقالہ پر ڈاکٹر جوہر شفیع آبادی کو بہار یونیورسٹی سے ۱۹۹۲ء، میں ڈگری ملی اور ۱۹۹۶ء ان کا مقالہ اشاعت پذیر ہوا۔

''فن نعت کی نئی جہت'' از ڈاکٹر طاہر تونسوی

ڈاکٹر طاہر تونسوی کی یہ تنقیدی کتاب باقاعدہ تنقیدی تصنیف نہیں بلکہ ان کے نعت پر تنقیدی مضامین کا انتخاب ہے۔ یہ فریضہ محمد حیات چغتائی نے انجام دیا ہے۔ مکتبہ الہام بہاول پور کے زیرِ اہتمام یہ کتاب ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی اس کتاب میں نعتیہ تنقیدی مضامین کی تعداد ہے۔ بیش تر مضامین شخصیات پر لکھے ہیں۔ دو تین مضامین پر مستقل مضامین کا گمان گزرتا ہے۔ حرفِ آغاز ڈاکٹر شاہد حسن رضوی نے لکھا ہے کتاب کا انتساب بھی انھی کے نام کیا گیا ہے مقدمہ کتاب کے مرتب محمد حیات چغتائی نے لکھا ہے۔

لامہ اقبال، محمد علی جوہر، ظفر علی خاں بہت سے
ے بھی پیش کیے ہیں۔ یہ حصہ بڑا قابلِ قدر اور

ضرت رضا کی نعتیہ شاعری کا تفصیلی مطالعہ اور
کھے ہیں، لہٰذا بہت جاندار، قابلِ توصیف اور

> م ہے۔ اس کو اس طرح الفاظ
> ل میں بھی وہی کیفیت ہو جس
> ں و بیان پر غیر معمولی دسترس،
> ے حضرت رضا کو خدا نے ان
> لیے اپنے کلام کو ان کیفیات کا
> حاصل کی ہے۔ (ص۱۷)

کے پیش نظر ہم بات کو یہیں روکتے ہیں۔ اس
۱۹۹ء، میں ڈگری ملی اور ۱۹۹۶ء ان کا مقالہ

' از ڈاکٹر طاہر تونسوی

یف نہیں بلکہ ان کے نعت پر تنقیدی مضامین کا
ہے۔ مکتبہ الہام بہاول پور کے زیر اہتمام یہ
قیدی مضامین کی تعداد ہے۔ بیش تر مضامین
ں کا گمان گزرتا ہے۔ حرفِ آغاز ڈاکٹر شاہد حسن
کیا گیا ہے مقدمہ کتاب کے مرتب محمد حیات

پہلے مقالے کا عنوان ہے ''کون کر سکتا ہے مداحِ محبوب خدا'' اس مضمون میں اُردو نعت گوئی پر بحث کی گئی ہے اور قدیم سے جدید نعت گوئی کا ادبی محاکمہ بھی پیش نظر ہے۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی نے اس کتاب میں آقائے دو جہاں ﷺ کو دل کی گہرائیوں سے عقیدتوں کا خراج پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> بہرحال شعرا نے اپنی بساط کے مطابق ممدوحِ خدا کی ثنا بیان کی ہے۔ شاعری کے قدیم دور میں یہ طریقہ رہا ہے کہ حمد کے بعد نعت لکھی جاتی تھی اور یہ نعت گوئی شاعری کی بڑی پاکیزہ اور مقدس روایت کے طور پر سامنے آئی ہے۔ چودہ سو سالہ تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ عربی، فارسی، اُردو کے ہر شاعر نے عقیدت اظہار اور حصولِ ثواب کے لیے نعت گوئی کی اور اپنی بخشش کا سامان اس طرح پیدا کیا کہ:
>
> میں نعت لکھ رہا ہوں رسالت مآب کی (ص۳۰)

اگلا دو صفحاتی مضمون ''تاریخ نعت گوئی ہے'' اس میں بالخصوص حضرت رضا بریلوی کے تاریخِ نعت گوئی میں منصب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ طاہر تونسوی رضا شناسی میں بہت پیچھے ہیں۔ انھوں نے فقط شاعر لکھنوی کے امام رضا کے بارے میں الفاظ بیان کیے ہیں۔ اس ضمن میں انھیں جو شعر یاد رہا وہ یہ ہے:

> مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
> شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

آخر میں حضرت رضا کے لیے کام کرنے والوں کو تھپکی دیتے ہیں فدایانِ حضرت بریلوی کا یہ کارنامہ تعریف و تحسین کے قابل ہے کہ وہ اپنے مرشد کی تعلیم کو عام کر رہے ہیں۔ (ص۴۲)

تنقیدی نعتیہ کتابوں کے اتنے بڑے ذخیرے پر کام کرتے ہوئے ایسا مایوس کن مضمون اس سے پہلے سامنے نہیں آیا۔

اگلے مضامین ''بے مثال'' (عارف عبدالمتین) ''کملی میں بارات'' (عرش صدیقی) ''میخانۂ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا شیدائی'' (شہاب دہلوی)، ''ہلال حرم'' (ہلال جعفری) ''زمزمۂ درود و سلام'' (ع۔س

مسلم)، ''مقدس سفر کا بلیغ استعارہ'' (ع۔س مسلم) ''روئے عشقِ محمد ﷺ پر ایک نظر'' (ساغر چنیوٹی)، سرائیکی میں نعت گوئی کے عناصر۔

سرائیکی میں نعت گوئی کے عناصر میں ڈاکٹر طاہر تونسوی کی کچھ تحقیقی صلاحیتیں بیدار ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں ورنہ جہاں تک دوسرے مضامین کا تعلق ہے وہ یا تو دیباچے ہیں یا طاہر تونسوی نے تعارفی تقاریب میں پڑھے ہیں۔ اب ظاہر ہے تعارفی تقریب ہو یا کتاب کا دیباچہ، رقم تو مصنف یا شاعر کی لگتی ہے۔ وہ کس طور گوارا کرے گا کہ اس کی کتاب کے دیباچے میں معمولی سا نقص بھی نکالا جائے یا تعارفی تقریب میں اہلِ علم کے ہجوم میں اس کی ادنیٰ سی تنقیص کی جائے۔ اس طرح اس نوعیت کے مضامین سراسر مدلل مداحی بن کر رہ جاتے ہیں اور ان کی حیثیت ''من ترا ناقد بگویم تو مرا شاعر بگو'' سے آگے نہیں بڑھ پاتی۔ البتہ ہلال جعفری کے یہ الفاظ دلوں کو جھنجھوڑتے ہیں:

> میری کیفیت یہ ہے کہ سوائے ذکر حبیب ﷺ کے مجھے کوئی اور موضوع شاعری پسند نہیں۔ میں اس رنگ میں ایسا جذب ہو گیا ہوں کہ یادِ مکہ اور ذکرِ مدینہ کے علاوہ کوئی تذکرہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ دیارِ حبیب ﷺ کا تصور وہاں کے منظر اور وہیں کے لیل و نہار میرے دل دماغ میں اس طرح پیوست ہو گئے ہیں کہ میں سوچتا ہوں کہ وہیں کی باتیں سنتا رہوں تو وہیں کے نغمے۔ خیال آتا ہے تو اسی فضائے پرنور کا۔ (ص ۶۱)

''قافلۂ شوق کے مسافر'' از راقم

زیرِ تبصرہ کتاب ''قافلۂ شوق کے مسافر'' راقم (پروفیسر محمد اکرم رضا) کی تنقید نعت کے حوالے سے دوسری کتاب ہے۔ اس سے پہلے کاروانِ نعت کے حُدی خواں (۱۹۸۹ء) پر تنقیدی گفتگو ہو چکی ہے۔ ''قافلۂ شوق کے مسافر'' فروغِ ادب اکادمی گوجرانوالہ کے زیر اہتمام ۲۰۰۷ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ یہ کتاب ۲۴۸ صفحات پر مشتمل ہے کتاب خوب صورت آرٹ پیپر پر شائع ہوئی ہے۔ اس کا انتساب امام محمد بن سعید شرف الدین بوصیریؒ کے نام کیا گیا ہے کتاب میں ۱۶/ابواب یا مقالات ہیں۔ تجلی کے عنوان سے راقم کی تحریر سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

) ”روئے عشقِ محمد ﷺ پر ایک نظر“ (ساغر

کی کچھ تحقیقی صلاحیتیں بیدار ہوتی ہوئی نظر آتی
یا تو دیباچے ہیں یا طاہر تونسوی نے تعارفی
ہو یا کتاب کا دیباچہ، رقم تو مصنف یا شاعر کی
ے دیباچے میں معمولی سا نقص بھی نکالا جائے یا
تنقیص کی جائے۔ اس طرح اس نوعیت کے
حیثیت ”من ترا نا قد بگوئم تو مرا شاعر بگو“ سے
ں کو جھنجھوڑتے ہیں:

ب ﷺ کے مجھے کوئی اور موضوع
یسا جذب ہوگیا ہوں کہ یادِ مکہ
چھا نہیں لگتا۔ دیارِ حبیب ﷺ کا
نہار میرے دل دماغ میں اس
تا ہوں کہ وہیں کی باتیں سنتا
اسی فضائے پر نور کا۔ (ص۶۱)

مسافر“ از راقم

محمد اکرم رضا) کی تنقید نعت کے حوالے سے
حُدی خواں (۱۹۸۹ء) پر تنقیدی گفتگو ہو چکی
جرانوالہ کے زیر اہتمام ۲۰۰۷ء میں اشاعت
ب صورت آرٹ پیپر پر شائع ہوئی ہے۔ اس
م کیا گیا ہے کتاب میں ۱۶/ابواب یا مقالات
یش خدمت ہے:

یہ عرض کرنا تحدیثِ نعمت ہے کہ فیاضیٔ قدرت سے شاعری، نثر اور تقریر کا جذبہ خوب خوب عطا ہوا۔ اگرچہ میں نے نظم ونثر کو ایک میدان تک محدود نہیں کیا مگر نعت کے سیلِ نور نے بالخصوص مجھے اپنے بہاؤ میں لے لیا نعت تو لکھی جا رہی تھی مگر تنقیدِ نعت کا تصور اس وقت نا پید تھا۔ جب وقت نے ادھر کو رخ موڑا تو تنقیدات نعت کے لحاظ سے بھی بے تحاشا لکھا۔ مضامین و مقالات، شخصی مضامین، ہمہ گیر تحریریں، دیباچے تقاریظ وغیرہ۔ میں نے بارہا سوچا ہے یہ میری فکر یا میرے قلم کا کمال نہیں بلکہ یہ تو عین عطائے خداوندی ہے کہ ہر لحظہ و ہر آن مجھے نوکِ قلم سے فکرِ نعت کے گل و لالہ لٹانے کے مواقع مہیا کرتی رہی۔ جس وقت میری کتاب ”کاروانِ نعت کے حُدی خواں“ شائع ہوئی تو اس وقت تنقیدِ نعت کا شعور نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لیے اسے ایک پہلو سے اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔

ممتاز ناقد اور محقق حضرت حفیظ تائب ”پیشوائی“ کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

زیرِ نظر کتاب ”قافلۂ شوق کے مسافر“ بھی نعتیہ تحقیق کے روشن سلسلے کا ایک حصہ ہے۔ یہ وہ جادہ ہے جس پر محمد اکرم رضا ایک عرصہ سے چل رہے ہیں۔ ایک بڑے علمی اور ادبی گھرانے کے فرد ہونے کی حیثیت سے انھیں محبت حضور ﷺ آغازِ شعور سے عطا ہوئی۔ راقم کو خوشی ہے کہ سنہری منزل کے راہی ہیں۔ کتنی ہی نعتیہ کتب ان کی توجہ اور راہنمائی سے شائع ہو چکی ہیں۔ مقدمے دیباچے، تقاریظ، فلیپ غرض ایک سیلِ مدحتِ نور پھیلا ہوا ہے۔ (پیشوائی، ص۱۲)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

”قافلۂ شوق کے مسافر“ میں ڈیڑھ درجن کے قریب مضامین نعت ہیں۔ ان کی نثر پر شاعرانہ جمال کا گمان گزرتا ہے۔ نعت نگاروں پر

لکھتے ہوئے یوں لگتا ہے کہ جیسے ان کا قلم تحقیق و تنقید کے نام پر نثری نعتیں تخلیق کررہا ہو۔ انشائے لطیف کی احسن صورت فقرات ڈھلے ڈھلائے، جملے یوں جیسے کہ کوثر و تسنیم کی پاکیزگی لیے ہوئے ہیں۔ میرے بارے میں بعض اوقات مجھ سے محبت کرنے والے شکوہ کرجاتے ہیں کہ میں مدحت نگار کے تذکرے کے لیے بہتر سے بہترین جملوں کا انتخاب کرجاتا ہوں۔اس بات کو میں محمد اکرم رضا کی طرف بھی لوٹانا چاہتا ہوں اس کا جواب انھوں نے یہ دیا تھا کہ اوصاف رسول ﷺ کو دنیاوی اور اُخروی بلندیاں تو خدا اور محمد مصطفیٰ ﷺ عطا کررہے ہوتے ہیں۔ میں تو فقط ان کے اظہار میں گم ہوکر سامانِ بخشش ڈھونڈتا ہوں۔(پیشوائی، ص۱۲)

راقم نے اس کتاب میں علامہ محمد اقبال، مولانا احمد رضا خاں، پیر مہر علی شاہ گولڑوی، صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہ، حفیظ تائب، عارف عبدالمتین، راجا رشید محمود، عابد نظامی، سیّد صبیح رحمانی، سیّد ابوالخیر کشفی، عبدالغنی تائب، انور جمال، محمد اعظم چشتی، راسخ عرفانی، محمد اقبال نجمی، پر اظہار خیال کیا ہے۔ بجائے اس کے کہ راقم خود ان مضامین کا فنی اور تنقیدی جائزہ لے یا ان سے اقتباسات پیش کرے راقم ایک مرتبہ پھر حضرت حفیظ تائب کے طویل مقدمہ اور اس کے مباحث سے راہنمائی لینا چاہے گا۔ کیوں کہ یہ مضامین و مقالات راقم کے اپنے تحریر کردہ ہیں، اس لیے قبلہ حفیظ تائب بہتر فیصلہ کرسکیں گے۔
محمد اکرم رضا علامہ اقبال کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

علامہ اقبال کی نعت مروّجہ اسالیب سے ہٹ کر ہے ان کی نظموں کے عنوانات نعت نہیں ہیں مگر ان میں نعت ہوتی ہے۔ وہ ملتِ اسلامیہ کو درپیش مسائل کا تذکرہ چھیڑیں، صحابہ کرام کی قربانیوں کا تذکرہ کریں، مسلمانوں کو ان کا بھولا ہوا ماضی یاد دلائیں۔ خودی و خودداری کے اسرار بیان کریں۔ غازیانِ اسلام کو خراجِ عقیدت پیش کریں۔ مسجد قرطبہ پر قلم اٹھائیں یا اسلام کی عظمت رفتہ کا نوحہ بانگ درا کا موضوع

قلم تحقیق وتنقید کے نام پر نثری
لی احسن صورت فقرات ڈھلے
کی پاکیزگی لیے ہوئے ہیں۔
سے محبت کرنے والے شکوہ
ے تذکرے کے لیے بہتر سے
اس بات کو میں محمد اکرم رضا کی
انھوں نے یہ دیا تھا کہ اوصاف
س تو خدا اور محمد مصطفیٰ ﷺ عطا
کے اظہار میں گم ہوکر سامانِ

خاں، پیر مہر علی شاہ گولڑوی، صاحبزادہ سیّد فیض
د، عابد نظامی، سیّد صبیح رحمانی، سیّد ابوالخیر کشفی،
، محمد اقبال نجمی، پر اظہار خیال کیا ہے۔ بجائے
لے یا ان سے اقتباسات پیش کرے راقم ایک
کے مباحث سے راہنمائی لینا چاہے گا۔ کیوں کہ
لیے قبلہ حفیظ تائب بہتر فیصلہ کرسکیں گے۔

، ہٹ کر ہے ان کی نظموں کے
ت ہوتی ہے۔ وہ ملتِ اسلامیہ کو
رام کی قربانیوں کا تذکرہ کریں،
دلائیں۔ خودی و خودداری کے
راجِ عقیدت پیش کریں۔ مسجد
رفتہ کا نوحہ بانگ درا کا موضوع

بنائیں حق تو یہ ہے کہ اقبال کسی نہ کسی صورت نعت کی جلوہ گری دکھا جاتے ہیں۔ (اقبال ایوانِ مدحت میں، ص۱۹)

امام احمد رضا خاں کے بارے میں تائب صاحب راقم کی تحریر سے یہ اقتباس پیش کرتے ہیں:

مولانا احمد رضا خاں مبلغِ اسلام اور مفسر تھے۔ ان کے تمام علمی اور دینی کمالات اپنی جگہ مگر ان کی بدولت نعت گوئی کی صنف کو جو مقام ملا ہے اس کا تذکرہ دنیائے عقیدت کا افتخار بنا رہے گا۔ احمد رضا خاں جیسے فرزندانِ روزگار صدیوں بعد جنم لیتے ہیں محمد اکرم رضا نے ان کی نعت گوئی کو دل کھول کر بیان کیا ہے۔ ان کے بقول احمد رضا خاں کی نعت عشق وعقیدت کی داستان ہے۔ ایسی داستان کہ جس کا ایک ایک لفظ ذوق وشوق کی کیفیات سے بہرہ ور کرتا اور عنایاتِ خصوصی کا حق دار ٹھہرتا ہے۔ یہی عشق ان کا سرمایۂ حیات ہے۔ یہی ادب واحترام ان کا اثاثۂ عمل اور روحانی گداز ان کے لیے ذریعۂ نجات تھا۔ (کاروان سالارِ نعت فنی وتحقیقی جائزہ، ص۵۸)

اسی طرح راجا رشید محمود کے بارے میں حفیظ تائب کے منتخب الفاظ:

ان کا مدعائے عشق نگہہِ الطاف حضور ﷺ ہے۔ ان کے تصورات تجلیات رسول مقبول ﷺ سے آباد ہیں تو الفاظ سیرتِ محمد ﷺ کی جلوہ افروزیوں سے مہک رہے ہیں۔ یہ اپنے آقا ومولا کی حیاتِ مقدسہ کے ہر پہلو کو حاصلِ ایمان بنائے ہوئے ہیں۔

(کاروانِ نعت کا ممتاز رکن راجا رشید محمود، ص۱۷۱)

قمر یزدانی کے حوالے سے ’’قمر یزدانی روشنی ماضی کے پس منظر میں عہد حال کا اعزاز ہیں۔ ان کا ماضی مدحتِ رسول کے اعزاز سے آباد ہے اور ان کا حال ثنائے رسول ﷺ کی رفعتوں سے بہرہ ور ہے اور مستقبل کا پھوٹتا ہوا سویرا ان کی دنیوی و اخروی سرخوشی کی نوید دے رہا

ہے۔(ساغر کوثر کا تمنائی قمر یزدانی، ص ۱۹۱)

نظیر حسین نظیر لدھیانوی کے بارے میں راقم کے مضمون سے جناب تائب کا انتخاب!

> صاحبو! آج نہیں دیکھا تو دیکھ لو..اپنی نگاہوں میں سمیٹ لو..قبل اس کے کہ یہ حسین عہدِ حال عہدِ ماضی میں بدل جائے نظیر لدھیانوی کی صحبت کو غنیمت جان لو کہیں سے آبِ بقائے دوام ڈھونڈ لو کہ تقدیر کا ماضی ہمیں ہر آن بچھڑنے کا پیغام دے رہا ہے۔

برصغیر کے نام ور خطیب صاحب زادہ سیّد فیض حسن شاہ حسن کلام کے بادشاہ تھے۔لاکھوں سے خطاب کرتے اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے دلوں کو گرماتے تھے لیکن اس کے ساتھ وہ ایک بڑے شاعر بھی تھے۔ راقم کے کلام سے حضرت حفیظ تائب کا انتخاب:

> صاحب زادہ سیّد فیض الحسن ایک بہت بڑے علمی و روحانی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔گھر میں آنکھ کھولتے ہی علم و ادب کا غیر معمولی چرچا دیکھا۔قدرت نے طبع موزوں عطا کی تھی۔اس لیے چھوٹی عمر میں ہی خوب صورت نعتیہ اشعار کہنے لگے۔کالج کی تعلیم کے دوران میں آپ کے ساتھ پڑھنے والے کئی عظیم سر بلند اصحاب اس دور میں آپ کی شعری صلاحیتوں کو خراجِ عقیدت پیش کر چکے ہیں۔نوائے وقت (۱۹۸۶) میں شائع ہونے والے ایک انٹرویو میں فیض احمد فیض نے کالج میں تعلیم کے دوران میں شاہ صاحب کے بہت اچھے شاعر ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ (خطیب اسلام سیّد فیض الحسن شاہ صاحب، ص ۱۱۰)

عابد نظامی کے حوالے سے مضمون سے جناب تائب کا انتخاب ملاحظہ کیجیے:

> عابد نظامی ایک راست فکر ادیب و شاعر ہیں۔سرکارِ دو عالم ﷺ کی عظمت و حقانیت پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہیں۔فکری اور روحانی راہنمائی کے لیے ان کی نگاہیں ماسکو یا واشنگٹن کی طرف نہیں اٹھتیں بلکہ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ ان کی نظریاتی منازل ہیں۔

سے جناب تائب کا انتخاب!
نگاہوں میں سمیٹ لو..قبل اس
بدل جائے نظیر لدھیانوی کی
بقائے دوام ڈھونڈلو کہ تقدیر کا
رہا ہے۔
حسن کلام کے بادشاہ تھے۔ لاکھوں سے خطاب
ن اس کے ساتھ وہ ایک بڑے شاعر بھی تھے۔

ڑے علمی و روحانی گھرانے کے
ہی علم و ادب کا غیر معمولی چرچا
ھی۔ اس لیے چھوٹی عمر میں ہی
لج کی تعلیم کے دوران میں آپ
ر اصحاب اس دور میں آپ کی
ش کر چکے ہیں۔ نوائے وقت
انٹرویو میں فیض احمد فیض نے
ب کے بہت اچھے شاعر ہونے
لام سیّد فیض الحسن شاہ صاحب، ص۱۱۰)
تخاب ملاحظہ کیجیے:
عر ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی
رکھتے ہیں۔ فکری اور روحانی
یا واشنگٹن کی طرف نہیں اٹھتیں
ں منازل ہیں۔

(عابد نظامی اور فیضانِ کرم، ص۱۹۷)

راقم اس ضمن میں یہ عرض کر دینا چاہتا ہے کہ یہ مقالات آج سے بہت عرصہ پہلے کے لکھے ہوئے ہیں سیّد فیض الحسن، محمد اعظم چشتی، نظیر لدھیانوی، سیّد ابوالخیر کشفی، قمر یزدانی، راسخ عرفانی، حضرت حفیظ تائب کی زندگی میں یہ مقالات لکھے گئے۔ آہستہ آہستہ یہ شخصیات ہماری چشمِ ظاہری سے اوجھل ہوتی گئیں۔ جب حفیظ تائب نے ''پیشوائی'' کے نام سے مقدمہ لکھا تو ان کے بارے میں بھی مضمون کئی جرائد میں شائع ہو چکا تھا۔ جب وہ وصال فرما گئے تو ان کے متعلق بھی مضمون شامل کر لیا گیا۔ اور اس کا اظہار راقم نے کتاب کی اشاعت سے پہلے کر دیا تھا۔ میرے خیال میں حضرت حفیظ اس بلند مقام پر تھے کہ کسی قسم کی داد و دہش سے بے نیاز تھے۔ اس لیے راقم نے ان کے بارے میں مضمون کی اشاعت سے اپنے لیے حفیظ شناسی کا اہتمام کر کے ایک روحانی مسرت حاصل کی۔ اس کا ذکر ''تجلی'' اور ''پیشوائی'' میں موجود ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے راقم حضرت حفیظ تائب کے بارے میں کتاب سے چند سطور رقم کرنے کا خواہاں ہے۔

> یہ تو ظاہر ہے کہ ہر صنف سخن کی طرح نعت میں بھی ہر شاعر یا نعت گو کی ایک انفرادی آواز ہوتی ہے۔ جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ حفیظ تائب کی نعت کی بھی ایک منفرد نوا ہے۔ یہ آواز ہے وفورِ شوقِ عقیدت، وہ لہجہ جو ادب و احتیاط کا پاسدار ہے۔ حفیظ کی نعت پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسا وصاف ہے جو حضور ﷺ کے روبرو کھڑا ہے شوق ہے کہ امڈا چلا آتا ہے اور ادب ہے کہ سایا کیے جاتا ہے۔ (عہد آفریں نعت گو حفیظ تائب، ص۱۲۳)

''ذکر حفیظ تائب'' از محمد مقصود حسین شاہ

حفیظ تائب عصر حاضر کے انتہائی نمائندہ اور محترم شاعر تھے آپ کا شمار ان ثناگوؤں میں ہوتا ہے جو غزل کے صحرائے نجد سے نعت کے گلستان میں آئے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہوگئے آپ لاریب سعید اُن مرادانِ حق میں سے تھے جن سے زمانے کی پہچان ہوتی ہے۔ حفیظ تائب کی نعتیہ شاعری میں خلوص تھا، عشق و ارادت مندی تھی، ادب و احتیاط کا حسن تھا۔ صورت و سیرت مصطفیٰ ﷺ

کی تب و تاب تھی اس لیے دیکھتے ہی دیکھتے ایک شہرِ نعت سج گیا۔ حفیظ کا اعزاز ہے کہ انھوں نے عصرِ حاضر کو نعت کا حسن اور بانکپن دے کر ان کے قلب و نظر میں اُتار دیا۔ حفیظ پر بہت لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''ذکرِ حفیظ تائب'' کو محمد مقصود حسین شاہ نے ترتیب دیا ہے ۱۶۰ رصفحات پر مشتمل اس کتاب کو القمر انٹر پرائزز اُردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے سالِ اشاعت ۲۰۰۷ء ہے۔ اس کا دیباچہ ڈاکٹر ریاض مجید نے لکھا ہے جب کہ اس کا پیش لفظ محمد مقصود حسین شاہ نے تحریر کیا ہے۔ کتاب کا پہلا باب آپ کے ''حال احوال'' پر مشتمل ہے اس میں آپ کے زندگی کے احوال و افکار ہیں۔ دوسرا باب ''نعت کیا ہے''۔ اس باب میں تذکارِ نعت کی بہار بکھری ہے۔ تیسرا باب ''فکری محاسن'' پر مشتمل ہے جس میں آپ کی شاعری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ باب بڑا معلوماتی، علم افزا اور فکر انگیز ہے۔ یوں نظر آتا ہے کہ یہ باب ایک مضبوط بنیاد ہے۔ اور ذکرِ حفیظ تائب کی پوری عمارت اس پر ایستادہ ہے۔ آگے ''فنی محاسن'' کا باب نظر آتا ہے جس میں صنائع، بدائع، تراکیب و استعارات، شعری بندشوں، فکرِ تکرارِ لفظی الفاظ کے برمحل انتخاب، سہل ممتنع، جدت و ندرت، صنعت تضاد، صنعت تلمیح، صنعت مراعات النظیر، تشبیہہ و استعارہ اور سادگی سلاست کی روشنی میں آپ کی زندہ رہنے والی نعتیہ شاعری کا سیر حاصل مطالعہ کیا گیا ہے۔ آخری باب میں ان کی شاعری کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر ریاض مجید ایک صفحے کے دیباچے میں رقم طراز ہیں:

> جناب حفیظ تائب نعت گوئی کا اہم ترین حوالہ ہیں۔ ان کی تخلیقی زندگی کا کم و بیش سارا حصہ بھرپور انداز سے نعت گوئی میں صرف ہوا۔ انھوں نے اردو اور پنجابی میں نعت گوئی اس باکمال اور شائستہ طریقے سے کی کہ انھیں ان کی زندگی میں ہی نعت کے باب میں کلاسیک کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ یہ درجہ اور مرتبہ اپنے پس منظر میں مطالعے اور ریاضت کی ایک طویل تاریخ رکھتا ہے جو نصف صدی سے زیادہ عرصے کو محیط ہے...انھوں نے خود بھی اعلیٰ نعت تخلیق کی اور نعتیہ شاعری کرنے والے شاعروں کی حوصلہ افزائی بھی کی ان کی نعت گوئی میں

ت سج گیا۔ حفیظ کا اعزاز ہے کہ انھوں نے عصرِ
نظر میں اُتار دیا۔ حفیظ پر بہت لکھا گیا اور لکھا

نے ترتیب دیا ہے ۱۶۰؍صفحات پر مشتمل اس
ہے سالِ اشاعت ۲۰۰۷ء ہے۔ اس کا دیباچہ
مقصود حسین شاہ نے تحریر کیا ہے۔ کتاب کا پہلا
کے زندگی کے احول وافکار ہیں۔ دوسرا باب
ں ہے۔ تیسرا باب ''فکری محاسن'' پر مشتمل ہے
بڑا معلوماتی، علم افزا اور فکر انگیز ہے۔ یوں نظر
ظ تائب کی پوری عمارت اس پر ایستادہ ہے۔
بدائع، تراکیب واستعارات، شعری بندشوں،
ت وندرت، صنعت تضاد، صنعت تلمیح، صنعت
وشنی میں آپ کی زندہ رہنے والی نعتیہ شاعری کا
عری کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔

ں:

ں حوالہ ہیں۔ ان کی تخلیقی زندگی
سے نعت گوئی میں صرف ہوا۔
ں اس باکمال اور شائستہ طریقے
نعت کے باب میں کلاسیک کا
اپنے پس منظر میں مطالعے اور
و نصف صدی سے زیادہ عرصے
نعت تخلیق کی اور نعتیہ شاعری
ں بھی کی ان کی نعت گوئی میں

جاذبیت، اخلاص اور تاثیر بدرجہ اتم موجود ہے۔

کتاب کے مرتب سیّد مقصود حسین شاہ کا کہنا ہے:

> حفیظ تائب نے خود کو مدحتِ سرکار ﷺ کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ اس کے اثرات ان کی ذاتی زندگی پر بھی دیکھے جا سکتے تھے۔ وہ حسنِ اخلاق کا مجسمہ تھے۔ ان کی شرافت اور نجابت کا ہر کوئی معترف تھا۔ حفیظ تائب نعت پڑھتے تو رنگ و نور میں ڈوبے ہوئے دکھائی دیتے۔ نعت کو وہ معراجِ فن خیال کرتے تھے۔ بلاشبہ وہ ایک محبوب شاعر تھے انھیں جو محبوبیت اور مقبولیت حاصل ہوئی وہ محبوبِ ربّ کائنات سے قلبی محبت اور عقیدت کی وجہ سے تھی۔ (پیش لفظ، مقصود حسین، ص۱۱)

احوال وآثار سے ان کے سوانح حیات کی جھلک پیش کی گئی ہے۔ ان کے والد گرامی حاجی چراغ دینؒ قادری نیک سیرت اور درویش صفت انسان تھے۔ اسکول ٹیچر تھے۔ ان کی والدہ محترمہ ایک پاکیزہ صفت خاتون فاطمہ بی بی تھیں۔ چوں کہ والد ماجد ملازم تھے اس لیے ان کی تعلیم کا آغاز احمد نگر سے ہوا اور کئی علاقوں میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر فاضل اردو کا امتحان پاس کیا۔ بی اے، ایم اے پاس کر کے واپڈا میں ملازم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے شادی کے بعد انھیں بیٹیوں سے نوازا مگر یہ صابر و شاکر ہو کر ان کی تعلیم اور شادیوں میں لگے۔ خاتونِ خانہ شدید بیمار ہو گئیں اور پھر وفات پا گئیں۔ ۱۹۸۸ء میں کینسر کے مرض میں مبتلا ہو گئے مگر بہادری سے زندہ رہ کر اوروں کو جینے کے آداب سکھلا گئے۔ بالآخر ۱۳؍جون ۲۰۰۵ء میں درمیانی شب کو آپ اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

سیّد صبیح الدین رحمانی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> مداحِ خیر المرتبت جناب حفیظ تائب بھی دنیا سے گزر گئے مگر ان کے سلسلے میں حیات و موت کی رسمی اصطلاحات بے معنی ہیں۔ وہ ریاض حبِ نبی محترم ﷺ میں زندہ ہیں۔ زندگی عبارت ہے مقصد سے اور ان کا مقصد حضور ﷺ کا ذکر تھا جس کو فنا نہیں۔ ذکرِ رسول ﷺ نے انھیں آئینہ نعت بنا دیا تھا۔ (''نعت رنگ'' کراچی، نمبر ۱۷)

حفیظ تائب پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ ہم تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے ان کی جاودانی نعت سے چند اشعار پیش کرتے ہیں:

بادِ رحمت سنک سنک جائے　　وادیٔ جاں مہک مہک جائے
جب چھڑے بات نطقِ حضرت کی　　غنچۂ فن چٹک چٹک جائے
شوق و نیاز و عجز کے سانچے میں ڈھل کے آ　　یہ کوچۂ حبیب ہے پلکوں پہ چل کے آ
اُمت کے اولیا بھی ادب سے ہیں دم بخود　　یہ بارگاہِ سرورِ دیں ہے سنبھل کے آ
خوش بو ہے دو عالم میں تری اے گلِ چیدہ　　کس منہ سے بیاں ہوں ترے اوصافِ حمیدہ
خوش خصال وخوش خیال وخوش نظر خیر البشر　　خوش نژاد و خوش نہاد و خوش نظر خیر البشر
خواب ہی میں رُخِ پرنور دکھاتے جاتے　　تیرگی میرے مقدر کی مٹاتے جاتے
اعزاز یہ سرکار کی سیرت کے لیے ہے　　ہر دور میں انساں کی ہدایت کے لیے ہے
خوش ہوں کہ میری خاک ہی احمد نگر کی ہے　　مجھ پر نظر ازل سے شہِ بحر و بر کی ہے

دے تبسم کی خیرات، ماحول کو ہم کو درکار ہے روشنی یا نبی
ایک شیریں جھلک ایک نوریں ڈھلک تلخ و تاریک ہے زندگی یا نبی

''ہنر نازک ہے'' از عزیز احسن

''ہنر نازک ہے'' مشہور نقاد عزیز احسن کی تصنیف ہے۔ ۲۰۸ صفحات کی اس کتاب کو اقلیم نعت کراچی، نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب ۲۰۰۷ء میں اشاعت پزیر ہوئی۔ مرکزی ٹائٹل کے نیچے باریک الفاظ میں رقم ہے ''مدحِ سرکارِ دو عالم ﷺ کا ہنر نازک ہے''...اس میں ''عرضِ مرتب'' کے علاوہ نو مضامین شامل ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جنھیں قاری ''نعت رنگ'' یا دوسرے رسائل میں پڑھ چکے ہوں گے۔ ہم اس سے پیش تر بھی جناب عزیز احسن کی دو نعتیہ تنقیدی کتب پر تبصرہ کر چکے ہیں اس لحاظ سے یہ تیسری کتاب ہے جس کے بارے میں ہم اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کر رہے ہے۔ عزیز احسن کی متعدد کتب اس سے پیش تر شائع ہو چکی ہیں۔ سیّد صبیح رحمانی نے انھیں نکھارا، خود اعتمادی اور بلند اعتمادی پیدا کی، ''نعت رنگ'' کو ان کے لیے میدانِ سخن گوئی بنا دیا۔ اور آج یہ خاص طور پر نعت کے حوالے سے جس مضمون پر بھی چاہیں خوب لکھ سکتے ہیں۔ جس کا اندازہ ہمیں ان کے

ں سے گریز کرتے ہوئے ان کی جاوِدانی نعت

وادیِٔ جاں مہک مہک جائے
غنچۂ فن چٹک چٹک جائے
یہ کوچۂ حبیب ہے پلکوں پہ چل کے آ
یہ بارگاہِ سرورِ دیں ہے سنبھل کے آ
کس منھ سے بیاں ہوں ترے اوصاف حمیدہ
خوش نژاد و خوش نہاد و خوش نظر خیر البشر
تیرگی میرے مقدر کی مٹاتے جاتے
ہر دور میں انساں کی ہدایت کے لیے ہے
مجھ پر نظر ازل سے شہِ بحر و بر کی ہے
م کو درکار ہے روشنی یا نبی
ں تلخ و تاریک ہے زندگی یا نبی

' ازعزیز احسن

۔ ۲۰۸ صفحات کی اس کتاب کو اقلیم نعت کراچی،
ںمیں اشاعت پزیر ہوئی۔ مرکزی ٹائٹل کے نیچے
ہنر نازک ہے''... اس میں ''عرضِ مرتب'' کے
اری ''نعت رنگ'' یا دوسرے رسائل میں پڑھ
سن کی دو نعتیہ تنقیدی کتب پر تبصرہ کر چکے ہیں
ہم اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کر رہے۔
کی ہیں۔ سیّد صبیح رحمانی نے انھیں نکھارا، خود
کے لیے میدانِ سخن گوئی بنا دیا۔ اور آج یہ خاص
وب لکھ سکتے ہیں۔ جس کا اندازہ ہمیں ان کے

متعدد مضامین کو پڑھ کر ہوتا رہتا ہے۔ دراصل جب تک صاحبِ فکر کے اپنے بازوؤں میں دم، دل و دماغ میں صلاحیت اور قلم سے جواہر ٹپکانے کا ہنر نہ ہو تب تک ہنر کی نمود نازک لگتی ہے۔ خوشی ہے آج عزیز احسن کا شمار ملک کے گنے چنے ناقدینِ نعت میں ہوتا ہے۔ اللہ کرے حسنِ بیاں اور زیادہ، بالخصوص نعت رنگ میں تبصرہ کے لیے آئی ہوئی کتب ان ہی کے سپرد ہوتی ہیں۔ مضمون بھی ہوگیا اور تبصرہ بھی۔ صاحب کتاب بھی خوش اور صبیح رحمانی بھی خوش۔ باغباں بھی خوش رہے، راضی رہے صیاد بھی، کتاب کے مضامین میں تنوع پایا جاتا ہے جو ذہن وفکر کی بالیدگی کی ضمانت ہے۔ قمر عینی عرضِ مرتب میں لکھتے ہیں:

> شعر و ادب اور لسانیات میں بھی تنقیدی شعور ہی کی کارفرمائی ہے جس کی بدولت ہمارے ادبی تمول میں روز افزوں اضافہ ہورہا ہے۔ اور اس میں ہر قدم پر بہتری بھی پیدا ہورہی ہے۔ دیانت دار نقاد کسی بھی تخلیق کار کی تخلیق کو تنقید کی چھلنی سے گزار کر کوتاہیوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ایسی ہی دیانتدارانہ تنقید تخلیقی سچائیوں کو جنم دینے میں معاون ثابت ہوتی ہے....عزیز احسن ایک ایسے بالغ نظر اور دُور رس نقاد کا نام ہے جو خود اپنے کلام کو بھی خود احتسابی کے عمل سے گزارتا ہے اور کسی کے کہے کا برا مانے بغیر یہ دیکھتا ہے کہ کیا کہا گیا ہے۔

مضمون عرض کیجے جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں میں ان نعت گوؤں اور نعت خوانوں پر گرفت کی گئی ہے کہ یہ لوگ خود کو ہر پابندی سے آزاد سمجھتے ہیں۔ جدید لہجے میں فنی شعور کے ساتھ نعت کہنے والوں کو فن کی کلاسیکی قدروں سے استفادے کی ضرورت ہے ورنہ اس سے زبان کو نقصان پہنچے گا اور بے راہ راوی پھیلے گی۔ عزیز احسن نے ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے حرم نبوی میں دعا کی تھی کہ ''بارالہٰ! مجھے لکھنے پڑھنے کی صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں وہ دین کے لیے وقف کرنے کی توفیق ارزانی ہو۔ (ص۱۶)

> ایک حمد یہ نظم کا تجزیاتی مطالعہ کے عنوان سے اپنی خوب صورت تحریر میں کہا ہے ''قمر جمیل کی اس نظم میں ان کی جذبہ پرستی تخیل کی آزادہ روی، روایتی طرز اظہار سے گریز اور تصوف سے ان کی دلچسپی کے آثار

نمایاں ہیں جورومانویت کی طرف ان کے میلانِ طبع کے آئینہ دار ہیں۔(ص۲۴)

اگلا مضمون ''افصح العرب ﷺ کے حضور میں''۔ یہ مقالہ بڑا نفع بخش، دُور رس نتائج کا حامل اور مصنف کی علمی صلاحیت اور گہرے مطالعے کی دلیلِ روشن ہے۔ اس میں جہاں نعت کے بارے میں ادب واحتیاط کی سخت تاکید کی گئی وہاں بغیر کسی لگی لپٹی کے انھوں نے ان شعرا پر گرفت کی ہے کہ جو شعر کہہ کر اس کے انجام سے بے خبر ہوتے ہیں۔(ص۹۶)

''مقصود کائنات'' کے عنوان سے عزیز احسن کا کہنا ہے کہ فقط حضور ﷺ ہی مقصودِ کائنات ہیں۔ آپ **لولاک لما خلقت الا فلاک** کا مصداق ہیں۔ آپ سے ہٹ کر کوئی نبی، پیمبر، صحابی، تابعی، ولی کامل، درویش خدامست اس کا حقدار نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی ایسی جرأت کرے گا تو نبوتِ محمدی ﷺ کا دروازہ کھولنے کا باعث بنے گا۔ اس ضمن میں انھوں نے درجنوں اشعار اور روایات اپنے موضوع کی تائید میں دیے ہیں۔(ص۱۱۸)

''فی امامِ مبین'' عزیز احسن کا وہ مضمون ہے جو نعت رنگ شمارہ ۱۹ میں شائع ہوا۔ اس کا نام تو تھا ''افصح العرب کے حضور میں'' لیکن بعد میں ایک شیعہ دوست نے بحث چھیڑ دی امامت کے حوالے سے تو انھیں ''فی امامِ مبین'' کے نام سے مزید تحقیق سے گزرنا پڑا۔ اس مضمون میں امام احمد رضا خان، سیّد نعیم الدینؒ مراد آبادی، مفتی احمد یار خان نعیمیؒ، قاضی محمد ثناء اللہؒ پانی پتی، سیّد شبیر احمد وغیرہم کے حوالے دے کر ثابت کیا ہے کہ نبوتِ محمدی ﷺ ہی میں آخری نبوت ہے اور کسی کی امامت کا کوئی تصور نہیں۔(ص۱۲۲)

کلامِ رضا میں مناقب صحابہ اور امہات المومنین کے حوالے سے لکھتے

کے میلانِ طبع کے آئینہ دار

میں''۔ یہ مقالہ بڑا نفع بخش،
صلاحیت اور گہرے مطالعے کی
کے بارے میں ادب و احتیاط کی
کے انھوں نے ان شعرا پر گرفت
بے خبر ہوتے ہیں۔(ص۹۶)
حسن کا کہنا ہے کہ فقط حضور ﷺ
لما خلقت الا فلاک کا
، پیمبر، صحابی، تابعی، ولی کامل،
لتا۔ اگر کوئی ایسی جرأت کرے
کا باعث بنے گا۔ اس ضمن میں
پنے موضوع کی تائید میں دیے

ہے جو نعت رنگ شمارہ ۱۹ میں
کے حضور میں'' لیکن بعد میں
امت کے حوالے سے تو انھیں
سے گزرنا پڑا۔ اس مضمون میں
آبادی، مفتی احمد یار خان نعیمیؒ،
غیر ہم کے حوالے دے کر ثابت
ی نبوت ہے اور کسی کی امامت

المومنین کے حوالے سے لکھتے

ہیں (ص۱۲۴) کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے چار مقتدر صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ عزیز احسن نے ''حدائق بخشش'' کو خوب خوب کھنگالا ہے اور امام احمد رضا خاں نے اُن صحابہ کرام، اُمہات المومنین، جملہ اولیائے کرام، اسلام کے غازیوں، مجاہدوں اور قرب رکھنے والے اہل بیتِ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن ادب و احترام اور ان کی صحابیت اور اُمہات المومنین کے مقام و مرتبہ میں کمی نہیں آنے دی۔ آپ کے اشعار کی ایک بہت بڑی تعداد اس موضوع کو واضح کرتی ہے اور یہ حضرت شاہ احمد رضا خان ہی کا فیضِ خاص ہے۔ اگلا مضمون ''ولائے رسول کے اظہاری زاویے'' قمر رعینی کی نعتیہ شاعری کا جائزہ'' ہے اس میں عزیز احسن نے بیان کیا ہے کہ قمر رعینی غزل سے نعت کی طرف آئے اور خوب آئے اور ''ولائے رسول'' کے نام سے ایک شعری مجموعہ ترتیب دے دیا۔ عزیز احسن نے قمر رعینی کی شاعری کی دل کھول کر تعریف کی ہے۔ قمر رعینی نے حمد بھی لکھی اور نعت بھی عزیز احسن نے قمر رعینی کے ان اشعار پر گرفت کی ہے جو موضوع کے تقدس سے ہٹ گئے ہیں اور تسامحات کی نشان دہی، ہے مگر احترام کے ساتھ اور آخر میں کہتے ہیں کہ میں نے ''ولائے رسول'' اور دوسری تمام تالیفی و تخلیقی کتابوں میں لکھا ہے کہ میرے کلام کو کلام بشر سمجھا جائے۔ یعنی میرا فیصلہ حرف آخر نہیں میری تنقید پر بھی تنقید ہو سکتی ہے۔(ص۱۶۳)

اس تنقیدی کتاب میں عزیز احسن کا اخری مضمون ''تیرا وجود الکتاب'' جو پروفیسر محمد اقبال جاوید کی تصنیف پر تبصرہ ہے عزیز احسن نے اس ضمن میں جو بھی لکھا لیکن ہم اس پر مزید تبصرہ نہیں کر سکتے کہ ہم پروفیسر صاحب کی اس تنقیدی تصنیف کا پہلے ہی تفصیل سے جائزہ لے

چکے ہیں۔(ص۱۱۰)

’’نعت نگر کا باسی‘‘ از سیّد صبیح الدین رحمانی

’’نعت نگر کا باسی‘‘ جیسے خوب صورت عنوان کی کتاب وطنِ عزیز کے نام ور نقاد، انشا پرداز، ممتاز محقق، ماہر تعلیم اور نجانے کتنے شاعروں اور محققین کی راہنمائی کرنے والے ڈاکٹر پروفیسر سیّد محمد ابوالخیر کشفی کی نعت گوئی اور نعت شناسی کا ایک جائزہ ہے اس کتاب کو ممتاز شاعر، ادیب اور ’’نعت رنگ‘‘ کے مدیر سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی نے ترتیب دیا ہے۔۱۶۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۲۰۰۸ء اقلیم نعت کراچی کے زیر اہتمام پورے اشاعتی حسن کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں اردو زبان کی، ماہر شخصیات اور معروف محققین نے حضرت ابوالخیر کشفی کی علمی، ادبی اور خاص طور پر نعتیہ خدمات کا جائزہ لیا ہے ہر مقالہ نگار نے منفرد انداز میں جناب کشفی کی نعت شناسی اور نعت گوئی کو موضوع سخن بنایا ہے۔ بلاشبہ کشفی صاحب ایسے ہی بلند صفت انسان تھے کہ ان کو جتنا بھی خراجِ محبت ادا کیا جائے کم ہے۔

سیّد صبیح رحمانی جیسے دکھائی دیتے ہیں ویسے نہیں ہیں۔ بہت گہرے، کاٹ دار فقروں کے کانٹے برسانے والے، ساتھ محبت کے گلابوں کی مہک اس حد تک لٹانے والے کہ کسی کو کانٹوں کی چبھن کا احساس تک نہ ہو۔ ادبی حلقوں میں ترقی پسندوں (اشتراکیت نوازوں) نے خوب خوب رنگ بدلے ہیں۔ جب اقبال کی شاعری کا سورج نصف النہار کو پہنچا تو اقبال شناسی کے نئے زاویے تراشنے کے ساتھ ساتھ اقبال کے مزار کے وارث ہونے کا دعویٰ بھی کرنے لگے کہ ہم سے زیادہ اقبال شناس کون ہے اور مطلب کی چند منظومات اور اشعار ڈھونڈ لیے۔ وہ تو بھلا ہو اقبال کے حقیقی پرستاروں کا جنھوں نے اقبال سے وفاداری کا حق شایانِ شان طریق سے نباہا۔ اسی طرح جب دیکھا کہ پاکستان کا وجود ایک تاریخی حقیقت میں ڈھلنے والا ہے تو یہاں بھی قرطاس وقلم کے پھریرے لہراتے ہوئے آ گئے‘‘۔ کشفی صاحب نے ان نقادوں کا بھی تعاقب کیا جو اقبال کو ان کے فکری سرچشمے یعنی قرآن حکیم سے الگ کرکے اس بنا پر اشتراکیت کا شارح اور مناد قرار دیتے ہیں کہ اس کے ہاں زندگی کا حرکی تصور ملتا ہے۔ اب ان اشتراکیت نوازوں کے بارے میں سیّد صبیح رحمانی کی یہ چند سطور ملاحظہ کیجیے:

سیّد صبیح الدین رحمانی

طنِ عزیز کے نام ور نقاد، انشا پرداز، ممتاز محقق،
رنے والے ڈاکٹر پروفیسر سیّد محمد ابوالخیر کشفی کی
و ممتاز شاعر، ادیب اور ''نعت رنگ'' کے مدیر
ات پر مشتمل یہ کتاب ۲۰۰۸ء اقلیم نعت کراچی
ئی ہے۔ اس کتاب میں اردو زبان کی، ماہر
لمی، ادبی اور خاص طور پر نعتیہ خدمات کا جائزہ
ت شناسی اور نعت گوئی کو موضوع سخن بنایا ہے۔
و جتنا بھی خراجِ محبت ادا کیا جائے کم ہے۔
۔ بہت گہرے، کاٹ دار فقروں کے کانٹے
ر تک لٹانے والے کہ کسی کو کانٹوں کی چبھن کا
را کیت نوازوں) نے خوب خوب رنگ بدلے
چا تو اقبال شناسی کے نئے زاویئے تراشنے کے
ں کرنے لگے کہ ہم سے زیادہ اقبال شناس کون
ے۔ وہ تو بھلا ہوا اقبال کے حقیقی پرستاروں کا
ق سے نباہا۔ اسی طرح جب دیکھا کہ پاکستان
ں بھی قرطاس و قلم کے پھریرے لہراتے ہوئے
لیا جو اقبال کو ان کے فکری سرچشمے یعنی قرآن
ر مناد قرار دیتے ہیں کہ اس کے ہاں زندگی کا
رے میں سیّد صبیح رحمانی کی یہ چند سطور ملاحظہ

> اب جب کہ نعت کا پھریرا چہار سمت اڑ رہا ہے۔ اس صنف کی سمت وہ شعرا بھی مائل نظر آتے ہیں جو اس سے قبل نام نہاد ترقی پسندی کے دامِ فریب کا شکار تھے اور حمد و نعت کی شاعری کو شاعری ماننے کو بھی تیار نہیں تھے ۔ یہ ایک اچھا شگون ہے کہ صبح کے بھولے شام کو گھر آ گئے ۔(دیباچہ، ''نعت نگر کا باسی''، سیّد صبیح رحمانی، ص۱۴)

صبیح رحمانی نے یہ بات بڑے ملائم لہجے میں کہی ہے۔ دراصل ہمارے یہ نام نہاد ترقی پسند ذرائع ابلاغ کی زینت ہیں۔نظم و نثر پہ انھی کی (اخبارات) میں بالاتری ہے۔ سرکاری یا غیرسرکاری مشاعروں کی یہی ضرورت بنے ہوئے تھے؟ کسی کا جان بوجھ کر نام نہیں لے رہا، ان سے ہٹ کر کوئی صاحب سخن شاعر ادیب یا نقاد کہلا ہی نہیں سکتا تھا۔ جب چاروں طرف حمد و نعت نے اپنی وسعتوں کے پر پھیلائے۔ اور مشاعروں، ادبی مذاکروں، ریڈیو، ٹی وی، ذرائع ابلاغ، سرکاری و غیر سرکاری سرپرستی کا تاج ہماری حمد و نعت کے سرِ اقدس پر بیٹھنے لگا تو ان کو بھی وہ سجدے یاد آئے جو ان کے اسلاف یا انھوں نے بچپن میں ادا کیے تھے۔ شہرت عام اور دوسری حاجات کی تمنا انھیں نعت کی طرف لے آئی۔ ان میں سے بعض تو جلدی ہی اس رنگ میں رنگ گئے بعض کو ذرا دیر لگی اور وہ بھی ذو معنویت کی بھول بھلیوں سے نکل کر کھل کر اپنے آقا و مولا ﷺ کو خراجِ نعت پیش کرنے لگے۔ سرکار دو عالم کا ابرِ رحمت تو سب پر ایک جیسے انداز میں برستا ہے۔ ہر اک قبولیت سے نوازا گیا۔ ان میں سے بعض تو ایسے برق رفتار نکلے کہ ایک مدت سے نعت کہنے والوں سے آگے نکل گئے۔

''نعت نگر کا باسی'' ایک حسین ترکیب ہے جیسے ایک شہرِ نعت گویاں بسا ہوا، درود و سلام کے نغماتِ قدسی پھیلے ہوئے ہوں، نعتوں کی بہار آئی ہوئی ہو۔ عشق و عقیدت نے ہر مشامِ جاں کو معطر کر رکھا ہو۔ ہر فرد حسن و لطافت کا پیکر ہو۔ اور اس نعت نگر میں جناب کشفی کی ادبی ظاہری شان اور باطنی لمعہ افشانی ہو۔ مقدمہ میں ان کے دیباچوں اور پیش لفظوں کی فہرست دی گئی ہے۔ رسائل و جرائد میں ان کے شائع ہونے والے مضامین کا شمار کیا گیا ہے۔ فلیپ، رائے اور تاثرات بھی شاملِ تصنیف ہیں۔ تعداد ۹۱ تک پہنچتی ہے۔ اس حیاتِ مستعار میں دوسری ادبی، شعری اور تعلیمی مصروفیات کے دوران میں یہ تعداد ہر لحاظ سے قابلِ تحسین ہے۔

''نعت نگر کا باسی'' میں جن شخصیات نے حضرت ابوالخیر کشفی کی شخصیت اور فنی مقام و مرتبہ پر مختلف حیثیات سے اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کیا ہے۔ان میں پروفیسر محمد اقبال جاوید، پروفیسر شفقت رضوی، عزیز احسن، راقم (پروفیسر محمد اکرم رضا) پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، ڈاکٹر شبیر احمد قادری، پروفیسر واصل عثمانی اور ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ شامل ہیں۔ جب کہ پروفیسر جعفر بلوچ نے منظوم خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید کا مضمون اس کتاب کا سب سے طویل مضمون ہے۔ یہ طوالت بے جا نہیں اس میں اتنے ہی زیادہ مباحث پر گفتگو کی گئی ہے۔ پروفیسر صاحب کا کہنا ہے کہ ان کی نعت شناسی سے متعلق یہ طویل مضمون از خود چار حصوں میں بٹ گیا ہے۔ پروفیسر اقبال جاوید کی خوب صورت عبارت آرائی کسی تعارف کی محتاج نہیں اور جب ممدوح خود دل کش عبارت آرائی کا خوگر ہو تو لکھنے والے کا قلم کیوں حقائق کے پہلو بہ پہلو محبت وارادت تقسیم نہ کرے گا۔ پروفیسر صاحب نے اپنی تحریر کے پہلے حصے میں ان کی تحریر سے ان کے فکری خال و خط پیش کیے ہیں۔ جناب کشفی کی نعت شناسی کے ساتھ ساتھ ان کی نعت گوئی کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔اس ضمن میں پروفیسر محمد اقبال جاوید نے کھل کر لکھا ہے جس سے قارئین اور جناب کشفی سے محبت کرنے والوں کو قلبی فرحت کا احساس ہوتا ہے۔

پروفیسر شفقت رضوی کا کہنا ہے کہ وہ کشفی صاحب کی ڈگریوں اور علمی خدمات سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے کشفی صاحب کو ان کی دل کش تحریروں اور خوب صورت شاعری میں تلاش کیا ہے۔عزیز احسن نے جناب کشفی کے شعری مجموعے نسبت پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ اور اس ضمن میں اپنے قلم پاروں کے حوالے سے ان کی شاعری کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ پروفیسر محمد اسحٰق قریشی نے ''نعت کے جگنوؤں کے تعاقب میں'' کا خوب صورت انداز میں تعاقب کیا ہے۔ اپنے مختصر مضمون میں انھوں نے کشفی صاحب کی نعتیہ تب و تاب کو ہی موضوع بنایا ہے۔ راقم پروفیسر محمد اکرم رضا نے ان کے شعری مجموعہ ''نسبت'' کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے اور اس کتاب کو محبت و عقیدتِ حضور ﷺ کا حسین شہ پارہ قرار دیا ہے۔ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی اور ڈاکٹر شبیر احمد قادری نے بھی ذکر و فکر نعت کے حوالے سے جناب کشفی کی سرفرازیوں کا ذکر کیا ہے۔ پروفیسر واصل عثمانی بھی نعت کشفی ہی پر بات کرتے ہیں مگر ایک منفرد لہجے ہیں۔ ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ نے نعت اور تنقید نعت کے حوالے سے کشفی صاحب کے بارے میں ایک اچھی تحریر پیش کی ہے۔

ر کشفی کی شخصیت اور فنی مقام و مرتبہ پر مختلف
ن میں پروفیسر محمد اقبال جاوید، پروفیسر شفقت
ر ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی،
العین طاہرہ شامل ہیں۔ جب کہ پروفیسر جعفر

طویل مضمون ہے۔ یہ طوالت بے جا نہیں اس
ر صاحب کا کہنا ہے کہ ان کی نعت شناسی سے
ا ہے۔ پروفیسر اقبال جاوید کی خوب صورت
ح خود دل کش عبارت آرائی کا خوگر ہو تو لکھنے
قسیم نہ کرے گا۔ پروفیسر صاحب نے اپنی تحریر
خط پیش کیے ہیں۔ جناب کشفی کی نعت شناسی
۔اس ضمن میں پروفیسر محمد اقبال جاوید نے کھل
رنے والوں کو قلبی فرحت کا احساس ہوتا ہے۔
کریوں اور علمی خدمات سے مرعوب نہیں ہوئے
ر خوب صورت شاعری میں تلاش کیا ہے۔عزیز
ہارِ خیال کیا ہے۔ اور اس ضمن میں اپنے قلم
ل کیے ہیں۔ پروفیسر محمد اسحٰق قریشی نے ''نعت
ر میں تعاقب کیا ہے۔ اپنے مختصر مضمون میں
ع بنایا ہے۔ راقم پروفیسر محمد اکرم رضا نے ان
س کتاب کو محبت و عقیدتِ حضور ﷺ کا حسین
یر احمد قادری نے بھی ذکر و فکر نعت کے حوالے
صل عثمانی بھی نعت کشفی ہی پر بات کرتے ہیں
ت اور تنقید نعت کے حوالے سے کشفی صاحب

''تاجدارِ ملکِ سخن'' از راقم

''تاجدار ملکِ سخن'' راقم (محمد اکرم رضا) کی تنقیدی کتاب ہے۔اس کی ضخامت ۲۷۲ رصفحات ہے۔ اور سالِ اشاعت ۲۰۰۸ء المدینہ دارالاشاعت اردو بازار نے اسے اپنی اشاعتی روایات کے مطابق شائع کیا ہے اس کا دیباچہ ماہ نامہ ''جہانِ رضا'' لاہور کے ایڈیٹر اور معروف ادیب پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے رقم کیا ہے۔ جب کہ نامور علمی شخصیت اور محقق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رضوی مظہری نے ''فکر کا آفتاب جہاں تاب'' کے عنوان سے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔فلیپ معروف ادیب اور نقاد پروفیسر ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی نے تحریر کیا ہے۔راقم نے ''اعتراف'' کے عنوان سے مختصر تحریر میں کتاب پر اظہار خیال کیا ہے۔

یہ کتاب امامِ نعت گویاں حضرت احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے فکروفن، شاعری، شکوہ علوم وفنون اور آپ کے ذوقِ تحقیق وتنقید پر روشنی ڈال رہی ہے۔ جہاں تک حضرت احمد رضا کے سوانحی خطوط کا تعلق ہے تو یہ فریضہ بلا مبالغہ سیکڑوں اصحاب قلم انجام دے چکے ہیں۔ اور ایک ایک مصنف کی کئی کئی جلدوں پر مشتمل کتب آپ کی ہشت پہلو شخصیت کے حوالے سے منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ یہ دور تخصیص کا ہے۔ وہ دور بیت گیا جب ایک بڑی شخصیت کے تمام پہلو ایک ہی کتاب میں جمع کر دیے جاتے تھے اس لیے راقم نے تحقیق کے حوالے سے سوچا کہ کیوں نہ آپ کے سوانح حیات سے ہٹ کر آپ کی شعری حیثیات پر کام کیا جائے۔ جہاں تک آپ کی عظیم المرتبت شخصیت کی ہمہ گیری کا تعلق ہے تو آپ ساٹھ سے زیادہ علوم پر دسترس رکھتے تھے۔ مفسر قرآن، محدث، فقیہہ، فتاویٰ نویس، مترجم قرآن، علوم ہندسہ، ریاضی، ہئیت اور علم نجوم کے ماہر۔ ہندوؤں کے مرکز میں بیٹھ کر آزادی پاکستان کا نعرہ لگانے والے۔ آپ بہت کچھ تھے بلکہ مؤرخ سوال کرتا ہے کہ آپ کیا کچھ نہیں تھے۔ اس لیے اس کتاب میں آپ کی نعت گوئی کی مختلف جہات کو مختلف پہلوؤں سے اجاگر کیا گیا ہے۔

اس تنقیدی اور تحقیقی کتاب میں آپ کی شاعری پر بھرپور بحث کی گئی ہے۔مضامین کے عنوانات ملاحظہ ہوں حسان العصر، حدائقِ بخشش اور محفلِ میلاد، احمد رضا اور عشقِ رسول، قصیدہ اور فکر رضا کی بلند پروازی، دانائے روزگار، سلام رضا میں جمالِ مصطفیٰ کی تب وتاب۔ اب تو جو مستند ہے وہ سکہ رضا کا ہے۔قصیدۂ نور کلک رضا کی صدائے خوش نوا، رضا کا سلام، عقیدت کی بلندیوں کا مقام، پیر سیّد اصغر

علی شاہ جماعتیؒ شاگردِ اعلیٰ حضرت سے انٹرویو۔ شعرا کی جانب سے حضرت رضا کو خراجِ عقیدت ادبا اور محققین کی طرف سے جذبات محبت، ''حدائقِ بخشش'' کی تلخیص پیرزادہ اقبال احمد فاروقی اپنے مقدمہ ''رضا کا بیاں تمھارے لیے'' میں رقم طراز ہیں:

زیرِ مطالعہ کتاب محمد اکرم رضا کے قلم گوہر بار کا شاہکار ہے۔ یہ فکرِ رضا کا گلدستہ ہے۔ یہ ایوانِ نعت جنابِ رضا کے حسنِ تحریر کی ضیاؤں سے منور ہے۔ یہ تمام روشنیاں اعلیٰ حضرت کی شبستانِ رضا سے مستعار ہیں۔ کتاب کا صفحہ صفحہ ورق ورق ہالہء نور بن کر اپنے قارئین کو دعوتِ مطالعہ دے رہا ہے۔ محمد اکرم رضا اگرچہ اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کے ترجمان ہیں مگر وہ خود بھی شاعر ہیں سخنور بھی ہیں نعت نویس بھی ہیں نعت شناس بھی ہیں اور فکر و سخن کو تنقید کی میزان پر تولنے والے بھی ہیں۔ پھر بھی علمی بلندیوں سے بہرور ہیں۔ اسلامی عقائد و افکار کے بلند پایہ مبلغ بھی۔ اپنی تدریسی مصرفیات کے باوجود جب وہ اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری پر ہدیۂ تحسین پیش کرتے ہیں تو بے اختیار کہنا پڑتا ہے۔

کس کی زلفوں کی مہک لائی ہے بطحا سے نسیم
دل و جاں وجد کناں جھک گئے بہر تعظیم

(''رضا کا بیاں تمھارے لیے''، اقبال احمد فاروقی، ص۱۰)

چوں کہ مولانا احمد رضا خاں عبقری تھے۔ درجنوں فنون وعلوم کے حامل تھے۔ اس لیے آپ پر بات کرنا آسان نہیں ہے۔ آپ کی شخصیت کثیر الصفات تھی، اس لیے ایک موضوع پر بات کرتے ہوئے قلم دوسری طرف نکل جاتا ہے۔ ادبا اور ناقدین آپ پر بات کرتے ہوئے حد درجہ محتاط رہتے ہیں کہ ایک پہلو پر بات کرتے کرتے کسی سمت نہ نکل جائیں۔ آپ کی ذات پر درجنوں اہلِ علم پی ایچ۔ ڈی اور ایم فِل کر چکے ہیں اس لیے آپ کی ذات کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کسی ایک امر پر توجہ مرکوز رکھنا امر محال ہوتا ہے راقم نے اس کتاب ''تاجدارِ ملکِ سخن'' میں کتاب کو آپ کی شاعری اور اس پر

جانب سے حضرت رضا کو خراجِ عقیدت ادبا
“ کی تلخیص پیرزادہ اقبال احمد فاروقی اپنے

ہر بار کا شاہکار ہے۔ یہ فکرِ رضا
رضا کے حسنِ تحریر کی ضیاؤں سے
ت کی شبستانِ رضا سے مستعار
ور بن کر اپنے قارئین کو دعوتِ
چہ اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری
سخنور بھی ہیں نعت نویس بھی
ید کی میزان پر تولنے والے بھی
ہیں۔ اسلامی عقائد و افکار کے
ات کے باوجود جب وہ اعلیٰ
ش کرتے ہیں تو بے اختیار کہنا

ئی ہے بطحا سے نسیم
ک گئے بہرِ تعظیم

’رضا کا بیاں تمھارے لیے“، اقبال احمد فاروقی، ص۱۰)

علوم کے حامل تھے۔ اس لیے آپ پر بات کرنا
لیے ایک موضوع پر بات کرتے ہوئے قلم
ت کرتے ہوئے حد درجہ محتاط رہتے ہیں کہ ایک
کی ذات پر درجنوں اہلِ علم پی ایچ۔ ڈی اور
سے بات کرتے ہوئے کسی ایک امر پر توجہ مرکوز
سخن“ میں کتاب کو آپ کی شاعری اور اس پر

تنقید کے حوالے سے ایک ہی پہلو سے دیکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے جس کا اعتراف تذکرہ نگاروں نے بھی کیا ہے۔ ماہر رضویات محقق، نقاد ڈاکٹر بشیر محمد مسعود احمد مظہری نے اس پہلو سے بات کی ہے:

> ”تاجدارِ ملکِ سخن“ کے مصنف، معروف نعت گو شاعر، ادیب شہیر اور بہت سی کتابوں کے مصنف پروفیسر اکرم رضا محتاج تعارف نہیں۔ ان کی دیگر صفات اپنی جگہ لائق تحسین ہیں مگر مجھے یہاں ان کی نعت گوئی اور تنقیدِ نعت کے حوالے سے کچھ عرض کرنا ہے۔ جناب رضا محض نعت گو شاعر ہی نہیں بلکہ ایک بلند فکر نعت شناس ہیں کہ زمانہ مسلسل ان کی نعتیہ تگ و تاز سے خوشہ چینی کر رہا ہے پروفیسر اکرم رضا حضرت فاضل بریلویؒ سے غایت درجہ محبت و عقیدت رکھتے ہیں۔ شاید بچپن ہی سے ان کے سینے میں پلنے والی یہی محبت تھی جس نے انھیں فاضل بریلوی کے نقوشِ نعت کو چراغِ عمل بنا کر ان پر چلنے کا سلیقہ بخش دیا۔ آپ کے درجنوں مضامین فکرِ رضا کے حوالے سے شائع ہو چکے ہیں۔ آپ نے چند کا انتخاب کیا اور تاجدارِ ملکِ سخن کے نام سے شائع کر دیا بے شمار دعائیں جناب رضا کے لیے جن کا قلم تھکن سے ناآشنا اور جمود کے تصور سے بھی دور ہے۔ (فکر کا آفتاب جہاں تاب، ڈاکٹر مسعود احمد مظہری ص۲۰-۱۹)

ہم نے آپ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے آپ کی نعتیہ شاعری کو اپنی تحقیق کا مرکز بنایا۔ ان میں سے بہت سے مضامین مختلف رسائل میں چھپ چکے ہیں بیش تر موضوعات غیر مطبوعہ ہیں۔ ہم نے اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے نعتیہ تخصص کی بنیاد پر بہت سے مقامات پر گنجائش ہوتے ہوئے بھی دوسرے مباحث سے گریز کیا ہے کہ اصل مقصود نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ اسی حوالے سے آپ کو ”تاجدار ملک سخن“ میں یک رنگی ملے گی۔ ہم یہ تو نہیں کہتے کہ ”تاجدار ملک سخن“ کوئی تاریخ ساز ادبی کاوش ہے۔ مگر ہمیں اتنا یقین ضرور ہے کہ محدث بریلوی کی نعت گوئی پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے یہ کتاب حوالے کا درجہ ضرور حاصل کرے گی۔ حوالہ کتنا ہی کم حیثیت کیوں نہ ہو بہرحال اپنی جگہ اس کی بھی حیثیت ہوتی ہے۔ یقیناً محققین اور دورِ حاضر کے نقاد اپنے جادۂ تحقیق پر سفر جاری

رکھیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ کہیں یہ محققین والا قدر ستانے کا ارادہ کرلیں تو یہ کتاب ان کی فکرِ رسا کی توجہ حاصل کرلے۔ آپ کی نعت نگاری مدتوں سے خواب گزیدوں کو بیداری کا پیغام دے رہی ہے۔ بلاشبہ یہ زمانہ رضا کا ہے اور کون جانے کہ آنے والا زمانہ بھی رضا کا ہو۔ (اعتراف۔ راقم (محمد اکرم رضا) ص ۲۹)

مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی عظمت کا لوہا اپنوں نے بھی مانا ہے اور اغیار نے بھی۔ ہر زمانے نے آپ کو شایانِ شان مقام دیا ہے۔ آپ کی فضیلت مآبی اور علمی مقام و مرتبہ کو دیکھتے ہوئے کئی ریاستوں کے والیان اور امرا نے آپ سے اپنے ہاں آنے کی درخواست کے ساتھ ساتھ یہ استدعا بھی کی کہ وہ آپ کے علمی اشغال کے تسلسل کے لیے مستقل اعزازی وظائف بھی جاری کریں گے۔ مگر جو محبتِ رسول ﷺ کے بازار میں بک چکا ہو وہ کسی اور خریدار کی طرف کیا دیکھے۔ آپ نے بصد خلوص انکار کردیا یہ کہتے ہوئے کہ میرے رب کریم نے اپنے حبیب ﷺ کی جناب سے اتنا کچھ عطا کر رکھا ہے کہ اب کسی اور جانب نظر ہی نہیں اٹھتی۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر اس شعر سے لطف اٹھایئے اور بھی سرور آئے گا۔

کروں مدحِ اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

ہر نعتیہ مجلّہ اور کتاب میں آپ کا اتنا کلام چھپ چکا ہے اور آپ کا مجموعہ نعت ''حدائقِ بخشش'' چاروں طرف اس تیزی سے پھیل چکا ہے کہ آپ کے شعر لکھتے ہوئے تکرار کا احساس ہوتا ہے۔ یہ اعزاز کسی اور نعت گو کا مقدر نہیں

سب یہ صدقہ ہے عرب کے جگمگاتے چاند کا
نام روشن اے رضا جس نے تمھار کردیا

ڈاکٹر ریاض مجید کہتے ہیں:

کسی ایک نعت گو نے اردو شاعری پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری نے انھوں نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ معیاری نعتیں تخلیق کیں بلکہ ان کے زیرِ اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی تخلیق

نے کا ارادہ کرلیں تو یہ کتاب ان کی فکرِ رسا کی
ب گزیدوں کو بیداری کا پیغام دے رہی ہے۔
انہ بھی رضا کا ہو۔(اعتراف۔راقم (محمد اکرم

ہے اور اغیار نے بھی۔ ہر زمانے نے آپ کو
مقام ومرتبہ کو دیکھتے ہوئے کئی ریاستوں کے
ت کے ساتھ ساتھ یہ استدعا بھی کی کہ وہ آپ
وظائف بھی جاری کریں گے۔ مگر جو محبتِ
ی طرف کیا دیکھے۔ آپ نے بصد خلوص انکار
ب ﷺ کی جناب سے اتنا کچھ عطا کر رکھا ہے
و پیش نظر رکھ کر اس شعر سے لطف اٹھایئے اور

ے اس بلا میں مری بلا
را دین پارۂ ناں نہیں

اور آپ کا مجموعہ نعت ''حدائقِ بخشش'' چاروں
ہوئے تکرار کا احساس ہوتا ہے۔ یہ اعزاز کسی

ے جگمگاتے چاند کا
ں نے تمھار کر دیا

وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا
ں نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ معیاری
ی کے ایک منفرد دبستان کی تخلیق

ہوئی۔ ان کی نعت گوئی کی مقبولیت اور شہرت نے دوسرے شاعروں کو نعت گوئی کی ترغیب دی۔ عاشقانِ رسول ﷺ کے لیے ان کا کلام ایک مؤثر تحریک نعت کا درجہ رکھتا ہے۔ (اردو میں نعت گوئی، ریاض مجید)

نام ور اسکالر پروفیسر ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے اس کتاب کا فلیپ تحریر کیا ہے۔ اس سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> پروفیسر محمد اکرم رضا تنقید نعت کے حوالے سے ایک بڑا نام رکھتے ہیں۔ ان کی تحریروں کو براہِ راست اور بالواسطہ پڑھتا رہتا ہوں۔ مجھے یہ جان کر بے پناہ مسرت ہورہی ہے کہ مصنف نے محدث بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی نعت گوئی کے حوالے سے مختلف گوشوں پر قلم اٹھایا ہے۔ کلامِ رضا کے مختلف فکری پہلوؤں پر مصنف نے ''تاجدارِ ملکِ سخن'' کی صورت میں ایک گلدستہ صدرنگ ترتیب دے کر نعتِ مصطفیٰ سے بالخصوص محبت رکھنے والوں کے سامنے پیش کردیا ہے۔ جناب رضا کا قلم نقد ونظر کے تقاضوں سے باخبر ہے۔ تاریخ اور تحقیقی جستجو پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اُن کی نثر پر بھی شعریت کا گمان ہوتا ہے۔ اُن کی نثری دلآویزی انھیں تحقیق وتنقید کے جادہ سے بھٹکنے نہیں دیتی بلکہ اس خوب صورت نثر اور تحقیق وتنقید کے امتزاج سے دلکش اور قابل قبول استدلالی فضا عطا ہوتی ہے۔

راقم کی کتاب کیا اور اس کی اوقات کیا۔ یہ بڑے لوگ ہماری تعریف وتوصیف یا مدح وستائش کے مرہونِ منّت نہیں ہوتے۔ وہ جانتے ہیں کہ انھیں نعت گوئی کا حقیقی صلہ بارگاہِ خداوندی اور دربارِ حضور رسالت مآب ﷺ سے عطا ہوگا۔ اس لیے ان کی زندگیوں میں ان پر ایسے مضامین نہ تو لکھے گئے اور نہ ہی انھوں نے لکھوائے۔ راقم اور اس جیسے دوسرے احباب کے قلم تو ایسی بلند فکر شخصیت پر اس لیے لکھتے ہیں کہ ہمارے دور کے قافلۂ نعت کو ان جیسے محسنین کی کاوشوں کی بدولت مزید برق رفتاری سے چلنے کا حوصلہ عطا ہو۔

''نعت میں کیسے کیوں'' از پروفیسر محمد اقبال جاوید

''نعت میں کیسے کیوں'' از خود عظیم پیغام ہے نعت گو شعرا کے نام۔ نعت شناسی کے دعویداروں کے نام اوران قارئین کے نام جو نعت کو خلوصِ دل سے بخشش وسرخروئی کا سامان سمجھتے ہیں۔ نعت کیا ہے اس کا عملی مفہوم کیا ہے اسی تصور کو لے کر یہ کتاب آگے بڑھتی ہے۔ اس کے مصنف معروف اہلِ قلم ''نقاد نعت پروفیسر محمد اقبال جاوید ہیں۔ ۱۶۸ صفحات کی اس کتاب کو ''نعت ریسرچ سینٹر کراچی نے معیاری انداز میں شائع کیا ہے۔ سالِ اشاعت ۲۰۰۹ء ہے۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید نے اس کتاب میں نعت و مدحت کے ایسے شہپارے بھر دیے ہیں جن میں زمانے بھر کا ادبی، تاریخی، علمی اور صوتی حسن سمٹ آیا ہے۔ اس کی تائید میں ان کی ایک مختصر سی تحریر نذر قارئین کرنا چاہتا ہوں۔ کتاب کے آغاز میں اختصار یہ کے عنوان سے لکھتے ہیں۔ یاد رہے یہ اختصار کتاب میں شامل مندرجات کے متعلق ہے۔

آغاز میں ظہور قدسی کے متعلق نعتیہ نثر پارے ہیں، شبلی نعمانی سے آغا شورش کاشمیری تک۔ اس کے بعد نعت کیا ہے ۹۲ جملے ہیں۔ مؤلف کے قلم سے پھر نعت کے بارے میں مختلف شعرا کے ۹۲ اشعار ہیں کہ ۹۲ نبی کریم ﷺ کے اسمِ گرامی کا عددی مجموعہ ہے۔ آخر میں ایک تحریر ہے ''نعت کہیے مگر احتیاط کے ساتھ'' اور درمیان میں ''آدابِ نعت گوئی'' کے بارے میں اہلِ فکر و دانش کے ۳۱۳ نثر پارے ہیں کہ بدری صحابہ کرام کی تعداد بھی اتنی ہی تھی۔ شبلی سے شورش کاشمیری کے شہ پارے پیش کرنے کے بعد محمد اقبال جاوید کے لفظوں کی جولانی دیکھیے۔

ان نعتیہ شہ پاروں کے مالک منوں مٹی کے نیچے جا چکے ہیں۔ موت کے ہاتھوں ان کی آنکھیں بند، نطق چپ اور قلم ساکت ہو چکے ہیں مگر ان کی تحریریں بول رہی ہیں۔ ان کے ادب پاروں کی تابانیاں رفعت عقد اوجِ ثریا اور سنگینی گردشِ ایام پر خندہ زن ہیں۔ یہ فیض ہے اس ذاتِ اقدس کا جس کی چوکھٹ پر وہ ثنا خواں رہے ہیں اور جہاں سے کبھی کوئی مایوس نہیں لوٹا۔ وہاں تو سکوت بھی بار پاتا اور آہوں کو بھی پزیرائی ملتی ہے آگے نعت کیا ہے؟ ۹۲/جملے ہیں ہر جملہ بول رہا ہے۔ بے جان کاغذ کو حیاتِ نو بخش رہا ہے۔ خاموش کاغذ کو سدابہار گویائی دے رہا ہے۔ نمازِ نیاز کا پیغام دے کر قارئین کے دلوں کو ایمان کی حرارت سے لبریز کر رہا ہے۔ جملے کیا ہیں؟ لمحوں سے صدیاں کشید ہو رہی ہیں۔ ہر

ز پروفیسر محمد اقبال جاوید

را کے نام۔ نعت شناسی کے دعویداروں کے نام
سرخروئی کا سامان سمجھتے ہیں۔ نعت کیا ہے اس کا
ق ہے۔ اس کے مصنف معروف اہلِ قلم ''نقاد
کتاب کو ''نعت ریسرچ سینٹر کراچی نے معیاری

ت کے ایسے شہپارے بھر دیے ہیں جن میں
ہے۔ اس کی تائید میں ان کی ایک مختصر سی تحریر
مار یہ کے عنوان سے لکھتے ہیں۔ یاد رہے یہ

عمانی سے آغا شورش کاشمیری تک۔ اس کے بعد
ے بارے میں مختلف شعرا کے ۹۲ اشعار ہیں کہ
خر میں ایک تحریر ہے ''نعت کہیے مگر احتیاط کے
میں اہلِ فکر و دانش کے ۳۱۳ نثر پارے ہیں کہ
کاشمیری کے شہ پارے پیش کرنے کے بعد محمد

ے ہیں۔ موت کے ہاتھوں ان کی آنکھیں بند،
ول رہی ہیں۔ ان کے ادب پاروں کی تابانیاں
یں۔ یہ فیض ہے اس ذاتِ اقدس کا جس کی
مایوس نہیں لوٹا۔ وہاں تو سکوت بھی بار پاتا اور
ملے ہیں ہر جملہ بول رہا ہے۔ بے جان کاغذ کو
ے رہا ہے۔ نمازِ نیاز کا پیغام دے کر قارئین کے
یں؟ لمحوں سے صدیاں کشید ہو رہی ہیں۔ ہر

لفظ بتا رہا ہے کہ ہر دور دورِ نعت ہے اور میں اس دور کا نمائندہ ہوں۔ غرضے کہ عشق وعقیدت کی برسات ہے کہ ان جملوں سے نم لے کر برستی ہی جا رہی ہے۔

''آدابِ نعت گوئی'' کے عنوان سے پروفیسر اقبال جاوید نے ۳۱۳ نثری شہ پاروں کے ستارے بکھیر دیے۔ ہر ستارا اس شان سے جگمگا رہا ہے کہ سورج کو اس کے سامنے خجالت کا احساس ہوتا ہے۔ ہم ان شہ پاروں کو پڑھتے جاتے ہیں اور دلوں کو وجد و کیف سے آباد کیے جاتے ہیں بعض پیرے اتنے روشن، منور اور جگمگا دینے والے ہیں کہ آنکھوں کی بات تو ایک طرف رہی فکر و نظر کو تابنا کی کا احساس نہیں لگتا ہے ایسا لگتا ہے جیسے پروفیسر صاحب نے روحِ ادب کا عطر کشید کر کے ہم آہنگی دامانا کے پیشِ نظر ایک پیراگراف بھی نقل نہیں کر سکتے کہ نظر ان کے مطالعہ میں اور فکر ان کی گہرائی تک رسائی کے لیے کوشاں ہیں۔ یہ حصہ کتاب کی جان ہے۔ ہمارے لیے کتنا آسان ہوگا کہ سیرت نبوی ﷺ پر تقریریں کرنے والوں کو اس قدر آسانی سے مواد مہیا کر دیا کریں گے۔

آگے ہے ''نعت اشعار کے آئینے میں'' یہ ۹۲ اشعار ہیں اسمِ محمد ﷺ کے اعداد کی روشنی میں خصوصیت یہ ہے کہ ان نعتوں کے ۹۲ اشعار ایسے منتخب کیے ہیں جن سے نعت کے مطالب و مفاہیم اور تقدس کی جلوہ آرائی ہوتی ہو۔ راقم (محمد اکرم رضا) کی ایک نعت بھی شامل ہے عقیدت کی دل کشی کے لیے دو اشعار درج ہیں:

نعتِ سرکار مرے دور کی پہچان بھی ہے
میری بخشش کا سر حشر یہ سامان بھی ہے
نعت ہے حکمِ الٰہی کی سراسر تعمیل
یہ ہے ایمانِ رضا سنتِ حسان بھی ہے

آخری مضمون ہے ''نعت کہیے مگر احتیاط کے ساتھ'' جو نعت کے حوالے سے ہمیں محبت وعقیدت کا احسن ترین اسلوب بھی بخشتا ہے مگر نعت گو شعرا کو صراطِ حق پر گامزن کرنے کے آداب و احتیاط کا پیغام بھی دے رہا ہے۔ چند سطور ملاحظہ ہوں:

> ضرورت اس امر کی ہے کہ غزل باوضو ہو کر نعت بن جائے مگر غزل باوضو ہو نہیں سکتی جب تک کہ شاعر خود باوضو نہ ہو۔ چناں چہ ضروری

> ہے کہ شاعر نعت کہنے سے پہلے حضور ﷺ سے تعلق کی کوئی صورت پیدا کرے اور اس صورت کی اولین منزل اتباعِ رسول ﷺ ہے جس میں اہم ترین چیز نماز ہے کہ وہ مومن و کافر میں حدِ امتیاز ہے۔ نماز حمد و ثنا اور درود سلام کا ایک شرعی انداز ہے اور نعت اسی درود وسلام کا غنائی اظہار اور مترنم شکل ہے۔ گویا جب تک دل کا آئینہ شفاف نہ ہو اس میں جمالِ رسالت جھلک نہیں سکتا اور مکدر آئینہ نہ کوئی عکس سمیٹ سکتا ہے اور نہ کوئی جھلک دکھا سکتا ہے۔ (ص ۱۶۴)

جناب اقبال جاوید سرکارِ دو عالم ﷺ کی یاد میں کھوئے رہنے والے خوش بخت انسان ہیں۔ اللہ کریم اور رسول رحیم (ﷺ) نے خوب نوازا ہے۔ نثری نعت اپنی جگہ لفظی نعت بھی کانوں میں رس گھولتی رہتی ہے۔ یہ لوگ غنیمت ہیں جو دوسروں کی اصلاح کرنے سے پہلے اپنا احتساب کرتے ہیں کہ کوئی جملہ ایسا تو ادا نہیں ہو گیا جو محبوب دو عالم ﷺ کو ناگوار گزر سکتا ہو۔ نیک گھرانہ ملا۔ انسانیت نواز تربیت ملی تو پھر عمل کو صالحیت اور فکر کو لطافتِ فطری کا قرینہ آ گیا۔ اس کتاب کے مضامین خواہ الگ الگ پڑھے۔ خوب روحانی لطف اٹھایا مگر ایک مقام پر حسنِ ترتیب کی آراستگی نے ان کی بدولت محبتِ رسول ﷺ کا تسلسل عطا کر دیا ہے۔ یقیناً ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔

آخر میں حضرت ابوالخیر کشفی عزیز احسن، اور ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری کی لکھی ہوئی تقاریظ نظر آ رہی ہیں۔ عزیز احسن کا فلیپ تو غالباً ان کے مضمون سے ایک اقتباس ہے۔ جملہ اقتباسات پڑھے ہوئے لگے۔ راقم کو ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی کا اقتباس نقل کرکے روحانی مسرت ہو گی۔ کشفی صاحب کا کہنا ہے:

> پروفیسر محمد اقبال جاوید اردو کے ایک مستند اور صاحب نظر ادبی نقاد ہیں۔ بالخصوص اردو شاعری پر وہ جو کچھ لکھتے ہیں اس میں بصیرت کے ساتھ توازن بھی ہوتا ہے۔ اب انھوں نے اپنی صلاحیتیں بڑی حد تک دین اور دینی ادب کے لیے وقف کر دی ہیں۔ ان کی تنقید میں علمی شعور، تاریخ کا زندہ احساس اور ذوقِ لطیف کی وہ نمود ہے جس کے

ﷺ سے تعلق کی کوئی صورت پیدا
اتباعِ رسول ﷺ ہے جس میں
ر میں حدِ امتیاز ہے۔ نماز حمد و ثنا
ر نعت اسی درود وسلام کا غنائی
ب دل کا آئینہ شفاف نہ ہو اس
لدر آئینہ نہ کوئی عکس سمیٹ سکتا

(۱۶۴

رہنے والے خوش بخت انسان ہیں۔ اللہ کریم
پنی جگہ لفظی نعت بھی کانوں میں رس گھولتی رہتی
سے پہلے اپنا احتساب کرتے ہیں کہ کوئی جملہ
تا ہو۔ نیک گھرانہ ملا۔ انسانیت نواز تربیت ملی
گیا۔ اس کتاب کے مضامین خواہ الگ الگ
نِ ترتیب کی آراستگی نے ان کی بدولت محبتِ
ہیے تھا۔
قانی میاں قادری کی لکھی ہوئی تقاریظ نظر آ رہی
ب اقتباس ہے۔ جملہ اقتباسات پڑھتے ہوئے
کے روحانی مسرت ہوگی۔ کشفی صاحب کا کہنا

ستند اور صاحب نظر ادبی نقاد
لکھتے ہیں اس میں بصیرت کے
نے اپنی صلاحیتیں بڑی حد تک
دی ہیں۔ ان کی تنقید میں علمی
طیف کی وہ نمود ہے جس کے

بغیر ادبی تنقید وجود میں نہیں آ سکتی۔ ان کی تنقید کو مجموعی طور پر تاثراتی اور جمالیاتی کہا جا سکتا ہے اور اس کو ان کے دینی مطالعے نے گہرائی بخشی ہے۔ ان کے اسلوب میں تخلیقی شان ہے جو ان کی تنقید کو تخلیق کی سطح پر پہنچا دیتی ہے۔

اس کتاب کا بڑا باب تو ۳۱۳ رشحہ پاروں کا انتخاب ہے۔ مگر انھوں نے شروع میں جو ۹۲ رجملے تحریر کیے ہیں۔ وہ بھی الفاظ کی پختگی، افکار کی گہرائی، حسنِ غنائیت کا عکس جمیل اور نعت کے تجمل کی داستان لیے ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند جملے تبرکاً نذر قارئین ہیں:

نعت سے لفظ معتبر ہو جاتے ہیں
نعت جیسے بہار موسمِ گل میں ہو گل بکف
نعت کہی نہیں کہلوائی جاتی ہے
نعت بے خزاں خزانوں کی امین ہے
نعت ازل انوار بھی ہے اور ابد آثار بھی
اور آخر میں

نعت میں کیسے کہوں ان کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینہ ہے ثنا سے پہلے
(اقبال عظیم)

''غالب اور ثنائے خواجہ ﷺ'' از سیّد صبیح رحمانی

غالب بلاشبہ اردو اور فارسی کے ایسے نابغہ روزگار شاعر تھے کہ جن پر زمانہ صدیوں ناز کرتا ہے۔ زندگی میں ان کی قدر کم کی گئی یا زیادہ کی گئی یہ علاحدہ معاملہ۔ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ وہ آدمی دلوں کے نہاں خانوں میں کب سے کب تک مقیم رہتا ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں دیکھیں تو گزرا ہوا کل بھی غالب کا تھا، عصرِ رواں بھی غالب کا ہے اور آنے والے کل پر بھی غالب ابھی سے اپنا حق جتلا رہا ہے۔ غالب اور ثنائے خواجہ بھی ایسی ہی مغلوب غالب کتاب ہے جس میں اس عظیم المرتبت شاعر کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔ سیّد صبیح رحمانی نے غالب پر لکھے گئے ایسے مضامین کو ترتیب دیا ہے جو

توصیفِ حضورﷺ سے عبارت ہیں۔ ۱۷۶ صفحات پر مشتمل یہ کتاب نعت ریسرچ سینٹر کراچی کے زیر اہتمام شائع ہوئی اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بڑے ناشرانہ تزک اور احتشام سے شائع ہوئی۔

''غالب اور ثنائے خواجہ'' میں سیّد صبیح الدین رحمانی کے ابتدائیہ کے علاوہ دس اصحابِ قلم کے مضامین شامل ہیں اشاعت ہیں۔ جب کہ آخر میں کلام غالب پر دو نعتیہ تضامین شائع کی گئی ہیں۔ غالب اور ثنائے خواجہ کے حوالے سے فاضل مرتب کا کہنا ہے:

> الحمدللہ اس اہم موضوع پر غور وفکر کے دریچے وا کرنے کی سعادت غالب کی وفات کے تقریباً ایک سو بیس سال بعد ''نعت رنگ'' کے حصے میں آئی۔ نعت کے ادبی فروغ کے لیے سرگرم عمل اس اہم کتابی سلسلے کے بارھویں شمارے میں غالب کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے ایک خصوصی گوشے کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں پاک و ہند کے نامور اہلِ قلم نے غالب کی نعتیہ شاعری اور غالب کے افکار ونظریات میں عظمت رسول ﷺ پر فکر انگیز مضامین لکھ کر فکرِ غالب کی مذہبی اساس کو نمایاں کرنے کی کوشش کی۔ (ابتدائیہ غالب اور ثنائے خواجہ، سیّد صبیح رحمانی، ص۸)
>
> ''نعت رنگ'' میں مذکورہ گوشے کے علاوہ بھی غالب کی نعتیہ شاعری پر چند مضامین شائع کیے گئے۔ یا پھر ایسے انفرادی مضامین بھی سامنے آتے رہے جن میں غالب کی نعتیہ شعری اقدار کا کوئی نہ کوئی حوالہ موجود تھا۔ اس لیے نعتیہ ادب سے شغف رکھنے والے اور غالب کی شعری عظمت کے دل سے معترف احباب کا اصرار تھا کہ غالب کی جس نئ جہت کو دریافت کیا گیا ہے اور اس حوالے سے ''نعت رنگ'' میں جو کچھ چھپا ہے اسے غالبیاتِ ''نعت رنگ'' کے عنوان سے علاحدہ کتابی شکل میں یک جا کر دیا جائے۔ سو تاخیر سے سہی دوستوں کی خواہش کے احترام میں ''غالب اور ثنائے خواجہ'' پیشِ خدمت ہے۔ (ایضاً)

ابتدائیہ کی انگلی پکڑ کر اب ہم کتاب کی طرف بڑھتے ہیں۔ ضیا احمد بدایونی نے ''غالب کا نعتیہ کلام''

مل یہ کتاب نعت ریسرچ سینٹر کراچی کے زیر
زک اور احتشام سے شائع ہوئی۔
ابتدائیہ کے علاوہ دس اصحابِ قلم کے مضامین
پر دو نعتیہ تضامین شائع کی گئی ہیں۔ غالب اور

ے دریچے وا کرنے کی سعادت
سال بعد ’’نعت رنگ‘‘ کے حصے
ے سرگرم عمل اس اہم کتابی سلسلے
یہ شاعری کے حوالے سے ایک
ں پاک و ہند کے نامور اہلِ قلم
کے افکار و نظریات میں عظمت
غالب کی مذہبی اساس کو نمایاں
ب اور ثنائے خواجہ، سیّد صبیح رحمانی، ص ۸)
وہ بھی غالب کی نعتیہ شاعری پر
سے انفرادی مضامین بھی سامنے
عری اقدار کا کوئی نہ کوئی حوالہ
نف رکھنے والے اور غالب کی
ب کا اصرار تھا کہ غالب کی جس
والے سے ’’نعت رنگ‘‘ میں جو
ف‘‘ کے عنوان سے علاحدہ کتابی
ہر سے سبھی دوستوں کی خواہش
’ پیشِ خدمت ہے۔ (ایضاً)
یں۔ ضیا احمد بدایونی نے ’’غالب کا نعتیہ کلام‘‘

کے عنوان سے اظہار خیال کیا ہے۔ موصوف کئی صفحات تک نعت کی تاریخ اور اس کے عربی اور فارسی حوالوں سے گزرتے ہوئے غالب تک آئے ہیں اور پھر انھوں نے غالب کی فارسی شاعری سے غالب کے نعتیہ خیالات کے خوب صورت گوشے تراشے ہیں۔ معراج النبی ﷺ پر بہت زیادہ لکھا۔ اوصاف مصطفیٰ ﷺ پر لکھا۔ پر تعلّی اور مبالغہ آرائی کی بھی پروانہ کی آخر غالب پر بھی ازراہِ عقیدت انتہائے عجز نے غلبہ لیا اور کہنے لگے:

> میرا جی چاہتا ہے کہ حضور ﷺ کی مدح کے شاہد کے حبیب و دامن کو موتیوں سے بھردوں اور سو کے بجائے سو ہزار ابیات معرضِ تحریر میں لاؤں مگر ادب مانع آتا اور دعا کی جانب توجہ دلاتا ہے۔

(’’غالب کا نعتیہ کلام‘‘، ص ۳۹)

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی نے ’’غزلیات غالب میں نعت کی جلوہ گری‘‘ کے عنوان سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ وہ غزل کی وادیوں میں نعت ڈھونڈ رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے مسلمان کا رشتہ بہت سادہ، بہت پیچیدہ، بہت ہمہ جہت ہے وہ ہمہ جہت رشتہ بھی زندگی کی واحد جہت بن جاتا ہے۔ روح کی وادیوں میں آپ کا نام گونجتا ہے۔ کبھی صلوٰۃ وسلام میں، درود کے تسلسل میں کبھی اسم گرامی خود ہی درود بن جاتا ہے۔ آگے انھوں نے متعدد غزلیہ مثالیں دی ہیں جن کو نعت سمجھنے پر مصر ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

> اردو میں غالب نے کوئی باضابطہ نعت نہیں کہی۔ لیکن ان کی غزلیں سیّدالابرار شہِ دوسرا ﷺ کا ذکر اپنے دامن میں رکھتی ہیں۔ غالب کے خطوط اور فارسی کلام ان کی شخصیت پر دین کے اثرات کے آئینہ دار ہیں۔ (ص ۴۹)

محترم ڈاکٹر کشفی کے اس رویئے پر کہ ان غزلیہ اشعار کو نعت کے اشعار کیوں نہ سمجھا جائے ’’نعت رنگ‘‘ کے مختلف شماروں میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور ہم بھی بعض مقامات پر اشارات دے آئے ہیں۔ اس لیے حدادب کے طور پر یہیں قلم کو روکتے ہیں:

پروفیسر شفقت رضوی نے ’’غالب حضورِ رسالت مآب ﷺ میں‘‘ کے

عنوان سے مقالہ تحریر کیا ہے۔ اس مقالے میں پروفیسر رضوی نے ایسا ناقدانہ اور محققانہ انداز برقرار رکھا ہے۔ غالب کی بے جا طرف داری نہیں مگر جہاں اس کے اشعار میں نسبت محبتِ رسول ﷺ نظر آئی وہیں غالب کا اندازِ بیاں انھیں پسندیدہ تر نظر آنے لگا۔ ان کا کہنا ہے کہ ''غالب چاہے مشروط دعویٰ کریں یا غیر مشروط انھیں ولی باور کرنا ممکن نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ وہ ملحد نہ تھے موحد تھے، وہ کافر نہ تھے گنہ گار تھے۔ ان کو عام انسانوں کی طرح غلطیوں کا خوگر سمجھا جاسکتا ہے لیکن اس وضاحت کے ساتھ کہ ان کو گنہ گار ہونے کا اعتراف تھا۔ اگرچہ گناہ کا جواز تھا اور نہ اُن پر اصرار تھا۔'' (ص ۵۵)

یہ وہ معتدل رویہ ہے جس کے تناظر میں غالب کا حسن اور نکھر آتا ہے اس شعر پر بھی توجہ ہو:

بر اُمت تو دوزخ جاوید حرام است
حاشا کہ شفاعت نہ کنی سوختگاں را

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری غالب کی نعتیہ شاعری پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ انھوں نے اردو اور خاص طور پر غالب کی فارسی شاعری سے حوالے دیے ہیں۔ کہ غالب نے مضامین نعت کو کس خوب صورتی سے باندھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا مقالہ ان کی محنت اور غالب پر تحقیق کی روشن مثال ہے۔ انھوں نے غالب کی نعت گوئی مضامین ہائے رنگارنگ سے مقالے کو ادبی اور روحانی وقار عطا کیا ہے

۔

اسی طرح ادیب رائے پوری نے بھی غالب کے فارسی کلام میں نعت کو موضوع بنایا ہے۔ ادیب رائے پوری ایک صاحبِ تحقیق اور بہت اچھے نثر نگار ہیں۔ ان پر یہ حقیقت واضح ہے کہ غالب کی نعت گوئی کی حقیقی ترجمانی ان کی فارسی شاعری ہی سے ہوئی ہے۔ ادیب رائے پوری نے غالب کے ایک خط (نواب علاؤ الدین احمد خاں علائی کے نام کا اقتباس پیش کیا ہے جو قارئین کے لیے عشقِ رسول ﷺ کی ایک نئی جہت ثابت ہوگا۔

اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے تو میرا جلانا مقصود نہ ہوگا بلکہ دوزخ کا

لے میں پروفیسر رضوی نے ایسا
۔ غالب کی بے جا طرف داری
محبتِ رسول ﷺ نظر آئی وہیں
ظر آنے لگا۔ ان کا کہنا ہے کہ
مشروط انھیں ولی باور کرنا ممکن
تھے، وہ کافر نہ تھے گنہ گار تھے۔
خوگر سمجھا جاسکتا ہے لیکن اس
نے کا اعتراف تھا۔ اگرچہ گناہ کا
)
نکھر آتا ہے اس شعر پر بھی توجہ ہو:

ید حرام است

ی سوختگاں را

اظہار خیال کرتے ہیں۔ انھوں نے اردو اور
ہیں۔ کہ غالب نے مضامین نعت کو کس خوب
محنت اور غالب پر تحقیق کی روشن مثال ہے۔
سے مقالے کو ادبی اور روحانی وقار عطا کیا ہے

لام میں نعت کو موضوع بنایا ہے۔ ادیب رائے
ن پر یہ حقیقت واضح ہے کہ غالب کی نعت گوئی
۔ ادیب رائے پوری نے غالب کے ایک خط
یں کیا ہے جو قارئین کے لیے عشقِ رسول ﷺ

لانا مقصود نہ ہوگا بلکہ دوزخ کا

ایندھن بنوں گا۔ اور دوزخ کی آنچ کو تیز کروں گا تاکہ مشرکین
اور منکرینِ نبوت مصطفوی ﷺ اور امامتِ مرتضوی اس میں جلیں۔ (ص ۱۱۳)

پروفیسر محمد اقبال جاوید نے ''غالب کی ایک نعتیہ غزل'' کے عنوان سے غالب کی نعت گوئی کو موضوعِ سخن بنایا ہے انھوں نے جس نعتیہ غزل کو اپنے مضمون کا مرکز و محور بنایا ہے وہ غالب کی مشہور زمانہ فارسی غزل ہے:

حق جلوہ گرز طرزِ بیانِ محمد است
آرے کلامِ حق بزبانِ محمد است

یہ غزل کیا ہے مکمل نعت ہے۔ غزل کے پرایہ میں کہی گئی ہے۔ بیش تر ناقدین نے اس غزل کا حوالہ دیا ہے مگر پروفیسر اقبال جاوید نے اس سے اور بھی معانی تراشے ہیں۔ انھوں نے اس غزل کی وضاحت اور تشریح میں نثری نعتیہ غزل کہہ دی ہے۔ انھوں نے مختلف اشعار کی بڑے دل کش اور ایمان آفریں انداز سے تشریح کی ہے۔ گو اس نعتیہ غزل کے بہانے ایک مکمل نعتیہ مضمون قارئین کو میسر آ گیا ہے۔

عزیز احسن ''نعت رنگ'' کے مستقل لکھاری اور مبصر ہیں ان کے مضمون کا عنوان ہے ''غالب کی اردو شاعری میں نعتیہ مضامین کا فقدان'' عزیز احسن نے واضح طور پر مثالیں دے دے کر کہا ہے کہ غالب کی اردو شاعری نعت سے تہی ہے البتہ فارسی شاعری کی شان ہی اور ہے۔ خوشی ہے کہ عزیز احسن نے اس قدر سچے اور کھرے لہجے میں بات کی ہے۔ کہتے ہیں

جس قسم کے مضامین غالب نے حضرت علیؓ کی منقبت میں باندھے ہیں اور جس سرشاری کا مظاہرہ کیا ہے۔ نعت میں اس کی گنجائش نہیں تھی اس لیے اس نے اردو میں کوئی نعت نہیں کہی اور فارسی میں بھی یہ کہہ کر بری الذمہ ہوگیا۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کآں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

(ص ۱۴۲)

ڈاکٹر عاصی کرنالی نے غزلیات غالب کی زمینوں پر نعت گوئی، کو موضوع تحریر بنایا ہے اور اس میں ان

شعرا کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے غالب کی زمین میں نعت گوئی کی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب کو جو شاعر نظر آئے انھوں نے ان کی شاعری کے نمونے پیش کیے ہیں۔ جب کہ پروفیسر سعید وزیر حسن نے قدسی کی غزل پر غالب کی تضمین کے حوالے سے مضمون لکھا ہے:

قدسی کی نعتیہ غزل ہے:

مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اور واقعی غالب نے تضمین نگاری کا حق ادا کردیا ہے۔ شاعر اور تضمین نگار دونوں ہی بلند پایہ شاعر ہوں تو بہاروں نے تو نکھرنا ہی ہے۔ ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط کے مقالے کا عنوان ہے ''عظمتِ رسول خطوطِ غالب میں'' اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے غالب کے خطوط سے نمونے پیش کیے ہیں۔ ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

> مشرک وہ ہیں جو مسیلمہ کذاب کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک جانتے ہیں۔ میں موحد خالص اور مومن کامل ہوں۔ انبیا سب واجب التعظیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مفترض الطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی۔ یہ خاتم المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہیں۔ (ص۱۶۴)

ڈاکٹر صاحب نے خوب صورت نمونہ پیش کیا ہے مگر غالب ہی کے خطوط سے انھوں نے جو اور ''نمونے'' پیش کیے ہیں ان کا کیا کیجیے۔ کتاب کے اختتام پر ناصر کاظمی اور جعفر بلوچ کی کلامِ غالب پر تضامین شائع کی گئی ہیں۔

سیّد صبیح رحمانی تو مختصر سا ابتدائیہ لکھ کر ایک طرف ہو رہے مگر اس اختصار میں جامعیت کا رنگ بھی بھر گئے جس کی بدولت غالب اور ثنائے خواجہ کے عنوان سے اس قدر مواد دورِ حاضر کی وساطت سے دورِ مستقبل کا بیش قیمت اثاثہ بنے گا۔

''نعت کے تنقیدی آفاق'' از عزیز احسن

عزیز احسن کا شمار وطنِ عزیز کے معروف اصحابِ تنقید میں ہوتا ہے۔ ہم زیرِ نظر کتاب میں ان کی تین

ت گوئی کی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب کو جو
کیے ہیں۔ جب کہ پروفیسر سعید وزیر حسن نے
لکھا ہے:

مدنی العربی
عجب خوش لقبی

۔ شاعر اور تضمین نگار دونوں ہی بلند پایہ شاعر
شیط کے مقالے کا عنوان ہے ''عظمتِ رسول
غالب کے خطوط سے نمونے پیش کیے ہیں۔

ت میں خاتم المرسلین کا شریک
کامل ہوں۔ انبیا سب واجب
مفترض الطاعت تھے۔ محمد علیہ
م المرسلین اور رحمۃ للعالمین

غالب ہی کے خطوط سے انھوں نے جو اور
تمام پر ناصر کاظمی اور جعفر بلوچ کی کلامِ غالب

ہے مگر اس اختصار میں جامعیت کا رنگ بھی بھر
سے اس قدر مواد دورِ حاضر کی وساطت سے دورِ

اق'' ازعزیزاحسن

ں ہوتا ہے۔ ہم زیرِنظر کتاب میں ان کی تین

کتبِ نعت گوئی کا تنقیدی زاویہ پیش کر چکے ہیں۔ یہ چوتھی تصنیف ہے جس میں عزیز احسن نے حسبِ سابق اپنی فکری اور علمی کاوش کے چراغوں کو ضیا بخشی ہے۔ کتاب ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے نعت ریسرچ سینٹر کراچی نے بڑے اہتمام اور اشاعتی وقار کے ساتھ شائع کیا ہے۔ سنِ اشاعت ستمبر ۲۰۱۰ء ہے۔ کتاب میں گیارہ تنقیدی مضامین پیش کیے گئے ہیں جن کے عنوانات ذوقِ کاوشِ ناخن، اُردو کی حمدیہ شاعری میں جدید اسالیب، مظفر وارثی کا نعتیہ آہنگ، نعتیہ شاعری میں متنی رشتوں کی تلاش، تخلیقی ادب اور نعتیہ ادب، اقبال جاوید کی نعت شناسی، اسلوب شناس نعت نگار احسان اکبر، صبا اکبرآبادی کی نعت گوئی، قلزمِ انوار تخلیق مقاصد کا آئینہ، جاذب قریشی کا قلمی سفر، قمر وارثی کے ریاضِ سخن میں نعتیہ پھولوں کی مہک اور عابد سعید عابد کی نعتیہ شاعری ہیں۔'' پہلے مضمون ذوقِ کاوشِ ناخن میں تنقید نگار کے مقام کا تعین کیا گیا ہے۔

تمام مضامین کو تحریر کرنے کے باب میں مصنف نے غیر معمولی محنت اور فکری ریاضت کا مظاہرہ کیا ہے۔ تخلیقی ادب اور نعتیہ ادب کی موجودہ صورتِ حال کے ضمن میں رقم طراز ہیں کہ:

> ڈاکٹر سیّد عبداللہ کی رائے میں صرف تخلیقی مواد ہی ادب کہلانے کا مستحق ہے۔ وہ فرماتے جو ادب تخلیقی نہیں۔ وہ ادب کے زمرے میں شامل کیسے ہوگا اور ادب کی تخلیقی شاخوں کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے شاعری کو اوّلیت دی ہے، ڈاکٹر صاحب نے ادب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ ''ادب وہ فنِ لطیف ہے جس کے ذریعے ادیب جذبات وافکار کو اپنے خاص نفسیاتی و شخصیاتی خصائص کے مطابق نہ صرف ظاہر کرتا ہے بلکہ الفاظ کے واسطے سے زندگی کے داخلی اور خارجی حقائق کی روشنی میں ان کی ترجمانی و تنقید بھی کرتا ہے۔''

''مظفر وارثی کا حمدیہ آہنگ'' میں عزیز احسن لکھتے ہیں:

> مظفر وارثی چوں کہ ایک سلسلۂ تصوف سے منسلک ہیں، اس لیے خاصی حد تک وحدت الوجودی فکر ان کے نگار خانۂ شعر میں منعکس ہو رہی ہے۔ اللہ ربّ العزت کی ذات کائنات کی تخلیق اور ذی رُوح مخلوقات

کی پیدائش سے بھی قبل موجود تھی اور اس کی ذات میں کلیت کے تمام سامان موجود تھے۔ وجودِ آدم و کائنات اللہ رب العزت کی ذات سے باہر نہ قبل از ظہور تھا نہ بعد از ظہور ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کُل کو محیط تھی، ہے اور رہے گی اور اس کی ذات میں کوئی خلا نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔

مندرجہ بالا پیرا گراف میں دیکھیے تو فکر و فن اور خوب صورتی فن کے لحاظ سے دو آتشہ نظر آتا ہے۔ ایک طرف تحقیق و تنقید کا عمل ہے جو ان کی تحریروں کی خاص خوبی ہے اور دوسری طرف اُسلوبِ عبارت بڑا جاندار، دل کش اور خوب صورت نظر آتا ہے۔ فقرے سے فقرہ پیوست ہے۔ پوری کتاب میں یہ دونوں خصائص یک جان ہو کر نظر آئیں گے۔ اسی کو عبارت آرائی اور قلمی جلوہ کاری کا نام دیتے ہیں۔ عزیز احسن کوئی نو واردِ کوچۂ تحریر نہیں بلکہ ایک عرصے سے شاعری اور نثر نگاری کی راہوں پر پوری فنی احتیاط کے ساتھ ادبی لوازم کو ہمراہ لے کر سفر کر رہے ہیں۔ ان کی شخصیت نگاری بھی خوب صورت ہے اور راہِ پُر خار میں تیز روی بھی لائقِ تحسین ہے۔

ہم اپنی بات کی وضاحت کے لیے مظفر وارثی کے حوالے سے ایک اور مقام پر چند جملے مستعار لے رہے ہیں تا کہ عزیز احسن کی تنقیدی ریاضت، ادبی نقوش، فکری خدوخال اور عبارت آرائی نگاہوں میں جلوہ ریز ہو سکے:

> اسی طرح مظفر کے ہاں بھی غزل کی بھرپور روایات جھلک رہی ہیں، غزل کا تیکھا پن، محبوب سے براہِ راست یا بالواسطہ نسیمِ صبح کے لہجے میں تخاطب، ایمائیت، احساس کی نرمی، لفظوں کی صباحت، تراکیب کی برجستگی، قوافی کا برمحل استعمال، جذبات کی شدت اور لفظیات کی طُرفگی مظفر وارثی کی حمدیہ غزلوں میں نمایاں ہیں۔

اسی طرح عزیز احسن، قمر وارثی کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے یوں سخن پیرا ہوتے ہیں:

> دربارِ رسولِ اکرم ﷺ میں حاضری کے اتنے خوب صورت اظہار سے اپنی شاعری کو بقعۂ نور بنانے والا قمر وارثی بجا طور پر قابلِ مبارک باد ہے کہ اُس نے ایسے لمحات کو جن میں زائر کی گویائی جواب دے جاتی

س کی ذات میں کلیت کے تمام
اللہ رب العزت کی ذات سے
ونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کُل کو محیط
کوئی خلا نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔
تی فن کے لحاظ سے دو آتشہ نظر آتا ہے۔ ایک
خوبی ہے اور دوسری طرف اُسلوبِ عبارت بڑا
سے فقرہ پیوست ہے۔ پوری کتاب میں یہ
عبارت آرائی اور قلمی جلوہ کاری کا نام دیتے
سے شاعری اور نثر نگاری کی راہوں پر پوری
ہیں۔ ان کی شخصیت نگاری بھی خوب صورت

لے سے ایک اور مقام پر چند جملے مستعار لے
وش، فکری خدوخال اور عبارت آرائی نگاہوں

ر پور روایات جھلک رہی ہیں،
ت یا بالواسطہ نسیمِ صبح کے لہجے
لفظوں کی صباحت، تراکیب کی
کی شدت اور لفظیات کی طُرفگی
ں۔
لے سے یوں سخن پیرا ہوتے ہیں:
اتنے خوب صورت اظہار سے
رقی بجا طور پر قابلِ مبارک باد
ائر کی گویائی جواب دے جاتی

ہے، الفاظ انسان کے نطق کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ احساسات کا غلبہ زبان سے قوتِ تکلّم چھین لیتا ہے۔ گناہوں کی یاد ہر زائر کو ندامت کے غبار میں لپیٹ لیتی ہے۔ قمر نے سچے جذبوں کی کہکشاں سجاتے ہوئے اپنا شعری سفر ہی طے نہیں کیا بلکہ لاکھوں زائروں کے دلوں میں پوشیدہ جذبوں کو زبان عطا کر دی ہے۔

ان عبارات کے مطالعہ سے اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ عزیز احسن صاحبِ اسلوب نقاد ہی نہیں بلکہ خصوصی آہنگ رکھنے والے شاعر بھی ہیں۔ ایسا تب ہی ہوتا ہے کہ جب شاعر کا مشاہدہ وسیع، مطالعہ رفعت پزیر، فکر ہمالہ قامت اور خیالات کی روموج در موج ایک جیسے خرام اور اعتدال کے ساتھ بہہ رہی ہو۔ عزیز احسن ایک مقام پر اپنی شاعری کی سند حاصل کرنے کے لیے دانش گاہ اور اس کے سابق صدر شعبہ عربی زبان فارسی اُردو پروفیسر ڈاکٹر سیّد وحید اشرف کچھ چھوی کی اپنی کتاب پر استدراک کی ذیل میں وقیع رائے بھی حاصل کر چکے ہیں۔ اس میں عزیز احسن کی تنقید آرائی اور رنگینیٔ عبارت کا انعکاس یک جا نظر آتا ہے۔ بلاشبہ یہ قابلِ فخر حقیقت ہے۔

ان کے شعری اور تحقیقی خدوخال کے امتزاج کا احساس اب تو سب کو ہے۔ پہلے ایسا نہیں تھا۔ اس منزل کے حصول کے لیے عزیز احسن کو شدید محنت اور ادبی ریاضت سے گزرنا پڑا ہے جس کا بخوبی احساس نعت رنگ کراچی (مدیر سیّد صبیح رحمانی) کے مختلف شماروں میں ایک تسلسل کے ساتھ شائع ہونے والے مضامین اور مقالات کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ مشہور نقاد اور بزرگ شخصیت ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی مرحوم اسی کتاب (نعت کے تنقیدی آفاق) کے فلیپ میں لکھتے ہیں کہ (ہم تحریر میں طوالت پیدا کرنے کے لیے نہیں لکھ رہے بلکہ عزیز احسن کی شعری و ادبی اور تنقید سخن پیمائی پر بات کرنے کے لیے اس فلیپ سے استفادہ کر رہے ہیں)

''فضا کی یہ تبدیلی اچانک اور بے سبب نہیں ہے۔ چند اہلِ قلم نے اس مسئلے (نعت بطورِ مستقل ادبی صنف) کو چھیڑا اور نبی کریم ﷺ کے فیض سے انھیں کامیابی نصیب ہوئی۔ ''نعت رنگ'' اس قافلے کا پہلا مسافر تھا اور اب ایک قافلۂ نعت شناسی ہمیں ادب کی بلندترین منزل کی طرف بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ عزیز احسن اس قافلے کے اوّلین راہیوں میں سے ایک ہیں جن کو ان کی محنت، مطالعے اور ذوق

نے اس قافلے کے سالاروں میں شامل کردیا ہے۔عزیز احسن کے مضامین میں نعت کے فنی تقاضوں، اُسلوب کے مسئلوں، موضوع کے مطالبوں اور دوسرے تخلیقی پہلوؤں کا جائزہ بڑی وضاحت کے ساتھ ملتا ہے۔ وہ خالص ادبی نقطۂ نظر سے نعت کا مطالعہ کرتے ہیں اور فقہی خارزاروں میں اُلجھ کر اپنے دامن کو تار تار نہیں ہونے دیتے۔عزیز احسن نے نعت کا تخلیقی مطالعہ کیا ہے۔ وہ نعت گو شعرا کے فہرست ساز نہیں۔''

حق تو یہ ہے کہ عزیز احسن نے بالخصوص فروغِ نعت کے نام پر ''نعت رنگ'' میں اس تیزی سے لکھا کہ چند برس پیشتر اس کا اندازہ بھی نہ تھا۔ یہ خدا کی خاص عطا ہے۔ دُعا ہے کہ رب کونین ان کی برق رفتاری کو مزید جلا عطا کرے۔ آمین

''فنِ اداریہ نویسی اور نعت رنگ'' از ڈاکٹر افضال احمد انور

ڈاکٹر افضال احمد انور ایک معروف صاحبِ تحقیق اور نقاد ہیں۔ان کی بہت سی تحریریں منظرِ عام پر آچکی ہیں جنھیں اصحابِ فکر وفن توقیر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ زیرِ نظر تحقیقی کاوش نعت ریسرچ سینٹر کراچی کے زیرِ اہتمام مارچ ۲۰۱۰ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔اس کتاب کا انتساب حضرت عبدالرشید پانی پتی (۱۹۷۴ء۔۱۹۱۷ء) کے نام کیا گیا ہے۔ کتاب کے آغاز میں ڈاکٹر وحید قریشی، محمود شام، پروفیسر اے آر خالد اور پروفیسر انوار احمد زئی کے تاثرات شامل کیے گئے ہیں جب کہ دیباچہ ڈاکٹر افضال احمد انور نے تحریر کیا ہے۔اس کے بعد کتاب کی اصل تحقیقی حیثیت فنِ اداریہ نویسی کا آغاز ہوتا ہے جو تقریباً ۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

ڈاکٹر وحید قریشی (نام ور اسکالر) اس کے بارے میں تاثرات کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

> زیرِ نظر کاوش دو وجوہ کی بنا پر منفرد ہے۔اوّل ''نعت رنگ'' کراچی وہ رسالہ ہے جس نے نعتیہ ادب پر تنقید کو ایک تحریک کی شکل دی، دوم پہلی مرتبہ کسی نے نعتیہ صحافت میں اداریہ نویسی کے فنی مباحث کا جائزہ لیا ہے۔

محمود شام کا کہنا ہے کہ ''ان اوراق سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے علم

ز احسن کے مضامین میں نعت کے فنی تقاضوں،
ٹلیقی پہلوؤں کا جائزہ بڑی وضاحت کے ساتھ
رتے ہیں اور فقہی خارزاروں میں اُلجھ کر اپنے
ت کا تخلیقی مطالعہ کیا ہے۔ وہ نعت گو شعرا کے

نام پر ''نعت رنگ'' میں اس تیزی سے لکھا کہ
ں عطا ہے۔ دُعا ہے کہ رب کونین ان کی برق

ک'' از ڈاکٹر افضال احمد انور

ہیں۔ ان کی بہت سی تحریریں منظرِ عام پر آچکی
ں۔ زیرِنظر تحقیقی کاوش نعت ریسرچ سینٹر کراچی
س کتاب کا انتساب حضرت عبدالرشید پانی پتی
غاز میں ڈاکٹر وحید قریشی، محمود شام، پروفیسر
ں کیے گئے ہیں جب کہ دیباچہ ڈاکٹر افضال احمد
یثیت فنِ اداریہ نویسی کا آغاز ہوتا ہے جو تقریباً

ثرات کا اظہار یوں فرماتے ہیں:
۔ اوّل ''نعت رنگ'' کراچی وہ
و ایک تحریک کی شکل دی، دوم
یہ نویسی کے فنی مباحث کا جائزہ

کچھ سیکھا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے علم

میں بھی اضافہ ہوگا۔ لائقِ مبارک باد ہیں وہ سب خواتین وحضرات جو اس کتاب کی تحریر و تدوین، ترتیب و آرائش کے مختلف مراحل میں شریک رہے۔''

ڈاکٹر اے آر خالد نے اسے صحافتی انداز کے نیّر تاباں سے تعبیر کیا ہے۔ پروفیسر انوار احمد زئی لکھتے ہیں کہ ''ان اداریوں میں تاریخ کا سفر بھی ہے، تہذیب ذات کا نظریہ بھی اور مستقبل میں نعت کو بطورِ صنفِ سخن اس کا ممتاز، جائز اور دقیع مقام دلانے کی سعیِ مسلسل بھی۔'' اس کے ساتھ ہی طویل مضمون فنِ اداریہ نویسی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس میں قدم قدم پر حوالے اور ماخذ بکھرے پڑے ہیں جو مؤلف کی کاوش کی روشِ دلیل ہیں۔ آغاز میں انھوں نے دیباچہ نگاری کی تعریف و تاریخ بیان کی ہے کہ اس کے حقیقی اور فطری تقاضے کیا ہیں۔ حوالوں اور ماخذ کی فہرست میں اُردو ادب کی دیباچہ نگاری کے بڑے نام نظر آتے ہیں۔ یہ وہ نام ہیں کہ جن کا ذکر کیے بغیر اداریہ نویسی کا کارواں آگے بڑھتا ہی نہیں ہے۔

یہ کتاب دراصل مجلّہ ''نعت رنگ'' کے اداریوں کا مکمل تنقیدی جائزہ ہے۔ اس سے پیش تر نعتیہ صحافت میں کسی کو توفیق ہی ارزاں نہیں ہوئی کہ اس پر کام کر سکے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اپنے موضوع سے پورا پورا انصاف کیا ہے۔ صرف مختلف شماروں کے اداریے ہی نہیں بلکہ ۷۰؍صفحات کا دیباچہ تحریر کر کے ان اداریوں کو یادگار حیثیت بخش دی ہے۔ دراصل ''نعت رنگ'' محض ایک رسالہ ہی نہیں، بلکہ اس کا وجود نعتیہ صحافت کی سربلند تحریک میں ڈھل چکا ہے۔ صبیح رحمانی سادہ سادہ سے الفاظ میں اداریہ لکھتے ہیں مگر اس سادگی میں بھی عبارت آرائی کے جملہ لوازم اور پُرکاری کا اہتمام ہے۔

ڈاکٹر افضال احمد انور اپنے تحقیقی ذوق کی بدولت پہلے ہی اُردو تنقید میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے یہ کتاب بھی ان کے ادبی مقام و مرتبہ کو مزید فکری و معنویت جگمگاہٹ عطا کرنے کا باعث بنے گی۔

افضال انور نے تنقید کے اُصولوں کا تعین کرتے ہوئے ''نعت رنگ'' کے ایک ایک شمارے کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ بتایا ہے کہ مدیر کی ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں۔ ''نعت رنگ'' میں شائع ہونے والے خطوط کا جائزہ لیا گیا ہے۔ صبیح رحمانی اور ''نعت رنگ'' کس طرح ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوگئے، اس کا اجمالی جائزہ بھی شریکِ کتاب ہے۔ ''نعت رنگ'' کے اداریوں کا اسلوب کیا ہے۔ دُنیا سے چلے جانے والوں کا مقام اور ادبی مرتبہ کیا ہے۔ صبیح رحمانی قلم کاروں سے لکھوانے کا کس قدر حوصلہ

رکھتے ہیں۔ مدیر کی بلند نگاہی، گالیاں کھا کر پھول برسانے کی ادائیں سمیت بہت سے مضامین اس کتاب کا حصہ ہیں۔

کتاب کے آخری حصے میں ''نعت رنگ'' کے اداریے مکمل متن کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ پہلے بیس شماروں کے اصلی متون کی من و عن عکسی نقول اس حصے کی زینت ہیں۔ ''فنِ اداریہ نویسی اور نعت رنگ'' کی ضخامت ۱۶۸ رصفحات پر مشتمل ہے۔ کاغذ خوب صورت اور جلد دلآویزی ہے۔ اسے نعت سینٹر کراچی نے شائع کیا ہے اور قیمت دوصد روپے ہے۔ اس کے سولہ صفحات مختلف احباب کی آرا کے لیے وقف ہیں۔ طویل مقالہ (ڈاکٹر محمد فیروز شاہ) اداریہ نویسی کے لیے تقریباً ۷۶ رصفحات ہیں جب کہ ''نعت رنگ'' کے اداریوں کے اصل متن کا دورانیہ ۷۲ رصفحات پر مشتمل ہے۔

ڈاکٹر افضال احمد انور کی یہ تحقیقی کاوش ایک زندہ رہنے والی تصنیف ہے۔ مختلف شخصیات کے اداریوں پر تو کئی کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں مگر ایک ہی صنفِ سخن نعت نگاری کے حسنِ معنوی پر یہ اکلوتی کتاب منظرِ عام پر آئی ہے۔ اسی بنا پر یہ کتاب فروغ و ابلاغِ نعت کے حوالے سے یاد رکھی جائے گی اور آنے والے ادوار میں نعت نگاری پر فنی اور تنقیدی لحاظ سے کام کرتے ہوئے اس کتاب سے روشنی مستعار لیتے ہوئے فخر محسوس کریں گے۔ ''نعت رنگ'' کا اٹھارواں شمارہ حضرت شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی کے لیے وقف ہے۔ اداریہ نویس سیّد صبیح رحمانی (مدیر) اس کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

> حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں اُردو کے وہ خوش نصیب اور مقبولِ خاص و عام نعت گو ہیں جن پر بہت لکھا گیا ہے۔ اُردو کے کسی اور نعت گو پر اتنا نہیں لکھا گیا جتنا مطبوعہ مواد مولانا احمد رضا خاں پر موجود ہے۔ لیکن مقالات و مضامین کی یہ کثرت ہمارے لیے خوشی کا باعث تو ہوسکتی ہے، اطمینان کا نہیں۔ خوشی اس بات کی کہ کسی نہ کسی بہانے ایک عظیم نعت گو کی یاد اور اس کے کام کی خوش بو پھیل رہی ہے اور عدمِ اطمینان اس بات پر کہ اس مطبوعہ سرمائے کی ایک بڑی تعداد سنجیدہ قارئین کو متاثر کرنے کے بجائے یکسانیت اور اُکتاہٹ پیدا کررہی ہے۔

انے کی ادائیں سمیت بہت سے مضامین اس

ل متن کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ پہلے بیس
ے کی زینت ہیں۔ ''فنِ اداریہ نویسی اور نعت
وب صورت اور جلد دلآوزی ہے۔ اسے نعت
ہے۔ اس کے سولہ صفحات مختلف احباب کی آرا
اداریہ نویسی کے لیے تقریباً ۷۶ر صفحات ہیں
انیہ ۷۲ر صفحات پر مشتمل ہے۔
والی تصنیف ہے۔ مختلف شخصیات کے اداریوں
سخن نعت نگاری کے حسنِ معنوی پر یہ اکلوتی
ابلاغِ نعت کے حوالے سے یاد رکھی جائے گی
اظ سے کام کرتے ہوئے اس کتاب سے روشنی
کا اٹھارواں شمارہ حضرت شاہ احمد رضا خاں
رحمانی (مدیر) اس کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:
مد رضا خاں اُردو کے وہ خوش
ہیں جن پر بہت لکھا گیا ہے۔
ا گیا جتنا مطبوعہ مواد مولانا احمد
و مضامین کی یہ کثرت ہمارے
ں کا نہیں۔ خوشی اس بات کی کہ
یاد اور اس کے کام کی خوش بو
ت پر کہ اس مطبوعہ سرمائے کی
رنے کے بجائے یکسانیت اور

مدیر ''نعت رنگ'' کا ایک کمال یہ ہے کہ انھوں نے گوشہ رفتگاں کو ہمیشہ یاد رکھا اور نہایت تواتر سے اس میں ان شخصیات کو خراجِ عقیدت پیش کرتے رہے جو دیکھتے ہی دیکھتے ماضی کے ایوانوں کی زینت بن گئیں۔ مضامین کے انتخاب کے سلسلے میں تنوع سے کام لینا ایسا مرحلہ ہے کہ اداریہ نویسی پر تنقیدی کام کرنے والا نظر بچا کر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اگر تنقیدی کام کرنے کے لیے مواد خوب تر نصیب ہو جائے تو ناقد کا قلم ستارے بکھیرتا ہے اور مستقبل کے لیے سیر حاصل تحریر چھوڑنے میں کامیاب رہتا ہے۔ پروفیسر افضال احمد انور نے ترتیب و ادارت کی جو عمارت مہیا کی تھی اس کی آرائش و زیبائش کے لیے اداریہ نویسی کے نام پر ایسا ہی قابلِ قدر کام کیا جا سکتا تھا۔

اُردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ از رشید وارثی

یہ تحقیقی تصنیف ممتاز نعت گو شاعر، ادیب اور نثر نگار رشید وارثی کی تخلیق ہے جو اپریل ۲۰۱۰ء میں نعت ریسرچ سینٹر کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی۔ ۳۱۲ر صفحات پر مشتمل اس کتاب کے تقسیم کار فضلی بک کارنر کراچی ہیں۔ اس کا مقدمہ رشید وارثی نے لکھا ہے جب کہ تنقیدی جائزہ یحییٰ نشیط نے پیش کیا ہے۔ رشید وارثی نے اس مقدمے میں عزیز احسن کے ساتھ فضیلت سیّدنا ابوبکرؓ اور سیّدنا علی المرتضیٰؓ کی امامت کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ادیب اور شاعر ہونے کے علاوہ نامِ علی المرتضیٰؓ پر مر مٹنے والے مناظر بھی ہیں۔ یہ مقدمہ بذاتِ خود مطالعہ کی چیز ہے جس کا یقیناً قارئین نے پوری دل جمعی کے ساتھ مطالعہ کیا ہوگا۔

رشید وارثی کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ مجلّہ ''نعت رنگ'' کراچی کے پہلے شمارے سے لے کر مسلسل قلمی طور پر اس کے ہمراہ رہے ہیں اور شاید ہی کوئی ایسا شمارہ ہو جو ان کی فکر انگیز تحریروں سے محروم رہا ہوگا۔ انھوں نے جس موضوع پر ہاتھ ڈالا پورے انصاف سے ڈالا اور مقصد تک پہنچے بغیر اپنے طویل مضمون سے دستبردار نہیں ہوئے۔ راقم (محمد اکرم رضا) نے جب ان پر مضمون رشید وارثی کی نعت شناسی لکھا تھا تو ہر قدم پر یہی احساس ہوا تھا کہ ان کی تنقید محض لفظیات یا حرف گیری کی محتاج نہیں بلکہ وہ پورے تشریحی وقار کے ساتھ لکھنا جانتے ہیں۔ ان کے مضامین کے عنوانات اچھوتے اور رنگا رنگی لیے ہوئے ہوتے ہیں یا شاید یہ مدیر ''نعت رنگ'' سیّد صبیح رحمانی کے دامِ محبت آفریں کے اسیر ہو گئے ہیں جو پہلے صاحبِ قلم کا انتخاب کرتے ہیں، اس کی تحریری تگ و تاز دیکھتے ہیں، قلم کار کو

مضبوطی سے پکڑ کر جکڑتے ہیں کہ عزیزم ادب بھاگ کر دکھاؤ، اب بیچارا بھاگ کر کہاں جائے گا۔

اس نے اپنا بنا کے لوٹ لیا
کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

رشید وارثی جیسا سلوک راقم الحروف (محمد اکرم رضا) عزیز احسن، ڈاکٹر شفقت رضوی، عبدالنعیم عزیزی، ریاض حسین، عاصی کرنالی، مولانا کوکب نورانی، ڈاکٹر شبیر قادری جیسے نجانے کتنوں کے ساتھ ہو چکا ہے۔ مجھے تو وہ شمارۂ اوّل سے ہی محبت کا اسیر بنا لینا چاہتے تھے، میں نجانے ایک عرصے تک ان سے کیسے بچ پایا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ رشید وارثی نے جن مضامین پر لکھا، بھرپور انداز سے لکھا۔ بعض اوقات بعض مقامات پر ان کے مضامین کے مندرجات سے اختلاف ہوسکتا ہے مگر ان کی محنت اور خلوص پر شک نہیں کیا جاسکتا۔ وارثیوں کا اپنا ہی لہجہ اور اپنا ہی انداز ہے۔ یہ وحدت الوجودی عقیدے سے کسی طور دستبردار نہیں ہوتے۔ بیدم وارثی سے مظفر وارثی تک ہر ایک کے ہاں ایک ہی جیسا ماحول ہے۔ یہی فکری نظارہ رشید وارثی کے صحنِ شوق کا بھی طواف کرتی رہتی ہے۔

کتاب میں دس تنقیدی مضامین شامل ہیں۔ پہلے مضمون ''اُردو نعت میں ذم کے پہلو'' میں بتایا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انتہائی نفیس افضل اور پاک تھے۔ آپ کے چہرے کی زیارت ہی ایمان کو قوت بخشتی تھی۔ آپ کے محبوب شعرالائقِ صد تحسین ہیں اس لیے آپ کی ذات والا صفات میں آپ کی شان سے کم تر لفظ لانا یا آپ کی شان کے کم تر الفاظ تلاش کرنا عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ جس کی خاطر رب نے اس کا ذکر سر بلند کر دیا ہو بھلا کوئی اس کی تقدیس وعزت میں کمی لانے کا تصور بھی کرسکتا ہے۔ آپ کی صورت، سیرت، گفتار، کردار، سربلندی وجلالت میں کمی لانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ دنیا بھر کے اولیاء اللہ اور مقربین تو وہاں پلکوں کے بل حاضری دیتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کہتے ہیں:

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

خدا کے بعد جو کچھ ہیں وہ حضور ﷺ ہی ہیں البتہ خدا اور رسولِ خدا کے مقامات میں الوہیت اور نبوت کے تفاوت اور مقام ومرتبہ کے فرق کو مدِّ نظر رکھنا چاہیے۔ اگلے مضمون اُردو نعت میں شانِ الوہیت کا

دکھاؤ، اب بیچارا بھاگ کر کہاں جائے گا۔

کے لوٹ لیا

ا رہائی ہے

) عزیز احسن، ڈاکٹر شفقت رضوی، عبدالنعیم
انی، ڈاکٹر شبیر قادری جیسے نجانے کتنوں کے
سیر بنالینا چاہتے تھے، میں نجانے ایک عرصے
رثی نے جن مضامین پر لکھا، بھرپور انداز سے
ے مندرجات سے اختلاف ہوسکتا ہے مگر ان کی
ں لہجہ اور اپنا ہی انداز ہے۔ یہ وحدت الوجودی
سے مظفر وارثی تک ہر ایک کے ہاں ایک ہی
رق کا بھی طواف کرتی رہتی ہے۔

ں ''اُردو نعت میں ذم کے پہلو'' میں بتایا گیا ہے
تھے۔ آپ کے چہرے کی زیارت ہی ایمان کو
ں اس لیے آپ کی ذات والا صفات میں آپ
ا تلاش کرنا عذابِ الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ جس
س کی تقدیس و عزت میں کمی لانے کا تصور بھی
ندی و جلالت میں کمی لانے کا تصور بھی نہیں کیا
ں کے بل حاضری دیتے ہیں۔ مولانا احمد رضا

یں جس میں

ھرتے ہیں

ر رسولِ خدا کے مقامات میں الوہیت اور نبوت
ہے۔ اگلے مضمون اُردو نعت میں شانِ الوہیت کا

استخفاف، اس مضمون میں ایک تو پہلے مقالے جیسی باتیں دہرائی گئی ہیں اور دوسرے احمد رضا خاں کے قولِ فیصل کو شدت سے دہرایا ہے کہ خدا خدا ہی ہے۔ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام و مرتبہ کو کوئی بال برابر بھی گھٹا دے تو اس کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اس مضمون میں خدا کی خدائی اور الوہیت کو صحیح ایمانی شکوہ کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ اس سے اگلے مضمون ''اُردو نعت میں تلمیحات کا غیر محتاط استعمال'' میں ایک مرتبہ پھر قارئین کے ایمانی وقار کو بیدار کیا گیا ہے۔ تلمیحات کا حسن اپنی جگہ، ان کی بدولت عبارت اور تحریریں خوب سے خوب تر ہوجاتی ہیں۔ مگر یہ مقامِ نعت ہے جہاں غُلو یا گستاخی ایمان سے خارج کردیتی ہے۔ رشید وارثی نے موزوں اور برمحل تلمیحات کی تعریف کی ہے جب کہ جوش و خروش اور انتہائے عقیدت پر مبنی تلمیحات کو ایمان کے مقام و مرتبہ کے منافی قرار دیا ہے۔ ''اُردو نعت میں ادبِ رسالت کے منافی اظہار کی مثالیں'' میں سابقہ باتوں کی تکرار کی گئی ہے۔ البتہ اس میں بڑی تعداد میں شعری مثالیں دی گئی ہیں جن میں ادبِ رسالت کے منافی جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ رشید وارثی کا اگلا مقالہ مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی ممانعت ہے۔ اس میں مدینہ طیبہ کی عظمت و حرمت اور اس کے اسمائے گرامی کی اہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے جب کہ یثرب کے معانی مدینہ طیبہ کی فضیلت اور بزرگی کے منافی ہیں۔ اس لیے مقالہ نگار نے یثرب نام سے پرہیز کی شدید تلقین کی ہے۔ رشید وارثی نے آیاتِ قرآنی اور احادیث کی بدولت اس مضمون کو روحانی مرقع بنا دیا ہے۔ ''اُردو نعت میں شاعرانہ تعلّی'' بھی ایسا ہی فکر آفریں مضمون ہے۔ رشید وارثی نے اس مضمون میں درجنوں شاعروں کے ان اشعار پر گرفت کی ہے جو تعلّی کی زد میں آتے ہیں۔ نعت تو عاجزی، دلسوزی اور خلوصِ فکر کا نام ہے اس میں تعلّی کیسی، غرور کیسا؟ ''اُردو نعت میں صلعم کے استعمال'' کی انھوں نے شدید مذمت کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل دُرود پڑھنا چاہیے۔ صلعم تو گستاخی کے ضمن میں آتا ہے۔ اس میں دُرود شریف کے بارے میں احکامات کا ذکر کیا ہے اور خدا و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دُرود کے بارے میں جو تاکیدیں کی ہیں ان کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

''کلامِ رضا میں مناقب اہلِ بیت'' کے حوالے سے رشید وارثی نے اہلِ بیت سے اپنی غیر معمولی محبت و عقیدت کا ثبوت بہم پہنچانے کے لیے شاہ احمد رضا خاں کے درجنوں اشعار کا انتخاب کیا۔ امام احمد رضا کی محبت اہلِ بیت فقط خدا اور رسولِ خدا کی خوشنودی کے لیے تھی، کسی فقہی گروہ یا مسلک کے لیے نہ تھی۔ بہرحال رشید وارثی نے کلامِ رضا سے منتخب شدہ اشعار کا بڑا ذخیرہ قارئین کی نذر کردیا ہے۔

''اُردو نعت میں انبیائے سابقین کی رفعتِ شان'' میں رشید وارثی نے تلقین کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام و مرتبہ اپنی جگہ مگر عظمتِ مصطفیٰ کو بڑھانے کے لیے کسی نبی کے مقام میں کمی کا تصور بھی نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ حضور نے ایسا کرنے سے شدت کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ ''اُردو نعت میں ضمائر کا استعمال'' میں آپ لکھنے کی تاکید کی ہے البتہ تُو، تیرا، تُم لکھنے سے منع فرمایا ہے۔ اگر بعض بڑے لوگ ایسا کہہ گئے تو ان کا روحانی مقام و مرتبہ بھی بہت بلند تھا اور ہر شاعر وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ غرضیکہ زیرِ نظر کتاب تحقیقی اور تنقیدی طور پر انتہائی بلند مرتبہ کی حامل ہے اور شاعر کے شعری ہی نہیں بلکہ علمی مقام کو بھی اُجاگر کرتی ہے۔ آج رشید وارثی ہم میں نہیں، رب کریم اپنے محبوب کی ثناگوئی کے صدقے میں انھیں آخرت کا بلند ترین مرتبہ عطا فرمائیں، شفاعتِ مصطفیٰ ﷺ ان کا مقدر بنی رہے اور انھیں قبر سے حشر تک ہر مقام پر رفعت و بخشش کا نُور عطا ہو۔ (آمین)

شاعرانِ نعت از راجا رشید محمود

''شاعرانِ نعت'' معروف ادیبِ نعت گو، محقق اور ماہنامہ نعت لاہور کے مدیر راجا رشید محمود کی تحریر ہے جو مدنی گرافکس لاہور کے زیرِ اہتمام ۲۰۰۲ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ کتاب میں تاریخ کے نامور اور انتہائی سربلند نعت گو شعراء کا شعری و ادبی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کتاب میں قدسی، کافی، امیر مینائی، امام احمد رضا خاں، اکبر وارثی، حیات وارثی، دلورام کوثری اور لکشمی نرائن کی نعتیہ شاعری کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ راجا رشید محمود نے ان شخصیات اور ان کے فن پر لکھتے ہوئے اختصار کو بطورِ خاص مدِّنظر رکھا ہے مگر اہم اُمور کو زبان و قلم سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ راجا رشید محمود کی زندگی کا ایک حصہ مدحت سرکار اور سرکار کے غلاموں کا تذکرہ کرتے ہوئے بسر ہوا ہے۔ اس لیے ان پر لکھتے ہوئے ذہن و فکر کو ادبی کٹھنائیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ چونکہ ہم اسی کتاب میں راجا صاحب کی مختلف کتابوں کے حوالے سے گفتگو کر چکے ہیں۔ اس لیے ان پر مزید سابقہ موضوع کے حوالے سے لکھنا کارِ لاحاصل ہے۔ راجا رشید محمود ایک بڑے آدمی ہیں۔ آپ کا پورے کا پورا گھرانہ ہی خود کو ذکر و فکرِ نعت کے لیے وقف کیے ہوئے ہے اس لیے ان کے خانوادہ کو بجا طور پر خاندانِ نعت کہا جا سکتا ہے۔ بیٹی ہو یا بیٹے سب کے سب فروغِ نعت کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔ یہ سلسلہ کبھی رُکا یا تھا نہیں بلکہ ہر آنے والا دور ان کے لیے نئی ادبی جولاں گاہیں تعمیر کرتا ہے۔ آگے کی سطور میں ہم راجا رشید محمود کی کتاب سے چند تحقیقی

شید وارثی نے تلقین کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ
نے کے لیے کسی نبی کے مقام میں کمی کا تصور بھی
رت کے ساتھ منع فرمایا ہے۔"اُردو نعت میں
یرا،تُم لکھنے سے منع فرمایا ہے۔اگر بعض بڑے
ت بلند تھا اور ہر شاعر وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔
رتبہ کی حامل ہے اور شاعر کے شعری ہی نہیں
یں نہیں، رب کریم اپنے محبوب کی ثنا گوئی کے
، شفاعتِ مصطفیٰ ﷺ ان کا مقدر بنی رہے اور
ہو۔(آمین)

اجا رشید محمود

ہ نعت لاہور کے مدیر راجا رشید محمود کی تحریر ہے
ت پزیر ہوئی۔کتاب میں تاریخ کے نامور اور
ہے۔اس کتاب میں قدسی، کافی، امیر مینائی،
ی اور لکشمی نرائن کی نعتیہ شاعری کو موضوعِ سخن
ے فن پر لکھتے ہوئے اختصار کو بطورِ خاص مدِّ نظر
دیا۔راجا رشید محمود کی زندگی کا ایک حصہ مدحت
وا ہے۔اس لیے ان پر لکھتے ہوئے ذہن وفکر کو
میں راجا صاحب کی مختلف کتابوں کے حوالے
ع کے حوالے سے لکھنا کارِ لاحاصل ہے۔راجا
رانہ ہی خود کو ذکر وفکر نعت کے لیے وقف کیے
ی نعت کہا جاسکتا ہے۔بیٹی ہو یا بیٹے سب کے
ی رُکا یا تھما نہیں بلکہ ہر آنے والا دور ان کے
میں ہم راجا رشید محمود کی کتاب سے چند تحقیقی

نکات پیش کرر ہے ہیں۔ پروفیسر ایوب قادری لکھتے ہیں کہ"جب مولانا کافی کو پھانسی دینے کے لیے لے جایا گیا تو مولانا نہایت بلند آواز سے اپنی تازل غزل پڑھ رہے تھے۔"

اُردو شاعروں میں دو بڑے نام نعت گوئی میں فخر کے ساتھ پیش کیے جاسکتے ہیں ایک امیر مینائی دوسرے محسن کاکوروی۔حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت بریلوی کی شاعری داخلی اور خارجی شاعری کا حسین امتزاج ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت سے پوری طرح تطابق رکھتی ہے۔مولانا احمد رضا اگر بے نظیر عالم تھے تو منفرد فقیہہ بھی تھے۔ان کے کلام میں ایسے ایسے موتی منظوم ہیں کہ آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے نزدیک نعت نگار کی حیثیت سے سب سے بلند نام احمد رضا خاں کا ہے۔

میلاد شریف کی کتابوں میں جو مقام میلادِ اکبر وارثی کا ہے وہ کسی دوسرے کو نہ ملا۔میلادِ اکبر کی تقلید میں کئی کتابیں لکھی گئیں مگر مولوی مدن والی بات کسی میں پیدا نہیں ہوسکی۔"قُدسی کا مقبرہ اب بے نام و نشاں ہے جب کہ عبداللہ قریشی اور شیخ عبدالحمید لاہوری نے لکھا ہے کہ"قُدسی نے کشمیر میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔" نواب صدیق حسن خاں کہتے ہیں کہ"قُدسی نے لاہور میں وفات پائی اور ان کی ہڈیوں کومشہد لے گئے۔"

ربّ کریم راجا رشید محمود اور خاندانِ نعت کے جملہ افراد اور ماہ نامہ"نعت" کے کار پردازان کو وقت کے دوش پرسوار ہوکرنئی منزلوں کی جانب اُڑان مبارک کرے۔